کینیڈا میں اردو کے سب سے زیادہ پڑھے جانے والے طنز و مزاح سے بھرپور کالم

مذاق ہی مذاق میں

سے انتخاب

فیاض حیدر

.\logo\Al-hasan.t
not found.

۴۵، پریس چیمبر، آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی۔ 74200
فون: (021) 2214000 - 0333-2205682
ای میل: alhasan_academy@yahoo.com
ویب سائٹ: www.geocites.com/academy_81

http://www.kitaabghar.com

جملہ حقوق بحق مصنّف محفوظ ہیں
کتاب کے کسی بھی حصے کی اشاعت اور تشہیر کے لیے مصنّف کی اجازت لازمی ہے۔

کتاب کا نام	مذاق ہی مذاق میں
مصنّف	فیاض حیدر
طابع	الحسن اکیڈمی، کراچی
کمپوزنگ	سسٹم گرافکس، کراچی
سالِ اشاعت	اگست 2004ء
پرنٹر	ذکی پرنٹرز، کراچی
قیمت	15 کینیڈین ڈالر

انتساب

اپنے والد اسعد فخر الدین حیدر اور اپنی والدہ صفیہ خاتون کے نام۔ جنہوں نے اپنی پوری زندگی ہم سب بھائی بہنوں کے لئے وقف کر دی۔ گوکہ اُن دونوں میں سے کوئی بھی اس دنیا میں نہیں لیکن ان کی دعائیں کل بھی ہمارے ساتھ تھیں، آج بھی ہمارے ساتھ ہیں اور کل بھی ہمارے ساتھ رہیں گی۔ آج ہم جو کچھ بھی ہیں یہ سب اُن کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

فہرست

صحافت پر ڈاکہ 9
فن پہ ڈاکہ 13
قرض بھی ایک مرض ہے 19
ماں بیٹا اور بہو 25
آؤ برائی کریں 31
اُلّو اسٹریٹ 37
ویلکم ٹو کینیڈا 41
کینیڈا خواب یا تعبیر 47
عید کا دن 53
شادیات 59
گھر داماد 63
میاں بیوی 67
مسی ساگا کی آواز گل نواز 73
سو چوہے کھا کے بلی...... 77
انٹر+ویو=انٹرویو 81
سچا شاعر سچا دوست 85
گندی مچھلی اور تالاب 91
اخلاقیات اور ہم 97
شیخ جی کیا سیّد کیا 101
مصلحت خداوندی 105
فطرت انسانی 109
کوئلے کی دلالی 115
14 اگست یوم آزادی 119
پہنچی وہیں پہ خاک 125
شرم اس کو مگر نہیں آتی 129
اسٹیج شوز اور ہم 133
خودساختہ 139
رشتہ لگانا 143
تلخ حقیقت 149
آزمائے ہوئے کو آزمانا کیا 153
بیگم عید پاکستان 157
کینیڈا میں پہلی عید 161
رشتے آسمانوں پر بنتے ہیں 165
ماں باپ اور بیٹا 169
رمضان کا مہینہ بڑی برکتوں کا مہینہ 173
اپنا ووٹ ہم کس کو دیں 179
امیگریشن کنسلٹنٹ اور ہم 183
گڑ جیسی بات 187
ماہ رمضان اور ہم 191
ایک اور اخبار 195

فہرست

اپنے منہ میاں مٹھو 201
پاکستانی کمیونٹی 205
بیگم کی واپسی 209
نیا سال مبارک ہو 213
کیا صحیح کیا غلط 217
فلوشاٹ اور ہم 221
شادی میں ساجھا یا ساجھے میں شادی 225
اندھا بانٹے ریوڑیاں 229
شادی پہ شادی 233
ہرفن مولا 237
فنکاروں کی فنکاریاں 241
برجستہ 245
دلچسپ اور عجیب 249
عید قرباں 253
ہوشیار خبردار 259
خوشامد سے خدا راضی 263
کھسیانی بلی کھمبا نوچے 267
ویلکم ”ٹورانٹو ٹائمز“ 271
اللہ کے واسطے مجھے ایوارڈ دے دو 277
بھرم ہمارا کھل گیا 285
تھری وے 291
ذمہ داری 295
ہم کون ہیں 299
نیم حکیم خطرۂ جان 303
ڈائری کی شاعری 307
رئیل اسٹیٹ 313
جائز یا ناجائز 319
پٹے مہرے 323
شادی کی سالگرہ 327
ہمارے سماجی کارکن 331
”گھر داماد“ سے ”بے گھر داماد“ 335
شادی میرے شوہر کی 341
میں بنا دولہا 347
زیادہ لالچ بری بلا 351
مہمان اور میزبان 355
عروج وزوال 359
فخر پاکستان واجد علی خان 363
میں کہاں منزل کہاں 367
ساجھے کی ہانڈی 371
پاکستان ٹیلی ویژن کے فنکار 375

تعارف

نام:۔ فیاض حیدر

والد کا نام:۔ اسعد فخر الدین حیدر (مرحوم)

وابستگی

ماضی:۔ (پاکستان) یونائیٹڈ بینک لمیٹیڈ

حال:۔ (کینیڈا) SSTV چینل 622 پر ڈیوسر پروگرام ''مذاق ہی مذاق میں''

مستقبل:۔ خدا جانے

اظہار تشکّر

میں شکر گزار ہوں اپنے پروردگار کا کہ جس نے مجھے اتنی صلاحیت دی کہ میں آپ سب کے لئے کچھ لکھ سکوں۔

میں شکر گزار ہوں اپنے والدین کا کہ جنہوں نے مجھے اچھی تعلیم و تربیت دی اور اپنی دعاؤں میں ہمیشہ یاد رکھا۔

میں شکر گزار ہوں اپنی بیگم کا کہ جنہوں نے ہر قدم پر میری راہنمائی کی اور زندگی کے ہر موڑ پر میرا ساتھ دیا۔

میں شکر گزار ہوں جناب فرید اشرف غازی کا جنہوں نے مجھے پہلی بار ''آل پاکستان وحید مراد آرٹ سرکل'' کا صدر منتخب کیا۔

میں شکر گزار ہوں جناب مسعود خان کا جنہوں نے مجھے پہلی بار اسٹیج پر متعارف کرایا۔

میں شکر گزار ہوں جناب بشیر خان کا جنہوں نے پہلی بار مجھے ٹیلی ویژن پر متعارف کرایا۔

میں شکر گزار ہوں جناب چیکو سہرا کا جنہوں نے مجھے پہلی بار انڈین فلم میں متعارف کرایا۔

میں شکر گزار ہوں جناب عامر آرائیں کا جنہوں نے مجھے پہلی بار اپنے اخبار ''پاکستان پوسٹ'' میں لکھنے کا موقع دیا۔

میں شکر گزار ہوں جناب اقبال شیخ اور طارق خان کا کہ جنہوں نے مجھے اخبار ''پاکستان اسٹار'' میں لکھنے کا موقع دیا۔

میں شکر گزار ہوں جناب منیر بٹ کا جنہوں نے مجھے اخبار ''پاکستان انٹرنیشنل'' میں لکھنے کا موقع دیا۔

میں شکر گزار ہوں جناب عدنان ہاشمی کا جنہوں نے مجھے اخبار ''سنڈے ٹائمز'' میں لکھنے کا موقع دیا۔ جو ہنوز جاری ہے۔

میں شکر گزار ہوں جناب روندر سنگھ پنّو کا جنہوں نے مجھے اپنے ٹی وی اسٹیشن سے پروگرام ''مذاق ہی مذاق میں'' پروڈیوس کرنے کا موقع دیا جو ہنوز جاری ہے۔

میں شکر گزار ہوں جناب افتخار الدین کا جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت میں میری بھرپور مدد کی۔

http://www.kitaabghar.com

پیش لفظ

مذاق کرنا اور مذاق اُڑانا دونوں میں بڑا فرق ہے۔ میرا مقصد ہمیشہ سے مذاق کرنا رہا ہے کسی کا مذاق اُڑانا نہیں۔ میری باتیں اگر آپ میں سے کسی کی ذاتی زندگی سے مماثلت رکھتی ہوں تو اسے آپ محض اتفاق سمجھئے گا۔

فیاض حیدر

صحافت پر ڈاکہ

اب صحافت کی ہے باری کان کو پکڑو میاں
جس کو آوے کچھ نہیں اخبار نکالے ہے یہاں

مشہور کہاوت ہے کے بھلے گھوڑے کے لیے ایک چابک اور بھلے انسان کے لئے ایک بات عمر بھر کے لیے کافی ہوتی ہے لیکن کیا کیجئے کہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔

ایک کالم نگار نے اخبار کے دفتر فون کر کے پوچھا کہ جناب آپ لوگ کالم کی پروف ریڈنگ نہیں کرتے جواب ملا ''کرتے ہیں'' کالم نگار نے کہا تو پھر میرے کالم میں چند غلطیاں کیسے رہ گئیں۔ اس پر اخبار کے دفتر سے جواب ملا typographical mistake، کالم نگار نے پھر کہا کہ یہ تو پروف ریڈنگ کے بعد ٹھیک ہو جانی چاہیے تھی چونکہ میرا ایک دوست فون کر کے مجھ سے پوچھ رہا ہے تو اس کو کیا جواب دوں کہ آیا میں نے کالم غلط لکھا ہے۔ مجھے انگریزی نہیں آتی یا پھر......! اخبار کے دفتر سے جواب ملا کہ اگر آپ کا دوست پڑھا لکھا ہوتا تو یہ بات سمجھ جاتا کہ typographical mistake کیا ہوتی ہے۔ اس سے کالم نگار کا کچھ لینا دینا نہیں ہوتا۔ ویسے بھی جاہلوں کے لیے تو ہمارے اخبار ہیں بھی نہیں۔ پڑھے لکھے لوگ سمجھ جاتے ہیں۔ یہ بات میں نے اپنے دوست کو بتانے کے لیے لکھی ہے کہ:

کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا

ویسے ہے تو یہ جملے ضائع کرنے والی بات ہے لیکن کوشش کرنے میں کیا ہے۔

ہمارے ایک دوست ہیں۔ دو صفحے کا فلائر نما اخبار نکالتے ہیں۔ اسے اخبار کہنا اخبار کی توہین

ہے۔ پوچھا تو کہتے ہیں کہ میرا اخبار سب سے پرانا اردو کا اخبار ہے اس کی عمر بہت زیادہ ہے حالت دیکھ کر تو لگتا ہے کہ بوڑھا ہو گیا ہے یا پھر بیمار رہتا ہے۔

ایک چوہے کے بچے کی ایک ہاتھی کے بچے سے دوستی ہوگئی۔ دونوں جب کافی گھل مل گئے تو ایک دن چوہے کے بچے نے ہاتھی کے بچے سے پوچھا کہ تمہاری عمر کتنی ہے تو ہاتھی کے بچے نے جواب دیا کہ چھ مہینے پھر ہاتھی کے بچے نے چوہے کے بچے سے پوچھا کہ تمہاری عمر کتنی ہے تو چوہے کے بچے نے کہا ”ہے تو میری عمر بھی چھ مہینے لیکن میں ذرا بیمار رہتا ہوں۔“

میرا وہ دوست ہے جو خیر سے دو صفحے کا اخبار نکالتا ہے جس کے اخبار کو کوئی اخبار نہیں سمجھتا اور کوئی نہیں اٹھاتا (فری میں بھی) اس لئے وہ اپنا شوق پورا کرنے کے لیے دوسرے اخبار میں کالم لکھتا ہے۔ اللہ اس اخبار کی حفاظت کرے، آمین! نہ معلوم مجھے اس اخبار کی کیوں فکر ہے چونکہ وہ لوگ سچے صحافی ہیں اور واقعی کمیونٹی کی سچے دل سے خدمت کر رہے ہیں۔ میرے دل میں ان لوگوں کے لیے بڑی عزت ہے۔

ایک صاحب جو اپنے آپ کو صحافی بھی کہتے ہیں شاعر بھی ہیں اپنے کلام کا مجموعہ لے کر ایک اخبار کے دفتر پہنچے اور کہا کہ اس کی اشاعت کر دیجئے۔ اخبار کے ایڈیٹر صاحب نے ان کا کلام اپنے پاس رکھ لیا اور انہیں دو دن کے بعد آنے کے لئے کہا۔ جب دو دن بعد وہ صحافی نما شاعر صاحب ایڈیٹر کے پاس پہنچے تو ایڈیٹر صاحب نے ان کے کلام کا مجموعہ ان کو لوٹاتے ہوئے کہا کہ آپ کا یہ کلام قابل اشاعت نہیں ہے۔ تو وہ صحافی نما شاعر کہنے لگے لیجئے صاحب! اب غالب کا کلام بھی ناقابل اشاعت ہو گیا۔

ٹورانٹو میں جب سے نئے امیگرنٹس آنے شروع ہوئے ہیں۔ بھات بھات کے لوگ، قسم قسم کے مخلوق جمع ہوگئی ہے۔ لوگوں نے سمجھا کہ نئی جگہ ہے۔ نئے لوگ ہوں گے، نیا ماحول ہو گا جو چاہیں کر لیں گے چونکہ لوگوں کو اپنے فیلڈ کی جاب تو ملتی نہیں ہے جو وہاں کسی دفتر میں Job کرتے تھے وہ یہاں کسی دفتر میں Mop کرنے لگے۔ کوئی شاعر بن گیا کسی نے صحافت کی ڈور پکڑ لی، کوئی اخبار ڈالنے لگا کوئی اخبار نکالنے لگا۔

چونکہ اخبار نکالنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ آپ انٹرنیٹ سے جو خبر چاہیں پرنٹ کر لیں، کالم بنائیں اور پھر cut & paste زندہ باد، دو چار اشتہار پکڑ لیں، دو چار دوستوں کے لگا دیں اللہ اللہ خیر سلا۔ بنی بنائی شیٹ بازار میں ملتی ہے اس میں گرافک کالم بنے ہوتے ہیں کہ کہاں سے کہاں تک کالم چپکانا ہے۔ تصویروں کی جگہ خالی چھوڑ دیں تصویروں کو ڈبّے میں ساتھ ڈال دیں یا اس جگہ پر کچا چپکا دیں باقی کام مثلاً تصویروں کو بڑا یا چھوٹا کرنا جگہ کے حساب سے پریس والے خود کر لیتے ہیں چونکہ پریس والے ان اخبار نکالنے والوں سے زیادہ ذہین ہوتے ہیں۔

کمیونٹی اخبارات کچھ یہاں ہفتے کے ہفتے نکلتے ہیں کچھ پندرہ روزہ ہیں چند ماہانہ بھی ہیں ایک یا دو سہ ماہی ہیں، چھ مہینے میں بھی ایک آدھ نکل آتا ہے اور اب صرف سالانہ اخبار کا انتظار ہے جو سال کے کیلنڈر کے ساتھ آیا کرے گا۔

میرے ایک دوست ہیں سعید صدیقی۔ میں یہ نام ان کی اجازت سے لکھ رہا ہوں۔ اس قدر ذہین آدمی ہیں ایک دن بڑی خوبصورت بات کہہ گئے۔ کہنے لگے یہاں ٹورانٹو میں ہر شخص اپنے آپ کو وہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے ”جو وہ ہے نہیں“۔

اب آپ ہر طرف نظر دوڑائیں، اس بات کی تصدیق ہو جائے گی۔ جس شخص کا دور دور تک صحافت سے تعلق نہیں وہ آج اخبار کا ایڈیٹر اور پبلشر ہے۔

کہتے ہیں کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ جب قیامت قریب ہو گی تو جاہلوں کے ہاتھوں میں قیادت ہو گی اور عالم منہ چھپائے پھریں گے۔

میرے ایک دوست ہیں صحافی بھی ہیں اور دلّالی کا کام کرتے ہیں اور نہ جانے کیا کیا کام کرتے ہے، اللہ معافی۔ دوسروں کے عیب چھپانے چاہییں۔ ایک سرکاری آفیسر کو مکان بیچنے کی ٹھانی جس پر بھاری کمیشن متوقع تھی کہ اچانک اس سرکاری افسر کا تبادلہ ہو گیا ان کی جگہ دوسرا سرکاری افسر پوسٹ ہوا وہ افسر اصولی تھا، خوشامدیوں کو پسند نہیں کرتا تھا اس نے اسی مکان کا سودا اپنے طریقے سے دوسرے باقاعدہ ایجنٹ کے ذریعے طے کر لیا جس پر میرا یہ دوست جو صحافی نما دلّال ہے تلملا اٹھا اور اس نے اپنے فلائر نما اخبار (دو صفحے والا) میں اس نئے سرکاری آفیسر کے

خلاف لکھ دیا جس پر اصول پسند سرکاری افسر نے اس بات کا سختی سے نوٹس لیا جس پر میرا یہ دوست گھبرا گیا اور اس نے سرکاری افسر سے معافی مانگ لی۔ اور اس کام کے لیے اس نے شہر کے معززین کی خدمات بھی حاصل کیں۔

انسان ایسا کام کرے ہی کیوں جس سے دوسروں کی نظر میں ذلیل ہو۔ اپنی نظر میں بھی گر جائے اور کمیونٹی میں الگ بدنام ہو۔

تمام حقیقی صحافیوں کو چاہیے کہ وہ آگے آئیں اور ان نام نہاد صحافیوں کا قلع قمع کریں تا کہ ایک صحت مند فضا قائم ہو سکے۔ اخبارات کا ایک معیار ہو اس کے کالم بھی معیاری ہوں۔ معلوماتی ہوں تا کہ قاریوں کا وقت ضائع نہ ہو۔ کالم نگار جو کالم لکھیں وہ پڑھنے والوں کی سمجھ میں بھی آئے اور اس سے ان کو فائدہ ہو۔ صرف اشتہارات سے اخبارات کے صفحے نہ بھر دیئے جائیں۔ اس میں پڑھنے کے لیے بھی کچھ مواد ہو۔

Cut & Paste والے آپ بھی بس کریں، بہت ہوگئی۔ اب ہر گھر میں انٹرنیٹ پر دنیا بھر کی خبریں پڑھ لیتے ہیں ان کو بلاوجہ محنت کرنے کی ضرورت نہیں کوئی اور کام دھندا ڈھونڈیں۔ ڈھونڈنے سے خدا بھی مل جاتا ہے۔ بشرطیکہ لگن سچی ہو چونکہ

خدا نے آج تک اس قوم حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا

......☆......

فن پہ ڈاکہ

فن پہ ڈاکہ پڑ رہا ہے اپنے ہی لوگوں کے ہاتھ
ہے کوئی فنکار سچا روک دے جو ان کے ہاتھ

ٹورانٹو میں جب سے نئے امیگرنٹس آنے شروع ہوئے ہیں شوبز میں بھی تیزی آ گئی ہے۔ جبکہ شوبز یہاں ابھی تک مکمل طور پر اسٹیبلش نہیں ہے۔ فطری بات ہے کہ جب نئے امیگرنٹس میں شامل فنکار بھی یہاں آئیں گے تو ظاہر ہے کہ وہ بھی اپنے پیر جمانے کی کوشش کریں گے اس طرح ان کا شوبز میں رہتے ہوئے کوئی مقام بن جائے تا کہ بقیہ زندگی بھی فن کی خدمت کرتے گزر جائے اور انہیں ایک عام شخص کی طرح اپنے پروفیشن سے ہٹ کر اوڈ جاب کرنے کی ضرورت نہ پیش آئے۔

لیکن ایسا تب ہوتا جب ٹورانٹو میں موجود پہلے سے خود ساختہ فنکار ان کو ایسا کرنے دیتے۔ وہ تو گھبرا گئے کہ اب جو اصل اور حقیقی فنکار یہاں پہنچ گئے ہیں اس طرح تو ہماری دوکان بند ہو جائے گی۔ ٹورانٹو کے لوگ جو انہیں فنکار سمجھتے تھے مجبوراً اب اپنا محبوب' اصل اور حقیقی فنکار کی فنکارانہ صلاحیتوں کو دیکھ کر اچھل پڑیں گے اور اصلی فنکار اور خود ساختہ فنکار میں با آسانی تمیز کر سکیں گے تو اس خوف سے انہوں نے ان اصلی اور حقیقی فنکاروں کے خلاف مہم شروع کر دی کہ کسی بھی صورت یہ اصلی اور حقیقی فنکار یہاں جمنے نہ پائیں۔ طرح طرح کے بیانات دینے شروع کر دیے کہ ہوں گے وہ فنکار اپنے ملک میں یہاں ان کو کون جانتا ہے۔

بات بھی صحیح ہے کہ جو لوگ 70 کی دہائی میں یہاں آ گئے تھے ان کی اولادیں جو یہاں پیدا

ہوئیں وہ کیا جانیں محمد علی، وحید مراد اور ندیم کو۔ ارے وہ اپنے بچوں کو پاکستان اور اس سرزمین کے پیدا کئے ہوئے سپوتوں کے بارے میں کچھ بتلاتے تو وہ جانتے۔ ان کے پاس اتنا وقت کہاں ہے۔ وہ تو لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر پیسہ بنانے کے نئے نئے طریقے دریافت کرنے میں اپنا وقت صرف کر رہے ہیں ان کے پاس اتنا وقت کہاں کہ وہ اپنے بچوں کو بتاتے کہ ہم کون ہیں۔ کہاں سے آئے ہیں ہماری اصل شناخت کیا ہے۔ وہ تو اپنے بچوں کو کینیڈین کہلانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ محفلوں میں بڑے فخر سے کہتے ہیں۔ ''ہمارے سب بچے تو کینیڈا میں پیدا ہوئے ہیں وہ تو جانتے بھی نہیں ہیں کہ پاکستان کس چڑیا کا نام ہے''۔

انہوں نے تو اپنے بچوں کے نام تک گوروں کے نام سے مرعوب ہو کر رکھ دیے ہیں۔ کیا مسلمان ہونا گناہ ہے اپنے آپ کو پاکستانی کہنا کیا شرم کی بات ہے۔ اچھا خاصا متبرّک نام ہے ''محمد'' تو پکارتے ہیں ''ماؤ'' اس طرح نام ہے ''محمود'' تو پکارتے ہیں ''مائک'' اور بچہ بھی سمجھتا ہے کہ اس کو پکارا جا رہا ہے۔ ظاہر ہے جو بڑے بتائیں گے بچہ تو وہی سیکھے گا ناں۔

ایک دوست ہیں میرے وہ بڑے فخر سے محفلوں میں کہتے ہیں کہ میرے بچے تو پاکستان جانے کے نام سے گھبراتے ہیں اور رونا شروع کر دیتے ہیں۔ معاذ اللہ پاکستان سے اتنی نفرت اور چڑ۔ جس نے ان کو اپنی گود میں رکھا، پالا، پوسا اور جوان کیا اور اس قابل کیا کہ وہ اپنی چند اولادیں پیدا کر سکیں اپنی نسل آگے بڑھا سکیں اور کینیڈا آ کر مستقل سکونت اختیار کر سکیں ان کی یہ سوچ۔

مجھے بڑے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ ہمارے ملک پاکستان کے کئی نامور فنکار جنہوں نے فلم اور ٹیلی ویژن پر بے مثال اداکاری کے جوہر دکھا کر شائقین کے دلوں پر گہرے نقش چھوڑے ہیں۔ جن کو نہ صرف پاکستان بلکہ بھارت اور عرب امارات میں بھی سب جانتے اور پہنچانتے ہیں ہمارے شہر ٹورانٹو میں گمنامی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ ان فنکاروں میں محترمہ نفیس حسن، اداکار محمود اختر، عظمیٰ بیگ، عابدہ شاہین، ارسہ غزل اور نیلما حسن کے نام قابل ذکر ہیں۔ جبکہ اداکار شاہد، آصف رضا میر اور اداکارہ ممتاز بھی کینیڈا میں ہی مقیم ہیں۔

مایہ ناز اور قابل احترام ڈائریکٹر ذور ادین آفریدی جنہوں نے مشہور پی ٹی وی ڈرامہ

سیریل ''خاندان'' بنا کر اپنا نام بڑے ہدایتکاروں کی لسٹ میں شامل کروایا اور جن کی بنائی ہوئی ڈاکومینٹری فلم Travel Guide of Pakistan یہاں پرائم ٹی وی پر دکھائی جاتی ہے۔ خیر سے وہ بھی اسی شہر ٹورانٹو میں مستقل رہائش پذیر ہیں۔ ہے کوئی جوان سے استفادہ حاصل کرے۔ مگر نہیں کوئی ایسا کیوں کرے گا۔ انہوں نے تو خود ہدایتکاری کرنی ہے بھلے کام خراب ہو جائے لکھنے میں تو ہوگا کہ وہ ہدایتکار ہیں۔

ایک ہمارے دوست ہیں انہیں خود تو ایکٹنگ آتی نہیں ہے محفلوں میں لوگوں کو پکڑ پکڑ کہتے پھرتے ہیں کہ فلاں فلاں جو آج کل اداکاری کرتے پھر رہے ہیں انہیں ایکٹنگ میں نے ہی سکھائی ہے۔ اپنے بیسمنٹ (Basement) میں بلا بلا کر۔

خود ایکٹنگ آتی نہیں ہے چلے ہیں دوسروں کو ایکٹنگ سکھانے۔ بولنے میں کیا ہے۔ کینیڈا آزاد ملک ہے ہر ایک کو بولنے کی آزادی ہے۔ اگر ان تمام اصل اور حقیقی فنکاروں کو اکٹھا کر کے کوئی ڈھنگ کا ڈرامہ، سیریل یا فلم بنائی جائے تو ایک اچھی پروڈکشن ثابت ہو سکتی ہے جس میں پاکستانی بچ بھی ہوگا دیار غیر میں۔ لیکن کوئی ایسا کیوں کرے۔ انہیں تو اپنی ناکارہ صلاحیتوں کو استعمال جو کرنا ہے اور اپنی برادری کے ساتھ بیٹھ کر اپنے Basement میں اپنی ہی ڈبہ پروڈکشن کو دیکھنا ہے۔ ''شوق دا کوئی مول نہیں''۔

امریکہ میں فلم امریکی دیسی، اور مون سون ویڈنگ کینیڈا میں فلم تم بن اور ہالی ووڈ اینڈ بالی ووڈ نئی کاسٹ کے ساتھ بنائی گئیں سب کے سامنے مثال ہے۔ نیت صاف ہو تو منزل آسان ہوتی ہے۔

ہمارے ایک اور دوست ہیں جب کوئی پروڈکشن شروع کرتے ہیں تو تمام نئے آرٹسٹوں کو جمع کر کے ان سے ایک فارم پر دستخط لے لیتے ہیں کہ ہم فری میں کام کریں گے اور کوئی پیسہ چارج نہیں کریں گے۔ جو دستخط کر دیتا ہے اسے کام دے دیا جاتا ہے جو دستخط نہیں کرتا اسے کام نہیں ملتا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس پروڈکشن میں مفت کام کرواگلی پروڈکشن میں پیسے ملیں گے۔ جب وہ صاحب دوسری پروڈکشن شروع کرتے ہیں تو ٹیم پوری نئی بنا لیتے ہیں اور ان سے بھی وہی پرانی

کہانی دہراتے ہیں کہ اس پروڈکشن میں فری کام کرو اگلی میں پیسے ملیں گے۔ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ ایک اور دوست شوز کراتے ہیں۔ آرگنائزز سے تو پیسے لے لیتے ہیں اور ادھر شوقیہ فنکاروں کو جمع کر کے ان سے پُرفارم کروا لیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم تمہیں Exposure دے رہے ہیں اور Perfect ہو جاؤ گے تو پیسے ملیں گے۔ وہ تو شاید اداکار محمد علی کو بھی بلوا کر یہاں Exposure دلوادیں۔ اس طرح جو لوگ ان بے زبان آرٹسٹوں کا حق مارتے ہیں اللہ کے عذاب سے کیسے بچیں گے۔

لوگوں نے ناقص اور تھکی تھکی پروڈکشنز بنا کر کمیونٹی ورکس کے نام پر کئی مرتبہ ناقابل واپسی گرانٹس تک وصول کی ہیں جبکہ اصل حقدار منہ تک رہے ہیں۔ کیونکہ وہ اس شہر میں نئے ہیں۔ انہیں راستے معلوم نہیں ہیں اور نہ ہے کوئی بتلانے والا۔ اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔

میرے ایک اور جاننے والے ہیں جب وہ اپنی پروڈکشن بناتے ہیں تو رائٹر بھی خود' ڈائریکٹر بھی خود' ایکٹر بھی خود' پروڈیوسر بھی خود پھر اپنی پروڈکشن کو وہ دیکھتے بھی خود ہیں۔

Jack of all master of none

اگر کوئی شخص چار شادیاں کرے اور چاروں ناکام ہو جائیں تو پانچویں شادی سے پہلے وہ ہزار بار ضرور سوچے گا کہ اگلا قدم اس کو اٹھانا چاہیے بھی کہ نہیں لیکن یہاں تو جن صاحب کی چار چار پروڈکشنز' ڈبہ پروڈکشن ہو گئیں اس کے بعد بھی ڈھٹائی سے پانچویں میں بھی ہاتھ ڈال دیتے ہیں۔ 45 سالہ ہیروئن اور 55 سالہ ہیرو اگر کسی ڈرامے میں کام کرے تو یہ ڈرامہ تو نہ ہوا ناں مذاق ہوا۔

Wastage of time, Wastage of Energy and Wastage of Money. ہاں Money پر یاد آیا میرے ایک اور دوست ہیں وہ جب اپنی پروڈکشن شروع کرتے ہیں تو تمام آرٹسٹوں سے پیسے مانگتے ہیں اور پیسے لگاؤ تو رول ملیں گے گویا کہ روکا کاروبار کرتے ہیں۔ اگر پیسے اچھے ہوں گے تو Lead رول ملے گا ورنہ چھوٹے پیسے کے چھوٹے رول' پھر کہتے ہیں کہ اگر ڈرامہ بک گیا تو پیسے واپس کر دیں گے۔ ارے ڈرامہ بکے گا اس وقت ناں جب

ڈرامہ کسی قابل ہوگا۔ ظاہر ہے جب ڈرامہ ڈبے میں بند ہو گیا تو پیسے کی واپسی کیسی۔

ان تمام حقیقی اور اصل آرٹسٹوں' فنکاروں' فنکاراؤں' اداکاروں' اداکاراؤں اور ڈائیریکٹروں کو چاہئے کہ وہ آگے آئیں اور یہاں بننے والی لوکل پروڈکشن میں نہ صرف حصہ لیں بلکہ ان تمام نام نہاد آرٹسٹوں کی گرومنگ کریں اور پھر ان کو اپنی پروڈکشنز میں شامل کریں اور اچھی پروڈکشنز بنانے میں بھی ان کی معاونت کریں۔ کیونکہ آرٹسٹوں کی گرومنگ اور ٹریننگ ضروری ہے کیونکہ کوئی بھی آرٹسٹ پیدا نہیں ہوتا آرٹسٹ بنتا ہے تجربے سے' ٹریننگ سے۔ وہ اپنے عمل سے ثابت کر دیں کہ ابھی ان لوگوں کی زندگی میں فن لاوارث نہیں ہوا ہے کہ جو چاہے اس پر ڈاکہ ڈال دے اور فن کی دنیا کہ جس نے اپنے آگے Help Me کا بورڈ لگا رکھا ہے اتار پھینکیں۔

......☆......

جو دیکھا میں نے اِک حسیں
چمک اٹھی میری جبیں

پھسل گیا یہ دل وہیں
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

وہ میرے ہیں یہ کہہ گئے
مذاق میرا سہہ گئے

خوشی کے آنسو بہہ گئے
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

قرض بھی ایک مرض ہے

تم اگر چاہو کسی سے ترکِ تعلق تو پھر
قرض دے دینا کبھی یا قرض لے لینا کبھی

کہتے ہیں اگر کسی سے تعلق ختم کرنا ہو تو اس کو یا تو قرض دے دیجئے یا پھر اس سے قرض لے لیجئے۔ تعلقات وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ختم ہوتے چلے جائیں گے اور ایک دن ایسا آئے گا کہ دونوں فریق ایک دوسرے کا نام لینا تو دور کی بات نام سننا بھی پسند نہیں کریں گے۔ جانتے ہیں کیوں......؟ اس لیے کہ ایک نے دوسرے کی مدد کی تھی۔ قرض دیا تھا اب جب اس نے اپنے پیسے واپس مانگے تو برائی آ گئی۔

انسانی فطرت ہے کہ اگر آپ سے کسی کو کوئی کام ہے یعنی کوئی غرض ہے تو وہ شخص آپ کو فون بھی کرے گا آپ کے گرد چکر بھی لگائے گا۔ آپ کی ہاں میں ہاں بھی ملائے گا اگر آپ کوئی نامناسب بات بھی کریں گے تو وہ اپنے چہرے پر زہریلی مسکراہٹ رکھے گا۔ ادھر آپ نے اس کا کام کروا دیا تو بس یہ جا اور وہ جا۔ اب اگر آپ کو ذلیل ہونے کا شوق ہے اس کو فون کر کے پوچھیں کہ یار تمہارا وہ کام میں نے کر دیا تھا تم کو فون کر کے کم از کم میرا شکریہ ہی ادا کر دینا تھا۔ تو جواب ملے گا کہ دراصل میں اتنا مصروف ہو گیا ہوں کہ بس فرصت ہی نہیں ملتی۔ آپ دل میں سوچیں گے کہ تجھے مصروف بھی تو میں نے ہی کروایا ہے اس نیکی کے بدلے مجھے اتنا کرب تو ملنا چاہیے تھا۔ کاش تو فارغ ہی رہتا اور اس کے برعکس اگر آپ کے بس میں کام کرنا نہیں ہوتا یا پھر آپ کسی مجبوری کے تحت اس کا وہ کام نہیں کر سکتے یا کروا سکتے تو پھر سمجھ لیں کہ برائی آ گئی دس جگہ آپ اپنی

برائی سن لیں گے شرطیہ۔

ٹھیک اسی طرح کچھ لوگوں کی عادت ہوتی ہے قرض مانگنے کی وہ اپنا سارا کام قرض ملنے کی بنیاد پر کرتے ہیں کہ فلاں سے ہمیں اتنے پیسے مل جائیں تو ہم فلاں کام کرلیں گے۔ بڑے بوڑھوں نے کہا ہے کہ اتنے ہی پیر پھیلاؤ جتنی کے چادر ہو لیکن اس پر عمل بالکل نہیں ہوتا۔

کہتے ہیں کہ Money is the seissor of relationship یعنی اتنی واضح مثال سننے پڑھنے کے بعد بھی لوگ اپنی عادتوں سے باز نہیں آتے۔ کچھ لوگ تو دل میں یہ ٹھان لیتے ہیں کہ بس قرض پکڑ لیتے ہیں دینے وینے کی پھر سوچیں گے۔ گویا ان کے ذہن کے کسی گوشے میں یہ نہیں ہوتا کہ اس کے پیسے لوٹانے بھی ہیں۔ اب اگر کسی شخص جس نے کہ ان کو پیسے قرض کے طور پر دیے ہیں واپس مانگ لے تو جواب ملتا ہے کہ نہیں ہیں بھائی اس وقت میرے پاس پیسے جب ہوں گے تو دے دیں گے۔ ایسا لگتا ہے کہ قرض دینے والا اپنے پیسے واپس نہیں مانگ رہا اُلٹا ان سے قرض مانگ رہا ہے۔ اب وہ رات دن یہی دعا مانگتا ہے کہ کسی صورت سے اس کے پیسے واپس مل جائیں پھر جو ہو سو ہو۔ نئے اور حقیقی ضرورت مندوں کے لیے راستہ بند۔ میرے والد بزرگوار نے بڑی اچھی مثال ایک نظم کی صورت میں مجھے لکھا دی تھی جسے میں نے اپنی گرہ سے باندھ لیا ہے اس کی مثال دے کر آج تک اپنے آپ کو بچائے رکھا ہے آپ کی نذر کرتا ہوں۔

I had my money and my friend

I lend my money to my friend

When I asked my money from my friend

I lost my money and my friend

اس سے اچھی اور کیا مثال ہو سکتی ہے کہ ایک صاحب اپنے دوست کے پاس آئے ایک آدھ دردناک قسم کی اسٹوری سنائی اور قرضے کی ڈیمانڈ کردی جب دوست نے پوچھا کہ کب لوٹاؤ گے میرے پیسے کہنے لگے اگلے سال اسی مہینے میں دوست نے پوچھا کہ اتنی تاخیر سے کیوں کہنے لگے کہ اگر اس دوران انتظام ہو گیا تو میں پہلے بھی لوٹا سکتا ہوں احتیاطاً اتنی لمبی تاریخ دے دی

ہے۔ ہر سال اسی مہینے میں وہ اگلے سال اسی مہینے کا وعدہ کرتے ہیں اور پیسے لوٹانے کا نہ نام لیتے ہیں اور نہ انتظام کرتے ہیں۔

ایک دوست کی بہن ان کے پاس آئیں اور کہنے لگیں کہ مجھے اپنے فلیٹ کا قبضہ لینا ہے مجھے پچیس ہزار کی رقم بطور قرض چاہیے بھائی نے اپنی بہن سے پوچھا کہ آپ یہ کب لوٹائیں گی، بہن بولیں میں جلد ہی لوٹانے کی کوشش کروں گی اگر مر گئی تو میرے انشورنس سے لے لینا۔ بھائی کہنے لگا کہ نہیں جی مجھے اپنے پیسے آپ کی زندگی میں چاہئے مرنے کے بعد نہیں۔ ایک اور صاحب اپنے ایک دوست کے پاس اپنے بیٹے کے ہمراہ قرض لینے کی نیت سے آئے اور پچاس ہزار روپوں کی فرمائش کر دی بطور قرض دوست نے پوچھا کہ میرے پیسے مجھے کب لوٹاؤ گے۔ کہنے لگے میری پوری کوشش ہوگی کہ جتنی جلدی ہو سکے گا لوٹا دوں گا اگر مر گیا تو میرا یہ بیٹا لوٹائے گا اسی لیے میں اس کو اپنے ساتھ لے کر آیا ہوں۔ کیوں بیٹے، بیٹے نے بھی اتنی لمبی گردن ہلا دی ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے دونوں ملے ہوئے ہیں اس سازش یا پلاننگ میں۔

ایک اور دوست ہیں میرے، قرض لینے کی نیت سے میرے پاس آئے کہنے لگے دس ہزار روپوں کی مجھے سخت ضرورت ہے تین مہینے بعد لوٹا دوں گا میں نے کہا شام کے وقت تمہارے گھر آؤں گا تمہاری بیگم کے سامنے یہ پیسے دوں گا تاکہ اگر تم نے کوئی گڑبڑ کی تو کم از کم تمہاری بیگم سے رابطہ کر کے اپنے ڈوبے ہوئے پیسے تو نکلوا سکوں گا۔ دوست کہنے لگے یہ بات تو میں کہنا بھول گیا تھا کہ اس بات کا علم میری بیگم کو نہ ہو۔

ایک صاحب جو ہمارے محلے میں رہتے تھے ایک دن میرے پاس آئے کہنے لگے میرے بڑے بھائی آج کل ہمارے یہاں رہنے آئے ہیں ان کی ایک بڑی بُری عادت ہے کہ وہ کسی سے سلام دعا کرنے کے بعد قرض مانگ لیتے ہیں جو کبھی نہیں لوٹاتے۔ ہم گھر والوں کو بڑی شرمندگی ہوتی ہے۔ میں نے کہا کہ تم یہ بتاؤ کہ تم مجھے کتنے سالوں سے جانتے ہو کہنے لگے دس بارہ سال سے اچھا تو میں نے کہا کہ ''تم'' ''مجھ'' سے قرض مانگ کر دیکھو تو تمہیں بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ میں اسے قرض دوں گا یا نہیں۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ قرض لینا ایک مرض کی سی حیثیت اختیار کر گیا ہے جو لا علاج ہے۔ یہ ایک کیفیت سے زیادہ فطرتِ انسانی ہے۔

ایک اور دوست ہیں میرے جن سے میں حد درجہ پیار کرتا ہوں ایک دن میرے پاس آئے کہنے لگے یار بیس ہزار تو دینا چند ماہ میں لوٹا دوں گا اگر تم نے انکار کر دیا تو ایک بڑا اچھا سودا ہے دو کان کا نکل جائے گا میں نے اس سے کہا کہ دیکھو تم میرے دوست ہو اور میں تم سے تعلقات ختم کرنا نہیں چاہتا اس لیے میں پانچ ہزار تمہیں دے رہا ہوں اسے لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے میں یہ سمجھوں گا کہ میرے پاس یہ پیسے تھے ہی نہیں تم میرے جیسے تین اور محبت کرنے والے بے وقوف ڈھونڈ لو تمہارا کام ہو جائے گا اور تعلقات بھی برقرار رہیں گے۔

ایک اور دلچسپ قرض خواہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ دس ہزار صرف دس دن کے لیے چاہے جتنا چاہو اوپر سے لے لینا بس پیسہ دے دینا انکار نہیں کرنا اور میری ایک شرط بھی ہے وہ کیا۔ میں نے پوچھا کہنے لگے کہ اس بات کا ذکر آپ کسی سے کریں گے نہیں اور اگر میں نے کہیں یہ سن لیا کہ آپ نے اس بات کا ذکر کسی سے بھی کیا ہے تو میں یہ پیسے نہیں لوٹاؤں گا۔ پی جاؤں گا۔ میں نے جواب میں ان سے سوال کیا کہ اگر میں آپ کو پیسہ قرض کے طور پر بھی نہ دوں اور ہر جگہ ہر شخص کو پکڑ پکڑ کر بتاؤں کہ آپ میرے پاس قرض مانگنے آئے تھے جو میں نے نہیں دیے تو آپ کیا کریں گے۔ کہنے لگے تو میں آپ سے اپنے تعلقات ختم کر لوں گا۔ میں نے جواب میں کہا کہ وہ تو ویسے بھی ختم ہونے تھے جس وقت آپ نے یہ سوچا تھا کہ آپ مجھ سے قرض لیں گے تعلقات وہیں ختم ہو گئے تھے یہ تو آپ کی محبت ہے کہ آپ اتنی دور سے میرے پاس آئے تصدیق کرنے کے لیے۔تعلقات تو میرے آپ کے ختم ہی ہونے ہیں پیسے میں دوں تب بھی اور نہ دوں تب بھی تو کیوں نہ میں اپنے پیسے بچا لوں......کیسا......؟

کاش !لوگ قرض کے بارے میں جو احکامات ہیں اس کو جان سکتے حکم ہے کہ اگر کوئی شخص مقروض مر جائے تو اس کے وارثوں کو چاہیے کہ اس کی میت اٹھانے سے پہلے با آواز بلند حاضرین سے پوچھے اگر مرحوم کسی کے مقروض ہیں تو ہم وہ رقم ادا کرنے کو تیار ہیں ہم سے لے لیجیے یا

پھر معاف کر دیجیے اگر کسی کے پاس مرحوم کا پیسہ ہے وہ چاہے تو ہمیں ادا کر دے۔

کاش ہم سب اس کی اہمیت کو سمجھ سکتے

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا
جب لاد چلے گا بنجارہ

......☆......

جو پوچھا پھر ملو گے کب
کھلے یہ مشکل ان کے لب

کہا کہ تھا مذاق سب
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

http://www.kitaabghar.com

وہ چھوڑ آئے اپنا گھر
تو جاتا اور میں کدھر

کریں گے زندگی بسر
مذاق ہی مذاق میں

❍ ❍ ❍

ماں' بیٹا اور بہو

ماں کے قدموں میں جنت میری سن اے نیک بخت
ہاں تیرے قدموں میں بھی جنّت میرے بچوں کی ہے

ایک صاحب نے اپنے دوست سے پوچھا کہ آپ کیا کام کرتے ہیں تو جواب ملا "BALANCING" تو انہوں نے کہا کہ اچھا تو گویا آپ بینک میں کام کرتے ہیں تو وہ صاحب بولے جی لیکن اگر میں بینک میں کام نہیں بھی کررہا ہوتا تو بھی "BALANCING" ہی کررہا ہوتا۔ تو ان صاحب نے کہا کہ میں سمجھا نہیں اس پر وہ بولے کہ بھائی میں شادی شدہ ہوں یہ سن کر وہ صاحب بولے کہ اب بھی بات میری سمجھ سے بالاتر ہے جس پر ان صاحب نے وضاحت سے کہا کہ بھائی اس میں نا سمجھ میں آنے والی کون سی بات ہے۔ ایک طرف میرے ماں باپ بھائی بہن ہیں تو دوسری طرف سارا سسرال۔ اب اگر ماں کے لیے کچھ خریدتا ہوں تو ساس کے لیے بھی لینا پڑتا ہے۔ اسی طرح اگر سالی کو کوئی چیز تحفہ میں دینی ہو تو بہن کو دے کر ہی یہ سب کچھ ممکن ہے۔ اس طرح ہماری زندگی "BALANCING" کرتے ہی گزر رہی ہے۔

گھر میں رہتا ہوں تو بیوی کی سننی پڑتی ہے۔ باہر سے آتا ہوں تو ماں کی سننی پڑتی ہے۔ دفتر میں جاتا ہوں تو باس کی سننی پڑتی ہے۔ سسرال جاتا ہوں تو ساس کی سننی پڑتی ہے۔ میں بے چارہ جاؤں تو کہاں جاؤں۔

Joint Family System میں اکثر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ گھر کے بزرگ جو چیزیں

اپنی اولاد کے لیے پسند کرتے ہیں وہ دوسروں کی اولاد کے لیے پسند نہیں کرتے۔مثلاً ماں یہ تو پسند کرتی ہیں کہ ان کی بیٹی میکے اگر دو چار دن یا ہفتہ دس دن گزار کر جائے لیکن یہ بات ان کو ہرگز گوارا نہ ہوگی کہ ان کی ''بہو'' اپنے میکے جا کر دو چار دن بھی گزار آئے۔اسی طرح ان کا اپنا داماد آ کر ان کے گھر قیام وطعام کرے تو جائز ہے اگر بیٹا سسرال جا کر قیام کرے تو یہ بات درست نہیں ہے ان کی نظر میں گویا بیٹی داماد کے لیے الگ اور بیٹا بہو کے لیے الگ قانون ہے جو Justified نہیں ہے۔مشکل یہ ہے کہ کوئی اپنے والدین کے آگے کیسے منہ کھولے۔چونکہ کہا گیا ہے

''خطائے بزرگاں گرفتاخطا است''

گویا کہ بزرگوں کی غلطیوں کو پکڑنا بھی ایک غلطی ہے۔

ہمارے ایک دوست ہیں ان کے گھر میں بقرعید والے دن گوشت لے کر گیا تو انہوں نے مجھے گھر کے اندر بلا لیا اور عین اس جگہ بٹھا دیا جہاں پر کہ گوشت کے حصے لگ رہے تھے تا کہ وہ مجھ سے باتیں بھی کرتے رہیں اور ہاتھ کے ہاتھ گوشت کے حصے بھی لگتے جائیں۔اسی جگہ ایک طرف میرے دوست کی والدہ بھی تشریف فرما تھیں کہ اچانک ایک عجیب وغریب منظر دیکھنے کو ملا۔میرے اس دوست کی چھ بہنیں ہیں اور سب کی سب خیر سے شادی شدہ ہیں ایک ایک کر کے اپنی ماں کے گھر پہنچ رہی تھیں۔کوئی گوشت اخبار سے لپیٹے کوئی بکرے کی ٹانگ لیے اور کوئی لفافے میں گوشت لیے کہ اچانک دوسری جانب سے میرے دوست کی بیگم نمودار ہوئیں جو ذرا جلدی میں تھیں آتے ہی میرے دوست سے بولیں......

میری امی کے لیے جو حصہ لگایا ہے وہ لے لیں اور جلدی چلیں اب شام ہونے میں دیر ہی کتنی رہ گئی ہے۔یہ اس کا کہنا کہنا تھا کہ ساری نندیں اس پر برس پڑیں اور کہنے لگیں کہ تمہارے گھر تو ہم سب مہمان آئے ہیں ''بھابھی'' تم کہاں چلیں۔پہلے تو میرے دوست کی بیگم نے سنی ان سنی کر دی لیکن دوسری بار جب حملہ ہوا اور میرے دوست کی بہنوں نے اس پر دباؤ ڈالا کہ چلو کپڑے تبدیل کرو اور اس کے گھر کے داماد سب جو آئے ہیں ان کے لیے کھانا وغیرہ بناؤ تو اس پر میرے دوست کی بیگم سے نہ رہا گیا اور اس کے صبر کا پیمانہ چھلک پڑا اور وہ کہہ اٹھی کہ تم لوگ کس منہ سے

پوچھتی ہو کہ میں کہاں جا رہی ہوں تم لوگ کہاں کھڑی ہو۔اپنی ماں کے گھر تو میں بھی بن ماں کی نہیں ہوں۔میرا بھی میکہ ہے اس دنیا میں وہ لوگ بھی میرے لیے اتنا ہی پیار رکھتے ہیں جتنا کہ تمہارے اس گھر والے تم لوگوں کے لیے۔

میں یہاں شادی کر کے آئی ہوں کوئی لاٹری میں نہیں ملی ہوں تم لوگوں کو۔یہ بولنا تھا اس کا تو میرے دوست کی والدہ چراغ پا ہو گئیں اور میرے دوست کی بیگم سے کہنے لگیں کہ زبان کو لگام دے لڑکی۔کاش میں تجھے اس گھر میں اپنی بہو بنا کر نہ لاتی۔خبردار جو میری بیٹیوں کو کچھ کہا تو میرے دوست کی بیگم نے معاملے کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے میرے دوست سے کہنے لگی چلیں بھی دیر ہو رہی ہے۔اس پر میرا دوست آہستہ آہستہ باہر جانے والے دروازے کی طرف بڑھنے لگا کہ اچانک ایک زوردار آواز نے اسے رکنے پر مجبور کر دیا۔

اور وہ آواز تھی میرے دوست کی ماں کی۔''رک جاؤ'' اگر تم نے آج اپنی ملکہ کی باتوں میں آ کر گھر کی دہلیز کو پار کر لیا تو یاد رکھنا کہ اس گھر کے دروازے تم پر ہمیشہ کے لیے بند ہو جائیں گے۔اور یہ سمجھ لینا کہ تمہاری ماں مر چکی ہے۔

یہ سن کر میرے دوست نے اپنے قدم روک لیے اپنی ماں کی طرف آہستہ آہستہ بڑھنے لگا اس کی تمام بہنوں کے چہرے پر مسکراہٹیں تھیں اور میرے دوست کی بیگم کی حالت غیر ہو رہی تھی۔میرا دوست اپنی بیگم کو سہارا دے کر کمرے کی طرف لے جا رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ بڑبڑا رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ماں کے قدموں کے نیچے جنت تو ضرور رکھی ہے لیکن اس کے حصول میں پریشانیاں بہت ہیں۔

یہ منظر دیکھ کر میں بھاگا بھاگا گھر آیا۔گھر والوں کو یہ آنکھوں دیکھا حال سنایا اور دل ہی دل میں شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

دراصل ہمارے یہاں وسعت قلبی نہیں ہے۔جو چیز اپنے لیے پسند کریں وہی دوسروں کے لیے بھی پسند کریں یہ ممکن نہیں ہے۔جبکہ چاہیے یہی۔

ایک خاتون ایک محفل میں کہنے لگیں کہ جب میں بہو تھی تو میری ساس ٹھیک نہیں تھی اور آج

جب میں ساس ہوتو مجھے میری بہو ٹھیک نہیں ملی۔ایک ساس نے اپنی بہو سے کہا کہ آج میرا انڈا کھانے کا موڈ ہے۔بہو ایک انڈا تل کر ان کے سامنے لے آئی تو ساس نے کہا کہ ارے تم انڈا تل کر لے آئیں مجھے تو ابلا ہوا انڈا پسند ہے۔جب دوسرے دن ساس نے انڈا کھانے کی خواہش ظاہر کی تو بہو نے انڈے کو ابال کر ان کے سامنے رکھ دیا اب جب ساس نے ابلا ہوا انڈا دیکھا تو بولیں ارے آج تو انڈا تلا ہوا کھانا تھا مجھے۔جب تیسری بار ساس نے انڈے کی فرمائش کی تو بہو نے اس خیال سے کہ آج پھر کوئی بات ناگوار نہ گزرے ایک انڈا تل کر دوسرا ابال کر ساس کے سامنے رکھ دیا تو اس نے دونوں انڈوں کو دیکھ کر کہا کہ ارے جس انڈے کو تم نے ابالنا تھا اسے تل دیا اور جس انڈے کو تلنا تھا اسے ابال دیا۔

غرضیکہ کسی بھی حالت میں چین نہیں ہے۔مقصد تو ہے ہنگامہ کھڑا کرنا۔

ٹیلی ویژن پر ایک بہو کو انٹرویو کے لیے بلایا گیا جب اس سے سوال کیا گیا کہ آپ کی ساس آپ سے ہر وقت ناراض کیوں رہتی ہیں۔آخر کیا وجہ ہے جواب میں بہو نے کہا کہ وہ میری ساس ہیں ان کو ناراض رہنے کے لیے کسی وجہ کی ضرورت نہیں وہ بلا وجہ بھی مجھ سے ناراض رہ سکتی ہیں۔

پھر انٹرویو لینے والے شخص نے ان سے پوچھا کہ آخر کوئی تو وجہ ہوگی کہ جس بنا پر وہ بھڑک اٹھتی ہوں گی بہو نے جواب میں کہا کہ جب میں کچن میں جاتی ہوں کچھ پکانے تو وہ میرے پیچھے پیچھے سائے کی طرح آتی ہیں۔جیسے اگر میں آٹا گوندرہی ہوں تو اس میں اضافی پانی ڈال دیں گی کہ اسے اور نرم کرو سخت روٹی کھائی نہیں جاتی۔آپ کپڑے کی دھلائی کو لے لیجئے واشنگ پاؤڈر اگر کم میں نے ڈالا ہے تو اور ڈال دیں گی اور اگر ان کے خیال میں زیادہ ڈال دیا ہے تو نکال دیں گی۔

اب چائے بنانے لگی میں تو چائے کے بیگ یا تو کم کر دیں گی یا پھر مزید ڈال دیں گی کبھی کہیں گی چائے زیادہ اسٹرانگ اچھی نہیں ہوتی یا پھر آج چائے اسٹرانگ پینے کا موڈ ہے۔غرضیکہ میرے ہر کام میں وہ نہ صرف مداخلت کرتی ہیں بلکہ کیڑے نکالتی رہتی ہیں۔اس پر انٹرویو لینے والے شخص نے کہا کہ یہ پروگرام Live جارہا ہے اور یہ کہ آپ کی ساس یہ پروگرام گھر پر بیٹھی دیکھ

رہی ہوں گی۔اس پر بہو نے کہا کہ میں بھی انہی کی بہو ہوں۔ان کی عینک اور سننے والا آلہ سماعت میں اپنے ساتھ لے کر آئی ہوں تا کہ وہ یہ پروگرام نہ تو سن سکیں اور نہ ہی دیکھ پائیں۔

دیکھا آپ نے جیسے کو تیسا۔اگر بہو بیگم ایسا نہ کریں تو ساس تو انہیں جینے نہ دیں اور یہ نندیں جو ساسوں کے کان بھر بھر کے اور ان سے غلط غلط فیصلے کروا کر ساس اور بہو کے درمیان ہمیشہ دیوار بنی رہتی ہیں ان کا کیا علاج۔ان گھرانوں میں یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ بچے جو اپنی ماں کے ساتھ ہونے والے تمام سلوک کو بچپن سے دیکھ دیکھ کر اُکتا چکے ہوتے ہیں بڑے ہو کر ان لوگوں سے نفرت کرتے ہیں اور بعض جگہوں پر انتقام تک لینے سے گریز نہیں کرتے۔

بیٹا بے چارہ سب کی سن سن کر سب کو سمجھا سمجھا کر عمر کے اس حصے کو پہنچ جاتا ہے کہ جب اس کی ہر بات سنی اَن سنی کر دی جاتی ہے اور وہ چیخ چیخ کر سب سے پوچھ رہا ہوتا ہے کہ میری جنت تو میری ماں کے قدموں میں ہے ذرا سوچیے تو میرے بچوں کی جنت کہاں ہے......؟

میرے ایک دوست کی بیگم ہر روز میرے اس دوست کو ایک سے ایک کھانے کی ڈش بنا بنا کر کھلاتی لیکن میرا دوست کھانے کی میز پر بیٹھتے ہی یہی کہتا کہ ارے تم کیا کھانا بناؤ گی کھانا تو بناتی ہیں میری ''ماں''۔ان کی اماں دراصل دوسرے شہر میں رہتی تھیں۔حسب معمول ایک دن میرا یہ دوست دفتر سے گھر آیا کھانے کی میز پر بیٹھتے بیٹھتے پوچھا بیگم سے کہ آج کیا کھانا بنایا ہے۔بیگم بولیں آج کڑاہی گوشت بنایا ہے۔میرا دوست کہنے لگا ارے تم کیا کڑھائی بناؤ گی کڑاہی گوشت تو بناتی ہیں میری ''اماں''۔غرضیکہ ہر روز کھانے کی میز پر بیٹھتے بیٹھتے میرا یہ دوست اپنی بیگم کے پکائے ہوئے کھانے پر اپنی ماں کے پکائے ہوئے کھانے کو ترجیح دیتا تھا۔ایک روز میرے دوست کی پھوپھی جو کہ میرے دوست کی ماں کی نند ہیں میرے دوست کی غیر موجودگی میں اس کے گھر آئیں تو میرے اس دوست کی بیگم نے پوچھ ہی لیا کہ پھوپھی جان کیا میری ''ساس'' بہت اچھا کھانا بناتی ہیں۔آپ تو جانتے ہی ہیں کہ نند اور بھاوج کی کبھی نہیں بنی۔

پھوپھی نے کہا اے لو۔ارے اگر چاول خراب ہو گیا ہے تو سمجھ لو کہ اس کی ''ماں'' نے بنائے ہیں اور روٹی جل گئی ہے تو سمجھو کہ اس کی ''ماں'' نے بنائی ہے۔اگر کوفتے بکھر گئے ہوں تو سمجھ لو کہ

اس کی ''ماں'' نے بنائے ہیں۔

بیگم کہنے لگی آج ہی کام دکھاتی ہوں۔اس نے چاول خراب کر دیے' روٹی جلا دی' کوفتے بکھیر دیے' اب شوہر صاحب گھر آئے کھانے کی میز پر بیٹھتے بیٹھتے جب کھانے پر نظر پڑی تو برجستہ ان کے منہ سے نکلا ''اماں'' آ گئیں کیا......؟

......☆......

یہ دل میں اپنے ٹھان لو
یہ بات میری جان لو

ہمیں تم اپنا مان لو
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

آؤ بُرائی کریں

آؤ ہم اس کی برائی اس کے منہ پر ہی کریں
ہوگی یہ غیبت اگر ہم اس کے پیچھے میں کریں

آپ نے یہ بات اکثر نوٹ کی ہوگی کہ جب بھی دو آدمی آپس میں باتیں کر رہے ہوتے ہیں تو اپنی گفتگو کے دوران کسی تیسرے آدمی کی برائی ضرور کر رہے ہوتے ہیں۔کبھی تو دانستہ طور پر اور کبھی نادانستہ طور پر۔ایک محفل میں ایک صاحب اپنے دوست سے کسی کی تعریف کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک تیسرے صاحب آ دھمکے کچھ دیر ان دونوں کی گفتگو سننے کے بعد بولے کہ کیا ان کا انتقال ہو گیا ہے......؟ پہلے دوست بولے نہیں صاحب کیسی بات کر رہے ہیں آپ' مریں ان کے دشمن یہ سن کر تیسرے صاحب بولے معاف کیجئے گا بھئی میں نے تو اپنی زندگی میں کبھی کسی زندہ شخص کی اتنی تعریف ہوتے نہیں سنی۔مرنے کے بعد لوگوں کو کہتے سنا ہے کہ مرحوم میں یہ یہ خصوصیات تھیں۔

ٹھیک اسی طرح جب ایک شاعر صاحب ایک مشاعرے میں میں ایک ایسی نظم جو انہوں نے اپنی بیگم کی تعریف میں لکھی تھی ''اعتراف'' کے طور پر سنا کر باہر نکلے تو سامعین میں سے ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ خیر سے آپ کی بیگم حیات تو ہیں۔شاعر بولے ''جی ہاں'' اس میں حیران ہونے والی کون سی بات ہے۔جس پر وہ صاحب بولے کہ دراصل اس قسم کی نظم ہمیشہ لوگوں کے مرنے کے بعد ہی سننے کو ملتی ہے۔جیسے کہ معروف شاعر ضمیر جعفری صاحب کی مشہور نظم کا ایک شعر ہے:

میری بیوی سو رہی ہے قبر میں آرام سے
وہ بھی آرام سے اور میں بھی ہوں آرام سے

اب یہ لوگوں کی فطرت بن گئی ہے کہ زندگی میں کسی اچھے انسان کی اچھائی بیان نہیں کرتے اس کے برعکس اگر کوئی شخص برا ہے تو اسے یہ کہہ کر اور ہوا دیتے ہیں کہ یار تم سے تو سب ڈرتے ہیں۔ کوئی تمہارے سامنے زبان نہیں کھولتا تمہاری کیا بات ہے۔ ایک ایسے ہی شخص کا جب انتقال ہو گیا جو واقعی برا آدمی تھا۔ اس کے گھر پر لوگ فاتحہ خوانی کے لیے جمع ہوئے تو کچھ خواتین اس شخص کی جھوٹی تعریفیں کرنے لگیں تو مرحوم کی بیوہ نے ان خواتین سے کہا کہ آج کے دن تو جھوٹ مت بولیں۔ بہتر تو یہی ہوگا کہ جھوٹی تعریفیں کرنے سے پرہیز کریں اور مرحوم کے لیے مغفرت کی دعا کریں۔

ایک اور شخص کے مرنے کے بعد جو کہ واقعی اچھا انسان تھا لوگ تعریفیں کر رہے تھے اور روئے جا رہے تھے کہ میرا بھائی مر گیا میرے بڑے کام آیا۔ اس نے کبھی مجھے باپ کی کمی محسوس ہونے نہیں دی۔ آج میرا دوست نہیں بھائی نہیں میرا باپ مر گیا ہے ایک اور صاحب کھڑے ہوئے بولے۔ مرحوم نے مجھے اس وقت ملازمت دلوائی تھی جب میں ہر جگہ سے ناامید ہو گیا تھا۔ دو مہینے کا مکان کا کرایہ دیا تھا جو اس نے آج تک واپس نہیں لیا اور اکثر مجھے تسلیاں دیا کرتا تھا کہ سب ٹھیک ہو جائے گا اور کہتا تھا کہ جب اچھے دن نہیں رہے تو برے دن بھی نہیں رہیں گے۔ ایک تیسرے صاحب کھڑے ہوئے بولے مرحوم مجھے روزانہ اپنی گاڑی میں میرے دفتر ڈراپ کیا کرتے تھے۔ ایک دن میری طبیعت خراب ہو گئی میں بس اسٹاپ پر ان کو نظر نہیں آیا تو وہ میرے گھر آ گئے خیریت پوچھی پھر آرام کرنے کا مشورہ دے کر دفتر چلے گئے پھر شام کے وقت ڈاکٹر کے پاس اپنی گاڑی میں بٹھا کر لے گئے۔ بڑا احسان ہے اس شخص کا مجھ پر اس شخص کے بدلے میں مر جاتا تو اچھا تھا۔ ایک صاحب نے زوردار آواز لگائی یہ ٹسوئے بہانا بند کریں اور سپارہ پڑھیں مرحوم کی مغفرت کے لیے دعا کریں۔ ایک صاحب جن کی پانچ بہنیں تھیں ان کے انتقال کے بعد رو رو کر بیان کر رہی تھیں ہمارے دروازے پر اس کی دی ہوئی گاڑی کھڑی ہے ہم بہنوں کو

نئی گاڑی خرید کر دی خود بے چارہ پرانی گاڑی ساری زندگی استعمال کرتا رہا۔ دوسری بہن بولی ارے میرے گھر کا فرج خراب ہو گیا تھا بار بار بنوایا ٹھیک ہو کر نہیں دیا پرانا بھی بہت ہو گیا تھا۔ میرے مرحوم بھائی نے مجھے نیا فرج لا کر دیا اس فرج سے کہیں زیادہ بڑا آج تک اس کا دیا فرج استعمال کر رہی ہوں۔ تیسری بہن بولی ارے اگر میرا بھائی میری مدد نہیں کرتا تو آج میں اپنے مکان کے چھت تلے نہ ہوتی چوتھی بولیں ارے میری بیٹی کا رشتہ میرے بھائی کی وجہ سے ہوا اس نے بڑی محنت سے لڑکے والوں کو تیار کیا پھر سارا انتظام کر کے شادی کو پار لگایا ہے۔ میں بھول نہیں سکتی۔ پانچویں بہن بولی میرے بھائی کو زمانے کی نظر لگ گئی جو ہم سب کو چھوڑ کر چلا گیا اب ہمارا کون خیال کرے گا۔ یہ گلے میں پڑا سونے کا ہار اسی نے تو لا کر دیا تھا مجھے۔ یہ سب سننے کے بعد مرحوم کی بیوہ اٹھیں اور ان تمام بہنوں کو مخاطب کر کے کہا کہ کاش یہ باتیں آپ لوگ ان کی زندگی میں کہہ دیتیں تو آج وہ اتنے کرب سے تو نہ مرتے۔ مرحوم آخری دنوں میں بس اپنا ایک شعر بار بار دہراتے تھے۔

میں تو شکر گزار ہوں پروردگار کا
بہنوں نے دیکے غم مجھے شاعر بنا دیا

آپ نے یہ بات بھی اکثر نوٹ کی ہوگی کہ جب بھی کسی نے کسی کو کسی کام کے لیے کہا اور اس نے وہ کام کر دیا۔ اگر وہ کام اچھا ہو گیا تو وہ شخص کبھی بھی یہ نہیں کہے گا کہ آپ کی وجہ سے میرا یہ کام ہو گیا اور بہتر ہو گیا اس کی زبان سے یہی بات نکلے گی کہ میری قسمت میں یہ کام ہونا تھا بس ہو گیا لیکن فرض کر لیں کہ وہی کام خراب ہو گیا ہو تو بس پھر یہ سننے کے لئے تیار رہیں کہ یہ تم نے کروا دیا تم سے ہماری کب کی دشمنی تھی وغیرہ وغیرہ۔ یہ فطرت انسان کے اندر حد درجہ پائی جاتی ہے۔ اس کے لیے آپ کو کہیں آنے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر تیسرے شص کو آزما لیجئے سو فیصد بات درست ثابت ہوگی۔

ایک خاتون ہمیشہ دوسروں کی برائی کرتی نہیں تھکتی تھیں کسی کے بارے میں پوچھو دس برائی انگلیوں پر گنوا دیں گی۔ بس ان کی ایک عادت بہت اچھی تھی کہ جیسے ہی اس شخص کا انتقال ہوا بس

انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ وہ تو جنّتی ہیں۔اب ان کا چہرہ بھی نورانی ہو گیا جمعرات کو بھی انتقال ہوا ہے تو اسے جمعہ کی شب بتائیں گی۔ان کے بیٹے نے مذاق میں اپنے کسی رشتہ دار سے پوچھا کہ کیا آپ کو جنت کی پرچی چاہیے وہ صاحب بولے کیوں مذاق کر رہے ہو جنت کی پرچی یہاں کہاں ملے گی۔ان کے بیٹے نے کہا کہ میری اماں دیتی ہیں وہ صاحب بولے وہ کیسے لڑکے نے کہا کہ اس کی ایک شرط ہے۔ان صاحب نے پوچھا کہ وہ شرط کیا ہے۔لڑکے نے جواب میں کہا کہ بس آپ کو صرف مرنا ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں اچھائی اور برائی دونوں خصوصیات دی ہیں۔اب اس انسان پر منحصر ہے کہ وہ اپنی کس خصوصیات کو ابھارتا ہے اور کس کو دباتا ہے۔جس نے اچھی خصوصیات کو اجاگر کیا وہ اچھا انسان بن گیا جس نے بری خصوصیات کو اہمیت دی وہ برا بن گیا۔لیکن انسان میں صرف برائی ہوتی ہے یہ بات درست نہیں کہ اس میں اچھائی بھی ہوتی ہے یہ اور بات ہے کہ برائی اس پر حاوی ہے۔انسان اپنے آپ کو درست بھی کر لیتا ہے اگر اسے اس بات کا احساس ہو جائے یا کوئی اسے اس بات کا احساس دلائے۔جو لوگ برے انسانوں کو تلقین کے ذریعے اچھا انسان بناتے ہیں تو گویا وہ نیکی کا کام کرتے ہیں جیسے بچوں میں جب بری عادتیں پڑ جاتی ہیں تو انہیں پیار سے سمجھا بجھا کر ان عادتوں کو چھڑایا جاتا ہے اس میں بہت حد تک کامیابی بھی ہوتی ہے۔یہ بات بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ اچھائی سے زیادہ تیزی سے برائی پھیلتی ہے۔اسی طرح بری عادت بہت جلد لگ جاتی ہے جبکہ اسے چھوڑنے میں زمانہ لگتا ہے۔

ایک صاحب کی ان کی بیگم سے جب بھی لڑائی ہوتی تو صرف ''سگریٹ'' پر۔بیگم اسرار کرتی تھیں کہ آپ سگریٹ پینا چھوڑ دیں اور وہ صاحب تھے کہ بس سگریٹ چھوڑنے کا نام نہیں لیتے تھے ایک دن لڑائی نے زور پکڑ لیا اور بیگم بضد تھیں کہ بس بہت ہو گیا آج کے بعد آپ سگریٹ نہیں پئیں گے۔اور بار بار یہ کہہ رہی تھیں کہ آپ وعدہ کریں کہ سگریٹ چھوڑ دیں گے۔شوہر تپے ہوئے تو پہلے سے ہی تھے اپنی جگہ سے اٹھے کہنے لگے کہ میں تمہیں چھوڑ دوں گا لیکن سگریٹ نہیں چھوڑوں گا۔بیگم نے اس دن کے بعد سے انہیں کہنا چھوڑ دیا۔

ایک مخلص دوست نے ان کی بیگم کو مشورہ دیا کہ آپ اپنے شوہر سے کہیں کہ آپ سگریٹ پینا اگر نہیں چھوڑیں گے تو بہت جلد آپ دنیا چھوڑ دیں گے۔اب شوہر صاحب کے بات سمجھ میں آئی اور انہوں نے سگریٹ پینا چھوڑ دیا اور آخر میں ؎

اچھی بات کہو اچھی بات سنو بھلائی کرو
چاہے زمانہ برائی کرے تم نہ برائی کرو

......☆......

جو پیار تم سے کر لیا
خوشی سے دامن بھر لیا

تب ہی تو اپنا گھر لیا
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

جو زور تیرا چل گیا
تو دل میرا مچل گیا

زمانہ اب بدل گیا
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

اُلو اسٹریٹ

ایک اُلو خوش ہوا تھا اور گیا تھا کام سے
رکھ دیا تھا جب کسی نے سڑک اس کے نام سے

ایک اُلو بڑا خوش ہوا کہ اس کے نام سے ایک اسٹریٹ کا نام رکھا گیا ہے۔ اپنی برادری کو جمع کر کے بار بار اس اسٹریٹ کا چکر لگاتا' اس کھمبے کے گرد طواف کرتا اور خوش ہوتا جس پر لکھا تھا Owl Circle۔

اُلو ایک عقلمند پرندہ ہے پھر نہ معلوم کیوں کہا جاتا ہے کہ تم نے کیا اُلو کا گوشت کھالیا ہے جو ایسی بے وقوفی کی باتیں کر رہے ہو۔ ہمارے یہاں اکثر کہا جاتا ہے کہ ''اُلو کی دم فاختہ: اُلو کہیں کے: اُلو بنا دیا یا پھر اُلو جیسی باتیں مت کرو'' قصہ یوں ہے کہ مسی سا گا میں سنٹرل پارک وے سے جب آپ نارتھ کی طرف جائیں تو Eglinton سے پہلے ایک اسٹریٹ آتی ہے Bud Gregory اس پر آپ لیفٹ بنالیں تو پہلی ہی اسٹریٹ آپ کے Right پر آپ کو ملے گی Owl Cricle۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہاں کے رہنے والے سب اُلو ہیں یا پھر عقلمند۔ میرے ایک دوست اسی اسٹریٹ پر رہتے ہیں۔ میرا اکثر وہاں آنا جانا ہوتا ہے۔ ایک تقریب میں میں ان کے گھر بیٹھا تھا تو ان کی حرکتیں دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ میرے اس دوست کو Owl Circle اسٹریٹ پر ہی مکان خریدنا چاہیے تھا۔ کچھ دیر تک تو میں اس کی حرکتیں برداشت کرتا رہا پھر جب نہ رہا گیا تو مذاق ہی مذاق میں پوچھ بیٹھا کہ آپ اپنا علاج کیوں نہیں کرواتے۔ کہنے لگے بہت علاج کرایا

لیکن کیا کروں کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

دوسرے ہی لمحے میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے کس ہسپتال میں اپنا علاج کروایا کہنے لگے مسی ساگا کے سب سے بڑے ہسپتال میں۔ میں نے کہا کہ یہی تو آپ سے غلطی ہوگئی' پوچھا کہ وہ کیسے؟ میں نے کہا جناب آپ کو دراصل Peel Owl Hospital (پیل اُلو ہسپتال) میں جانا چاہیے تھا۔ چلیں اس بار تو غلطی ہوگئی لیکن اگلی بار یہ غلطی نہیں ہونی چاہیے۔

ایک اسکول ٹیچر نے کلاس روم میں ہر بچے کو بلا کر ایک سوال کیا کہ صبح اٹھ کر تم کیا کرتے ہو۔ تمہاری امی کیا کرتی ہیں اور تمہارے ابو کیا کرتے ہیں۔ تمام بچوں نے اٹھ کر مختلف جوابات دیے۔ ایک بچہ جو کسی ممتاز شخصیت کا بیٹا تھا کہنے لگا میں صبح اٹھ کر برش کرتا ہوں' نہاتا ہوں پھر بستہ لے کر اسکول چلا جاتا ہوں اور تمہاری امی؟ بچہ کہنے لگا وہ صبح اٹھ کر پہلے نماز پڑتی ہیں پھر ہمارے لیے ناشتہ بناتی ہیں پھر ہم جب اسکول جاتے ہیں تو پھر وہ دوبارہ سو جاتی ہیں اور بیٹے آپ کے ابو وہ ہیں نا صبح اٹھ کر گھر آ جاتے ہیں۔

میرا یہ دوست بھی ممتاز شخصیتوں والی طبیعت کا مالک ہے۔ بہت محنتی ہے۔ معمول سے ہٹ کر بھی کئی کام کر جاتا ہے۔ راتوں کو اسپیشل ڈیوٹی بھی کرتا ہے۔ رات بھر اسپیشل ڈیوٹی کرنے کے بعد میرا یہ دوست دن بھر سوتا ہے۔ یہی اُلو کرتا ہے تو اِس میں اور اُلو میں کیا فرق ہوا؟ اب اس میں اُلو والی حرکتیں نہیں ہوں گی تو کیا انسانوں والی ہوں گی۔ اُلو خود پریشان ہے کہ ہماری ساری عادتیں تو انسانوں نے اپنا لی ہیں انہیں خود میں اور انسانوں میں بہت معمولی سا فرق نظر آتا ہے۔

میرا یہ دوست کینیڈا مجھ سے پہلے آیا ہے' اسے بہت بڑی غلط فہمی ہے کہ اس جیسا کوئی عقلمند نہیں ہے۔ دوسروں کو بے وقوف بنانا ان سے پیسے اینٹھنا اس کا محبوب مشغلہ ہے۔ حد درجہ بے وقوفی کریں گے لیکن یہی کہیں گے کہ اس میں بھی میری اپنی عقلمندی تھی۔ ڈینگیں مارنے سے باز نہیں آئیں گے جیسے کہ ایک صاحب کا الٹا ہاتھ مشین میں آ کر کٹ گیا جب ان کے دوست ان سے ہمدردی کرنے اور افسوس کرنے ان کے پاس آئے اور کہا کہ یہ تو اچھا ہوا کہ تمہارا الٹا ہاتھ کٹا ہے اگر سیدھا ہاتھ کٹ جاتا تو تم کسی کام کے نہیں رہتے' کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتے۔

یہ سن کر وہ صاحب بولے کہ ارے اس میں بھی میری اپنی عقلمندی تھی' آیا تو سیدھا ہاتھ تھا میں نے نکال کر الٹا ڈال دیا۔ میرے اس دوست کی عادت ہے کہ جو کام وہ خود کریں گے تو صحیح ہے اگر وہی کام کوئی دوسرا کرے تو غلط ہے۔

اسے ہم دوسری زبان میں اس طرح کہتے ہیں:

جو میں کر رہا ہوں صحیح کر رہا ہوں
جو تو کر رہا ہے غلط کر رہا ہے

میرا یہ دوست کیا کام کرتا ہے میں نے آج تک اس سے نہیں پوچھا' ہاں اس کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ وہ ایک Professional Broker ہے۔ میرے تو یہی بات سمجھ میں آتی ہے اردو میں ترجمہ کریں تو وہ ایک پیشہ ور دلّال ہے۔ اب وہ کسی چیز کی دلّالی کرتا ہے یہ مجھے نہیں معلوم۔ جب بھی ملتا ہے یہی بتانے کی کوشش کرتا ہے کہ میں تم سے پہلے کینیڈا آیا ہوں۔ میرے اس دوست کو کسی نے یہ نہیں بتایا کہ عقل عمر اور تعلیم سے ہوتی ہے کینیڈا پہنچ جانے سے نہیں۔ میرا یہ دوست بہت معصوم ہے' بہت بھولا ہے اسے اتنی سمجھ نہیں ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے اور کیا کہہ رہا ہے اس کے اس عمل سے کسی کو کیا تکلیف پہنچ رہی ہے کس کا دل بھر آیا ہے ان سب باتوں سے وہ بے خبر ہے۔

میں نے کئی بار اسے سمجھایا کہ جب تم کسی سے بات کر رہے ہوتے ہو تو تم یہ دل میں کیوں سمجھ لیتے ہو کہ اگلا تم جتنی عقل رکھتا ہے ہوسکتا ہے وہ تم سے زیادہ عقلمند ہو۔

میرے اس دوست کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو بھی اپنے جیسا انسان سمجھے اور کسی کو حقیر نہ جانے کیونکہ اگر اس نے فرعون بننے کی کوشش کی تو وہ یہ نہ بھولے کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے لیے موسیٰ کو پیدا کیا کیونکہ اس کی لاٹھی بے آواز ہے۔

مجھے اپنے اس دوست کی دوستی کی قسم وہ مجھے آج بھی اتنا ہی عزیز ہے جتنا کہ وہ کل تھا:

مانا کہ انداز بیان شوخ نہیں ہے
شائد کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات

......☆......

جو وہ کہیں تو ہم سنیں
جو ہم کہیں تو وہ سنیں

مذاق پھر نہ ہم بنیں
مذاق ہی مذاق میں

❍ ❍ ❍

ویلکم ٹو کینیڈا

آ رہے ہیں جو بھی میرے بھائی پاکستان سے
ہم تو ویلکم کرتے ہیں انہیں اپنے دل و جان سے

کینیڈا ہمارا دوسرا وطن ہے ہم پہلے پاکستانی ہیں بعد میں کینیڈین۔ ہم دنیا کے کسی ملک میں رہیں کہیں کی بھی شہریت حاصل کرلیں لیکن ہمیں اپنے آپ کو پاکستانی نژاد کہنے میں فخر محسوس کرنا چاہیے اسی میں ہماری بقا اور تحفظ بھی ہے۔ قومیں اپنی مرکزیت سے پہچانی جاتی ہیں نہ کہ شہریت سے۔ جب سے نئے امیگرنٹس کینیڈا آنا شروع ہوئے ہیں یہاں کا مزاج ہی بدل گیا ہے موسم بدل گیا ہے حالات بدل گئے ہیں۔ جو لوگ یہاں ایک عرصے سے رہ رہے ہیں کہتے ہیں کہ یہاں نئے امیگرنٹس جب سے آنے شروع ہیں یہ ملک کچھ بدلا بدلا سا لگنے لگا ہے۔ گھر سے باہر نکلو تو گاڑیوں کی ایک لمبی قطار دیکھنے کو ملتی ہے۔ بس میں چڑھو تو بیٹھنے کی جگہ مشکل سے ملتی ہے۔ بازار جاؤ تو بھیڑ دیکھنے کو ملتی ہے اور کسی شاپنگ مال میں خریداری کرو تو کاؤنٹرز پر لمبی قطار سے گزر کر ہی چھٹکارہ ملتا ہے گویا کہ وقت اب پہلے کے مقابلے میں زیادہ لگتا ہے گھر سے نکل کر پھر واپس گھر آنے میں۔ لیکن رونق بھی تو بہت زیادہ ہے پہلے کے مقابلے میں۔ کیوں......؟ پاکستان کے علاوہ بھارت، سعودی عرب، مڈل ایسٹ، سری لنکا، بنگلہ دیش، گیانا، ویسٹ انڈیز، میکسیکو، چائنا، جاپان، لاطین امریکہ سے بھی امیگرنٹس کینیڈا آئے ہیں اور ان کی بڑی تعداد اور آ رہی ہے۔ ہم سب کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ کینیڈا تو ہے ہی ملٹی کلچرل ملک یہاں بھانت بھانت کے لوگ مختلف رنگ و نسل اور مختلف مذہب اور عقیدے رکھنے کے باوجود بہت مل جل کر رہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہاں کا سخت

قانون ہے کسی کو کسی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں جو کہ حقیقت میں مسلمانوں کا وطیرہ تھا اب غیر مسلموں نے اپنا لیا ہے۔ کہ گورے کو کالے پر یا عربی کو عجمی پر کوئی فوقیت نہیں۔

کینیڈا میں موجود امیگرنٹس میں شامل ایسے لوگ بھی ہیں جو یہاں گھومنے پھرنے کی غرض سے آئے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے ایک بڑی تعداد رفیوجی حضرات کی بھی ہے جن کے کیسز مقامی عدالتوں میں زیر سماعت ہیں ان میں چند کیسز کے مثبت نتائج برآمد ہوں گے اور چند لوگوں کو واپس جانا ہوگا۔ یا پھر اپیل کا سہارا لے کے چند سال اور یہاں گزار لیں گے۔ لیکن کب تک۔ ایک نہ ایک دن تو جانا ہی ہوگا۔ اس ملک سے یا اس جہاں سے۔ اللہ تعالیٰ سبھوں کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور بہتر حالات پیدا کر دے۔ آمین۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ زیادہ تر لوگوں کو ان کے اپنے فیلڈ کی ملازمتیں نہیں ملیں لیکن پھر بھی انہوں نے کچھ نہ کچھ کر کے اپنے آپ کو اس ملک کے قانون کی پاسداری کرتے ہوئے کہیں نہ کہیں ایڈجسٹ کر لیا ہے۔ حالات کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا ہے۔ اپنی خاطر نہیں تو اپنے بچوں کے روشن مستقبل کی خاطر۔ کچھ لوگوں نے جن میں حالات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیتیں نہیں تھیں وہ اس ملک میں آئے اپنی فیملیز کو یہاں چھوڑا اور خود اکیلے واپس چلے گئے اس میں بڑی تعداد لوگوں کی مڈل ایسٹ اور سعودی عرب کی ہے۔ بہت کٹھن وقت ہے ان فیملیز پر بھی کہ گھر کا سربراہ ملک سے باہر ہو لیکن آفرین ہے ان بیگمات پر کہ جنہوں نے حالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور اپنے آپ کو اپنے بچوں کے مستقبل کی خاطر وقف کر دیا ہے اور اس بات سے ثابت کر دیا ہے کہ وقت پڑے تو خواتین وہ کچھ کر گزرتی ہیں جن کا تصور بھی انسان کو ہلا کر رکھ دیتا ہے ''اللہ معافی''۔ سلام ہے ان مردوں پر بھی کہ جنہوں نے بہت اچھے دن اپنے ملک میں گزارے بہت اچھی پوزیشن پر ملازمت کی اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اپنے بچوں کے مستقبل کی خاطر یہاں آ گئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں حوصلہ دے تا کہ ان کی یہ قربانی رائیگاں نہ جائیں۔ آمین۔

حال ہی میں ایک بڑی تعداد رفیوجیوں کی امریکہ سے کینیڈا آئی ہے جن میں ایسے لوگ بھی شامل ہیں جو دس سے بیس سال کا عرصہ امریکہ میں گزار چکے ہیں اپنی فیلڈ کے ماہر ہیں لیکن اب وہ جائیں تو کہاں جائیں بعض لوگوں کا تو اب پاکستان میں کوئی ٹھکانہ ہے نہ رشتہ دار۔ سنا ہے کہ

حکومت بہت تیزی سے ان رفیوجیوں کے کیسز نمٹائے گی جس کی مدت زیادہ سے زیادہ ایک سال ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ان سب لوگوں کی مشکلوں کو آسان کرے۔ آمین۔

حال میں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی انہوں نے بتایا کہ امریکہ میں موجود ان کی بیگم کے پاس گرین کارڈ موجود ہے۔ ان کے دو بچے ہیں دونوں کے پاس امریکن پاسپورٹ ہے جو امریکہ میں ہی پیدا ہوئے ہیں اور اپنی ماں کے پاس ہیں جبکہ باپ کینیڈا میں رفیوجی کی حیثیت سے داخل ہوئے ہیں۔ اور ایک صاحب ملے انہوں نے بتایا کہ ان کی شادی امریکن دیسی سے ہو چکی ہے کاغذات کورٹ میں داخل ہیں تاریخ مارچ 2003 کی ہے اس لیے اس وقت تک یہاں موجود رہیں گے۔ بعد میں پھر دیکھی جائے گی۔ میں ایک ایسی خاتون کو جانتا ہوں جو پہلے امریکہ میں رفیوجی کی نیت سے داخل ہوئی اپنے آپ کو ''احمدی'' نہ ثابت کر سکی تو جب کیس خارج ہو گیا اور امریکہ چھوڑنے کو کہا گیا تو وہ کینیڈا آ گئی اور یہاں اپنے آپ کو رفیوجی کی حیثیت دلوائی اور آج تک اپنے آپ کو ''احمدی'' ثابت نہیں کر سکی ہیں عدالت میں تاریخیں نمٹا رہی ہیں۔ جبکہ وہ ''احمدی'' ہیں بھی نہیں۔ ہم پاکستانیوں کی بھی چند مخصوص عادتیں ہیں کہ اگر کام غلط بھی ہے ان کے حق میں تو وہ کام کریں گے دوسرے یہ کہ اس پر شرمندہ بھی نہیں ہوں گے۔ اگر وہ کام غلطی سے ہو بھی گیا تو یہی کہیں گے کہ دیکھو میں کتنا ہوشیار ہوں سرکار کو بے وقوف بنا دیا۔ یہ کبھی نہیں سوچیں گے کہ یہ کام ہم نے غلط کیا ہے۔ کسی کا ہم نے حق مارا ہے۔ اللہ معاف نہیں کرے گا۔ اس بات کی ہمیں کوئی فکر نہیں ہوتی۔ ایک صاحب ملے حال ہی میں پاکستان سے آئے ہیں لینڈ ڈ امیگرنٹس ہیں اپنی فیملی کو لے کر آئے "SIN" کارڈ بنوالیا۔ ''ہیلتھ کارڈ'' بننے کو دے دیا۔ ''چائلڈ ٹیکس'' کے فارم جمع کروا دیے۔ ''بینک اکاؤنٹ کھول دیا اب واپس جا رہے ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ جب جانا ہی تھا تو آئے کیوں تھے کہنے لگے کہ تمام سہولتیں جو یہاں کینیڈین کو ملتی ہیں وہ حاصل کرنا ہے جیسے چائلڈ ٹیکس میرے اکاؤنٹ میں جمع ہوتا رہے گا۔ "GST" اور "PST" میرے کاؤنٹ میں میں جمع ہوتا رہے گا۔ انکم ٹیکس کے فارم ساتھ لے جا رہا ہوں مارچ کے آخر میں بھیج دوں گا ایک دوست کے پتہ پر وہ جمع کروا دے گا اس طرح جو چیک آئے گا وہ دوست اکاؤنٹ میں جمع

کرادے گا یا پھر ڈائریکٹ ڈپازٹ ہو جائے گا۔ میں نے ان سے کہا کہ جناب یہ تمام چیزیں اس وقت ہوں گی جب آپ یہاں رہیں گے یہاں جاب کریں گے انکم ٹیکس پہلے ادا کریں گے پھر حاصل کریں گے تو یہ بات ان کو بہت ناگوار گزری کہ جیسے میں نے ان سے کوئی ایسی بات کہہ دی ہو جس کو سننے کے لیے وہ بالکل تیار نہیں تھے۔ ان کی باتیں سن کر میری عقل حیران رہ گئی کہ میں جب اس ملک میں آیا تھا تو دو سال لگے تھے مجھے ان تمام چیزوں کو سمجھنے میں اور یہ صاحب تو اللہ کی پناہ! دو مہینے بھی ابھی نہیں ہوئے ہیں۔ GST اور PST ان کے اکاؤنٹ میں جمع ہو جائیں گے ان کو معلوم ہے۔ اپنے بچے کو ساتھ لے جا رہے ہیں اور چائلڈ ٹیکس ان کے اکاؤنٹ میں جمع ہو جائے گا ان کو یقین ہے اور بغیر انکم ٹیکس ادا کیے ان کو انکم ٹیکس کا ریٹرن ملے گا اس پر ان کا ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب پر اپنا کرم فرمائے۔ آمین۔

پچھلے دنوں میری ملاقات ایک ایسی خاتون سے ہوئی جو حال ہی میں پاکستان سے آئی ہیں مستقل قیام کے لیے۔ انہوں نے بتایا کہ میرے کینیڈا آنے کا مقصد اپنے بچوں کا مستقبل سنوارنا ہے اور اپنے شوہر سے ''طلاق'' حاصل کرنی ہے پہلی بات تو میری سمجھ میں آ گئی لیکن دوسری بات کی میں نے جب وضاحت چاہی تو خاتون کہنے لگیں کہ چونکہ میرا شوہر مجھ پر ظلم کرنے کے ساتھ ساتھ تشدد بھی کرتا ہے اور کینیڈا عورتوں کے حقوق کی پاسداری کرتا ہے اس لیے وہ یہاں اپنے آپ کو محفوظ سمجھتی ہیں اور اپنی پہلی فرصت میں اپنے شوہر سے ''طلاق'' کی خواہش مند ہیں۔ جب میں نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ عمل ''طلاق'' ہے۔ اس پر خاتون نے جواب دیا کہ یہ تو جھیلنے والا ہی جانے کہ کون سا عمل زیادہ تکلیف دہ ہے اور کون سا ناپسندیدہ۔ ہم اس خاتون کے بہتر مستقبل کے لیے دعا گو ہیں۔

ایک اور صاحب ملے چھوٹتے ہی کینیڈا کی برائی کرنے لگے۔ یہاں مجھے میری فیلڈ کی نوکری نہیں ملی۔ 19 سال کے بعد یہاں بچوں پر آپ کا کنٹرول نہیں رہتا۔ اپنے بچوں کو بندا نہ ڈانٹ سکتا ہے نہ مار سکتا ہے۔ بیوی کو آزادی مل جاتی ہے اور وہ اپنے آپ میں نہیں رہتی عورتوں کا اس ملک میں آنے کے بعد دماغ خراب ہو جاتا ہے شوہر کو منہ نہیں لگاتیں وغیرہ وغیرہ۔ میں نے

کہا کہ جب آپ نے اتنی برائی اس ملک میں دیکھی ہے تو پھر آپ یہاں سے چلے کیوں نہیں جاتے۔ کہنے لگے کہ یہ وہ لڈو ہے جو نہ کھائے وہ للچائے اور جو کھائے وہ پچھتائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

......☆......

تمہارے عشق کی خبر
ملی تھی جب اُنہیں ادھر

وہ جیتے جی گئے تھے مر
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

کتاب گھر کی پیشکش

یہ عشق بے مثال ہے
وہ حسن لازوال ہے

تمہارا کیا خیال ہے
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

http://www.kitaabghar.com

کینیڈا خواب یا تعبیر

ہم تو آئے تھے کینیڈا دل میں کچھ ارماں لئے
اچھا ہوتا جو نہ آتے سب سروساماں لئے

نئے امیگریشن جو اپنے اپنے ملکوں سے کینیڈا آئے جہاں آتے ہی ان کے سارے خواب چکنا چور ہو گئے کیونکہ انہیں اپنی فیلڈ کی جاب نہیں ملی بس انہیں ایک ہی وجہ بتائی گئی۔ You have no Canadian Experience گویا ان سے اسی چیز کی فرمائش کی گئی جو چیز اس ملک میں دستیاب نہیں تھی جہاں سے وہ آئے تھے۔ ورنہ پیٹی بھر کر لے آتے۔ ذرا سوچئے کہ ایک شخص اپنے ملک سے امیگریشن لے کر کل کینیڈا پہنچا ہے اور آج آپ اسے صرف یہ کہہ کر جاب نہیں دے رہے ہیں کہ اس کے پاس Canadian Experience نہیں ہے۔ ارے جب آپ اسے جاب دیں گے نہیں تو وہ Canadian Experience لائے گا کہاں سے۔ آج آپ اسے جاب دے دیجئے کل وہ کہہ سکے گا میرے پاس ایک دکان کا Canadian Experience ہے۔ لیکن ان گوروں کو کون سمجھائے۔ یہ تو سمجھے سمجھائے ہیں۔ اگر کسی نے ان کو وہ باتیں سمجھانے کی کوشش کی جو یہ سمجھنا نہیں چاہتے ہیں تو آپ کو اتنا وقت تو لگ ہی جائے گا جتنا کہ کسی کو گورا قبرستان پہنچنے میں لگتا ہے۔

پھر ہوا یوں کہ جو لوگ اپنے اپنے پیشے میں مہارت رکھتے تھے یہاں آ کر ایسا گم ہوئے جیسے انہوں نے وہ کام اپنے Profession میں کیا ہی نہ ہو۔ جیسے کہ بینکر، ڈاکٹر، انجینئر اور پروفیسر غرضیکہ اپنی اپنی فیلڈ کے مانے ہوئے لوگ یہاں اوڈ جاب کر کے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پال

رہے ہیں صرف اس امید پر کہ شائد ان کے بچے اچھی تعلیم حاصل کر کے اپنے پیروں پر کھڑے ہو جائیں تو وہ یہ سمجھیں گے کہ ان کی قربانیاں رائیگاں نہیں گئیں۔

ایک بہت ہی بے تکلف دوست اپنے ایک دوست کو فون پر بتا رہے تھے کہ یار وہاں ہم ایک آفس میں Job کرتے تھے یہاں ہم ایک آفس میں Mo p کرتے ہیں۔ گویا کہ کلیننگ کی جاب ہے۔

ایک اور دوست نے اپنے ملک سے فون پر اپنے کسی رشتہ دار سے کینیڈا بات کرنے کے دوران پوچھا کیا تمہیں اپنی فیلڈ کی جاب مل گئی اور آج کل کیا کر رہے ہو تو یہاں سے دوست نے جواب دیا کہ اپنی فیلڈ کی جاب تو نہیں ملی بس یوں سمجھ لو کہ I am dumping myself to see my children jumping. وہاں سے جواب آیا کہ یہاں تو تم اردو میں شاعری کیا کرتے تھے چلو کینیڈا پہنچنے پر اتنا تو ہوا کہ اب تم انگریزی میں شاعری کر رہے ہو۔ پھر بھی وہاں کے لوگوں نے اس بے چارے دوست کا درد نہ سمجھا۔

اگر ہمارے بچے اتنا ہی سمجھ لیں کہ ان کے ماں باپ نے کتنی بڑی قربانی دے کر ان کا مستقبل تابناک بنانے کی تمنا کی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ سودا مہنگا نہیں ہے۔

گویا ایک شخص اپنے آپ کو بھینٹ چڑھا کر اپنے بچوں کی زندگی بنا دیتا ہے تو یہ اس کی ہار نہیں جیت ہے۔

اس کے برعکس ان ممالک میں رہنے والے رشتہ دار دوست احباب جنہوں نے ابھی تک کینیڈا کا خواب دیکھنا نہیں چھوڑا ہے خط سے یا فون پر یہی فرمائش کرتے ہیں کہ کب بلا رہے ہو یا کب Sponser کر رہے تھے۔ آپ اگر انہیں لاکھ سمجھائیں کہ جناب یہاں ایسا ہے یا ویسا ہے تو ایک ہی جواب ملتا ہے آخر تم لوگ بھی وہاں رہ ہی رہے ہو ناں۔ ہم بھی ویسے ہی رہ لیں گے۔ غرضیکہ وہ ہماری نیت پر بھی شک کرتے ہیں کہ تم لوگ ہمیں کینیڈا بلوانا نہیں چاہتے۔ تم لوگ اس طرح کی باتیں کر کے چاہتے ہو کہ ہم لوگ ارادہ ترک کر دیں اور کینیڈا نہ آئیں لیکن ہم لوگ ایسا کریں گے نہیں لیکن یہاں آنے والے امیگرنٹس میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو یہاں آئے جائزہ

لیا اپنی فیملیز کو یہاں چھوڑا اور خود واپس چلے گئے۔ ان میں سعودی عرب اور (UAE) عرب امارات کے امیگرنٹس کی تعداد زیادہ ہے۔ اپنی فیملی سے گھر کا سربراہ کب تک دور رہ سکتا ہے۔ آج نہیں تو کل انہیں آنا ہوگا یا پھر اپنی فیملیز کو بلانا ہوگا۔ Divided فیملیز کب تک سروائیو کر سکتی ہیں۔

پھر یہاں کے قانون بھی حالات کو دیکھ کر تبدیل ہو سکتے ہیں۔ جس طرح ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے کچھ قانون بھی تبدیل ہو گئے ہیں۔ لیکن بندہ کیا کرے۔ جب تک چلے چلا لو۔ لیکن آج نہیں تو کل تمام لوگ واپس آئیں گے اور اپنی اپنی فیلڈ کی جاب تلاش کریں گے تو انہیں بھی اس جواب کا بھرپور سامنا کرنا ہوگا۔ جس کا یہاں آنے والے ہر امیگرنٹس کو سامنا کرنا پڑتا ہے۔

جب وہ جاب کے سلسلے میں کبھی اپنا Resume بھیجیں گے تو جواب میں یہ لکھا ہوا لیٹر ان کے Mail Box کی زینت بنے گا۔

We are very much impressed from your qualification and experience, but we have no opening for a person of your skill at this stage. But we have kept your resume on file for six month. We will contact you in case of our need. Wish you best of luck...........Human Resources Deptt.

اسے ہم Sugar Coated کیپسول کہتے ہیں کہ جب کسی کو اس قسم کا جواب مل جائے تو اسے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جاب نہ صرف ابھی نہیں دیں گے بلکہ کبھی نہیں دیں گے۔ لیکن ہم میں کچھ لوگ اتنے بھولے بھی ہیں جو ان کی اس Language کو نہیں سمجھتے اور اس امید پر رہتے ہیں کہ شائد یہ لوگ انہیں بلا لیں۔ لیکن وہ دن ان کی زندگی میں کبھی نہیں آئے گا۔ پھر بھی امید پہ دنیا قائم ہے۔ ناامیدی کفر ہے۔

اگر آپ ٹھنڈے دل سے سوچیں تو کیا یہ ایک سازش نہیں ہے ان ترقی پذیر ملکوں کے خلاف ان ترقی یافتہ ملکوں کی ان تمام Intellectuals یعنی کہ تمام کریم کو جو اپنے اپنے ملک

میں اور اپنے شعبہ میں اگر کام کرتے رہتے تو کوئی نہ کوئی بڑا کام انجام ضرور دیتے لیکن انہیں درمیان میں سے نکال کر یہاں بلا لینا اور انہیں ان کی فیلڈ سے بالکل علیحدہ کر دینا دوسرے معنوں میں ان کا کیریئر تباہ کر دینا صرف ان ہی کے خلاف سازش نہیں بلکہ اس ملک کے خلاف سازش ہے کہ جہاں سے وہ بلائے گئے ہیں۔ اس ملک کی ترقی روک دی گئی۔ یہ ذہین لوگ اپنے اپنے ملکوں میں ہی رہیں اور اپنے ملک کی ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں یہ بات ان مغربی ممالک کو کیسے گوارا ہو۔

ذرا سوچیں کہ اب بھی جو لوگ اس سازش کی بھینٹ نہیں چڑھے ہیں ان کو چاہیے کہ ہوش کے ناخن لیں اور اپنے ملک میں ہی رہتے ہوئے اپنے حالات کو تبدیل کرنے کی کوشش کریں ہاں اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلوانے کے لیے مغربی ممالک میں ضرور بھیجیں لیکن پھر انہیں اپنے ہی ملک میں خدمات سرانجام دینے کی تلقین ضرور کریں اس میں ہی ان کا فائدہ ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال شروع شروع میں یہ ہوتا ہے کہ کسی صورت سے چار سال گزارو پھر سٹیزن شپ اور پاسپورٹ ملنے کے بعد اپنے ملک چلے جائیں گے لیکن چار سال گزرتے گزرتے آپ یہاں اتنا ڈٹ جاتے ہیں اور اپنے ملک سے اتنا کٹ جاتے ہیں کہ واپسی ممکن نہیں ہوتی۔

جس جاب پر آپ وہاں کام کر رہے ہوتے ہیں وہاں سے چار سال کی چھٹی کیا ہر ایک شخص کو مل جائے گی تو ان میں سے کوئی ایک ہوگا جسے چار سال کی Education leave ملی ہوگی وہ بھی Without Pay لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کینیڈا Citizenship اور Passport حاصل کر لینے سے سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔

فرض کریں کہ آپ نے سٹیزن شپ اور کینیڈین پاسپورٹ حاصل کر لیا اب وطن جا کر آپ اپنے اسی محکمے کو دوبارہ جوائن کر سکتے ہیں اور اگر کر بھی لیا تو کیا آپ کی Seniorty برقرار رہے گی اگر نہیں تو کیا آپ اپنے ان ماتحتوں کے ماتحت رہ کر کام کر سکیں گے جنہیں آپ وہاں چھوڑ آئے تھے اور کیا آپ کے بچے وہاں جا کر دوبارہ ایڈجسٹ ہو سکیں گے۔

کینیڈا آنے والے نئے امیگرنٹس کو ایک بہت بڑی تبدیلی اپنے بچوں میں یہ برداشت کرنی

پڑتی ہے کہ جب وہ 19 سال کے ہو جاتے ہیں تو وہ اپنے آپ کو Independent سمجھنے لگتے ہیں کیونکہ اس ملک کے قانون میں یہ بات وضاحت سے بتا دی جاتی ہے کہ انہیں قانونی تحفظ حاصل ہے۔

بچوں کو جو تربیت ان کے گھر میں حاصل ہوتی ہے بس پھر تو صرف اسی کا آسرا ہوتا ہے کہ بچے کوئی ایسی حرکت کریں کہ جس سے والدین کو پریشانی یا پشیمانی ہو۔

ایک بہت بڑا مسئلہ یہاں بچوں کی شادیوں کا ہوتا ہے جو امیگرنٹس چند سالوں کے بعد فیس کرتے ہیں بچے جو چھوٹے چھوٹے آتے ہیں یہاں رہ کر اور یہاں پڑھ کر یہاں کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں ان کی سوچ تبدیل ہو چکی ہوتی ہے ان کا ذہن اتنا کھل چکا ہوتا ہے کہ اگر آپ ان کے لیے اپنے وطن سے لڑکا یا لڑکی لے کر آئیں تو وہ انہیں قبول نہیں ہوتا کیونکہ ان کے خیالات بدل چکے ہوتے ہیں Mental Level ایک نہ ہونے کی وجہ سے یہ شادیاں ناکام ہو جاتی ہیں۔

لیکن دیکھنے میں یہ بھی آیا ہے کہ ان بچوں کی پسند سے بھی اگر شادیاں کر دی جائیں تو یہ شادیاں بھی دیرپا ثابت نہیں ہوتیں چونکہ ذہن اتنا Mature نہیں ہوتا۔ جذباتی فیصلے کبھی درست نہیں ہوتے۔ ہمارے ملکوں میں خاندان میں شادی کرنا ایک رواج بن گیا ہے جبکہ یہاں اس بات کو معیوب سمجھا جاتا ہے First Cousin کو بھی سگے بھائی یا سگی بہن کا درجہ دیتے ہیں۔ گویا مسئلہ کم ہونے کی بجائے بڑھ گیا ہے۔

اگر تھوڑی دیر کے لیے آپ یہ سوچیں کہ کینیڈا آنے سے پہلے آپ کے جذبات کیا تھے اور یہاں آنے کے بعد چند سالوں میں آپ کے جذبات کیا ہو گئے ہیں آپ یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ اچھا ہوتا جو میں کشتیاں جلا کر یہاں نہ آتا بچوں کو تعلیم دلوانے کے لیے ضرور بھیجتا لیکن اپنے سر پر کلہاڑی نہ مارتا۔ اب جبکہ یہ فیصلہ کیے ہوئے بہت دیر ہو چکی ہے تو بس صبر کریں اور اللہ تعالیٰ سے بہتری کی امید رکھیں کیونکہ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔

......☆......

جو ساتھ میرے تم رہو
تو سب سے پھر یہی کہو

کہ دکھ بھی میرے تم سہو
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

عید کا دن

عید کے دن آ رہے ہیں یاد مجھ کو لوگ سب
جن سے مل کر بھول جاتا تھا میں اپنے روگ سب

وطن سے دور اپنے پیاروں کے بغیر عید منانا کتنا تکلیف دہ عمل ہے یہ کوئی ان نئے امیگرنٹس کے دل سے پوچھے جو حال ہی میں یہاں آئے ہیں یا جنہوں نے ایک یا دو عیدیں یہاں گزاری ہیں۔ خاص کر یورپی ممالک اور نارتھ امریکہ میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں۔ عید منانا بھی کتنا دشوار ہے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہاں عید کی کوئی چھٹی نہیں ہوتی جسے آپ عید کی چھٹی کا نام دے سکیں اگر کسی مسلمان کو عید کی چھٹی چاہیے تو وہ لے سکتا ہے اس کے اثرات اس کے اگلے پے چیک پر ضرور رونما ہوں گے۔ نئے امیگرنٹس جو نئے نئے یہاں آتے ہیں ان کے اندر چند سالوں تک تو وہی جوش وخروش رہتا ہے عید منانے کا پھر رفتہ رفتہ یہ جوش دھیما پڑ جاتا ہے اور جب پھر عید آتی ہے تو ان میں وہ جوش وخروش نہیں دیکھنے میں آتا جتنا کہ پہلے چند سالوں میں ان کے اندر حد درجہ پایا جاتا رہا۔

ہر سال کی طرح اس سال بھی عید آئے گی اور گزر جائے گی نہ کسی کا کسی کے گھر عید ملنے آنا نہ کسی کا کسی کے گھر عید ملنے جانا غرضیکہ ہر شخص اپنے اپنے مسائل میں اس طرح الجھا ہوا ہے کہ اسے اس بات کی قطعی فکر نہیں کہ آج عید کا دن ہے یا رمضان، ہر سال کا یہ اب معمول بنتا جا رہا ہے۔ یہ سب اس لیے ہوتا ہے کہ بچوں کو صبح اسکول جانا ہوتا ہے اور بڑوں کو اپنی اپنی جاب پر۔

اس کے برعکس پاکستان میں یا پھر دوسرے اسلامی ممالک میں جہاں عید کی باقاعدہ اضافی چھٹیاں ہوتی ہیں وہاں عید منانے کے کیا کہنے۔ رمضان شریف کے مہینے کے شروع ہوتے ہی عید کی تیاریاں بھی زور پکڑ لیتی ہیں۔ بچے بوڑھے اور جوان سب کو یہ فکر رہتی ہے کہ اس سال عید پر کون سا جوڑا پہننا ہے۔ شلوار قمیض یا پھر شیروانی اور پائجامہ۔ بازاروں میں رونقیں لگی ہوتی ہیں۔ خواہ سارے مہینے شاپنگ کریں لیکن چاند رات کو بازار جا کر ایک چکر لگانا ضروری ہوتا تھا۔ چند چیزیں خریدنا ہم خاص طور پر چھوڑ دیا کرتے تھے کہ چاند رات کو لے آئیں گے مثلاً عطر‘ ازار بند‘ بنیان‘ ٹوپی اور چپلیں وغیرہ اور پھر مہمانوں کے لیے پھل اور سویاں۔ بچوں کو عیدی دینا بھی ایک مرحلہ ہی ہوا کرتا تھا جس کے لیے پہلے سے ہی ہوم ورک کرنا پڑتا تھا خاص کر بینک جا کر نئے نوٹ لانا تا کہ عید کے دن بچوں کو، سحری میں جگانے والے چوکیدار کو، عیدی نئے نوٹ کی صورت میں ملے تو اچھا لگتا ہے۔

پھر چونکہ عید کے موقع پر پانچ سے چھ دن تمام تعلیمی ادارے دفاتر بند ہوتے ہیں اس لیے رشتہ داروں اور دوستوں کے یہاں آنا جانا شروع ہو جاتا ہے اور یہ پانچ یا چھ دن کس طرح گزر جاتے تھے پتہ بھی نہیں چلتا تھا۔

عید کے موقع پر ایک اور خاص بات یہ بھی ہوتی تھی کہ سال بھر میں اگر کسی کے کسی سے کوئی اختلافات پیدا ہو جاتے تھے تو عید کے دن وہ گلے مل کر ختم کر دیتے تھے یا بڑے بوڑھے بیچ میں پڑ کر ختم کروا دیا کرتے تھے۔ یہاں تو کسی کے گھر فون کرو عید والے دن اور کہو کہ جناب ”عید مبارک“ تو ادھر سے جواب ملتا ہے کہ ہمارے یہاں تو کل عید تھی آپ چوبیس گھنٹے بعد ”عید مبارک“ کہہ رہے ہیں۔

ہمارے ایک قریبی رشتہ دار ہیں ان کو میں نے عید کے دن فون کر کے ”عید مبارک“ کہا تو فرمانے لگے کہ کل کہاں تھے کل جب میں عید گاہ نماز پڑھنے گیا تھا تو آپ پر نظر نہیں پڑی۔ جواب میں میں نے کہا کہ جناب ہمارے یہاں تو کل روزہ تھا آج عید ہوئی ہے۔ اس پر کہنے لگے کہ عید تو اب پرانی ہو گئی کوئی اور بات کریں۔ میں پوچھ بیٹھا کہ آپ لوگوں نے کل کس طرح عید کر لی کہنے

لگے کہ عرب ممالک کے ساتھ ساتھ۔ مجھ سے نہ رہا گیا پھر پوچھا کہ کیا آپ لوگ یہاں کے جو مسلمان ہیں ان سے مختلف ہیں تو کہنے لگے کہ ہم لوگ عرب کے ساتھ ساتھ ہیں۔

پھر میں نے کہا کہ آپ لوگ کیا عربی ہو گئے تو فرمانے لگے کہ ہاں ہم لوگ عربی ہو گئے تو پھر میں نے ان سے کہا کہ ایک آخری سوال کروں گا کہ ہم لوگ جو آپ کے کل تک رشتہ دار تھے اب کس پوزیشن میں ہیں تو کہنے لگے کہ بات ہے یہ سوچنے والی۔ وہ جواب گول کر گئے۔ یہ تو وہی ہوا نا کہ ”رہوں میں زمین پر سوچوں میں آسمان کی“ کینیڈا میں رہتے ہوئے سعودی عرب کے بتلائے ہوئے اوقات پر روزہ رکھنا اور عید منانا میری سمجھ سے بالاتر ہے۔

یہ لوگ وہ ہیں نہ کھیلیں گے نہ کھیلنے دیں گے گویا نہ عید کی خوشی خود منائیں گے نہ دوسروں کو منانے دیں گے اپنی خوشی بھی خراب کرتے ہیں دوسروں کو بھی ذلیل کر دیتے ہیں اپنے عمل سے۔ کیونکہ:

”عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی اگر“

اگر یہ تمام لوگ ایک دن ہی عید منائیں تو کوایک دوسرے کے یہاں آنے جانے میں بھی آسانی ہو جاتی اور عید کی خوشی بھی دوبالا ہو جاتی۔ یہ کیا کہ ایک طبقے نے عید منالی اور دوسرے طبقے نے روزہ رکھا ہوا ہے۔ اس طرح اپنے اس عمل سے یہ لوگ کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ہم دوسروں سے بالاتر ہیں۔ ایک اللہ ایک رسول کے ماننے والوں کو کیا ہو گیا ہے۔

دوسری جانب اسکول جانے والے بچے بھی کنفیوز ہوتے ہیں کہ اسکول سے ایک دن چھٹی لی جائے اسکول کی ایڈمنسٹریشن بھی کنفیوز ہوتی ہے کہ کچھ بچے ایک دن عید منا رہے ہیں کچھ بچے دوسرے دن عید منانے کی بات کر رہے ہیں۔ اب ان لوگوں کو بھی یہ اندازہ ہو گیا ہے کہ ان مسلمانوں کے یہاں اتفاق نہیں ہے۔ یہ گروپوں میں بٹے ہوئے ہیں۔

پچھلے برس ہمارا ایک ایسی فیملی کے ہاں جانا ہوا جو تازہ تازہ عید سے چند ماہ قبل ہی پاکستان سے آئے تھے کہنے لگے کہ لگ ہی نہیں رہا کہ آج ”عید“ ہے۔ میں نے پوچھا وہ کس طرح کہنے لگے بچے نماز سے آ کر اسکول چلے گئے ہیں خود جاب پر چلا گیا تھا رات جب آیا ہوں تو بچے سو چکے

تھے۔ نہ کوئی ہمارے گھر آیا نہ ہم کسی کے گھر گئے عید کا دن گزر گیا۔ صبح اٹھ کر بچوں نے پوچھا کہ ڈیڈی ہماری عیدی تو آپ نے دی ہی نہیں۔ یہ کیسی عید تھی نہ ہمارے گھر کوئی آیا نہ ہم کسی کے گھر پر عید ملنے گئے۔ وہ صاحب بولے بیٹے ہم لوگ اگلے ویک اینڈ پر عید ملنے جائیں گے۔ اپنے جذبات ''عید والے'' سنبھال کر رکھو۔

غرضیکہ وہ سب خواب اور خیال ہوگیا جو ہم پاکستان میں کیا کرتے تھے۔ اسی سے ملتا جلتا رد عمل بقرعید پر بھی ہوتا ہے کہ قربانی کے لیے پیسے کسی گراسری اسٹور والے کو دے دیتے ہیں ان لوگوں نے خود جانور خریدا اور قربانی کر دی ہمارے ناموں سے نہ جانور دیکھا نہ کھال دوسرے دن جا کر گوشت لے آئے کچھ بانٹ دیا زیادہ کھا لیا۔ اللہ معاف کرے یہاں تو رشتہ داروں میں بھی گوشت بانٹنے کا رواج نہیں ہے۔

پاکستان میں عید گاہ کا ایک خاص منظر ہوتا تھا۔ اسی عید گاہ میں ایک صاحب نے نئی شلوار قمیض پر پرانی ٹوپی پہن رکھی تھی تو ان کے بہت ہی بے تکلف دوست نے گلے ملتے ملتے کہا کہ جس نے تمہیں یہ شلوار قمیض دلوائی تھی اس سے ایک نئی ٹوپی بھی مانگ لی ہوتی یہ سن کر اس دوست نے جواب دیا کہ میں پرانا نمازی ہوں یہ اس بات کا ثبوت ہے تم جیسے نئے نمازی کو پرانی ٹوپی کہاں نصیب۔

یہاں پچھلے دو تین سالوں سے ایک نئی تبدیلی دیکھنے میں آ رہی ہے وہ ہے عید بازار لگانے کا رجحان پہلے سال تو ایک یا مشکل سے دو عید بازار لگے اس کے بعد اس میں تیزی آ گئی اور ماشاء اللہ اس سال 9 یا دس جگہوں پر عید بازار' چاند رات کا میلہ لگا ہوا نظر آ رہا ہے۔ اگر اسی رفتار سے ترقی جاری رہی تو اگلے دو چار سالوں میں ہر طرف میلہ ہی میلہ لگا ہوگا اور بازار ویران پڑے ہوں گے۔

یہاں ایک رجحان اور دیکھنے کو ملا کہ رمضان میں افطار پارٹی کا ہر چھوٹی بڑی تنظیمیں جس میں نئی اور پرانی تنظیمیں شامل ہیں افطار پارٹی کا انتظام کرتی ہیں سب مِل جُل کر افطار کرتے ہیں۔ اسی طرح رمضان کے بعد ''عید ڈنرز'' کا سلسلہ شروع ہو جائے گا جس میں فنڈ ریزنگ ڈنر بھی شامل

ہوگا۔ ہمارے جو دوست اس عید کے موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے اس قسم کے ڈنر کا انتظام کرتے ہیں بہانہ تو عید ملن کا ہی ہوتا ہے لیکن فنڈ ریزنگ بھی ہو جاتی ہے۔ ''ایک پنتھ دو کاج'' یا پھر یوں سمجھیں کہ ''آم کے آم گٹھلیوں کے دام''۔ کب تک لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکی جاتی رہے گی آخر ان آنکھوں میں بھی برداشت کی کوئی حد ہوتی ہے۔ آج مجھے میرے پرانے دوست اور احباب بڑی شدت سے یاد آئے جن سے میرے نظریاتی اختلافات ہوتے تھے اس کے باوجود وہ مجھ سے عید ملنے آتے اور گھنٹوں بیٹھ کر باتیں کرتے پرانی یادوں کو تازہ کرتے اور خوب گلے ملتے۔ پر گزرا وقت لوٹ کر نہیں آتا۔

......☆......

میں پوچھتا ہوں آپ سے
بچوں میں کیسے پاپ سے

کہا کہ پوچھو باپ سے
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

نظر پڑی قریب سے
تو کہہ دیا حبیب سے

ملے ہو تم نصیب سے
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

شادیات

پہلے ہوتی تھی جو شادی کرتے تھے ماں باپ طے
اب تو لڑکی کرتی ہے لڑکے سے شادی آپ طے

پہلے زمانے میں ماں باپ اپنے بچوں کا رشتہ مناسب سمجھ کر جہاں لگا دیتے تھے بچے سر جھکا کر وہاں شادی کر لیتے تھے اور ساری عمر نبھاتے تھے۔ زمانہ کچھ ترقی کر گیا تو لڑکے کی فرمائش پوری کی جانے لگی کہ لڑکی کو دور سے دکھا دیا گیا۔ جب ترقی کچھ اور ہوگئی تو دونوں کو ایک دوسرے کو دیکھنے کی اجازت دے دی گئی۔ ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ بزرگوں کی موجودگی میں لڑکا اور لڑکی مل بیٹھ کر بات چیت کر لیتے تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا سمجھ لیا تو منگنی کی رسم شادی میں بدل گئی۔ کچھ اور آگے آئیں تو زمانہ اپنی پسند کی شادی کا آ گیا اب لڑکے اور لڑکیاں اپنی پسند اپنے والدین کو بتانے لگے اور پھر وہاں شادی کر دی گئی ایسی شادی کو Arranged Marriage کا ہی نام دیا گیا۔ اس کے بعد حالات خراب ہونے شروع ہوئے تو لڑکے اور لڑکی کی منگنی کر دی گئی پھر بعد میں یہی والدین یا گھر کے بزرگوں سے پوچھے بغیر Court Marriage کرنے لگے۔ یہ عام طور پر وہاں زیادہ ہوا جہاں یہ ڈر ہوتا تھا کہ والدین یا گھر کے بزرگ ایسی شادی کی نہ تو اجازت دیں گے اور نہ ایسی شادی کو قبول کریں گے۔ تو فریقین یہ فیصلہ کرتے تھے کہ پہلے شادی کر لو بعد میں دیکھی جائے گی۔ ایسی شادی کو Love Marriage کہتے ہیں۔ اس قسم کی شادیوں کے بعد بڑے افسوسناک حادثے بھی ہوئے کہ جیسے لڑکے یا لڑکی کے والدین یا کوئی خاندان کا بزرگ ''چل بسا'' اس کی وجہ صدمہ بتایا گیا۔ اس طرح کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔

ایک زمانہ وہ بھی تھا کہ جب اپنے وطن سے دور لڑکے امریکہ، برطانیہ یا جرمنی تعلیم کے حصول کے لیے آنے لگے اور جب تعلیم سے فارغ ہو کر وطن لوٹنے لگے تو ایک عدد میم ساتھ لے کر وہاں پہنچے تو کچھ گھرانوں میں حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے خاموشی اختیار کی گئی اور کچھ خاندانوں میں ایسی شادیوں کو قبول نہیں کیا گیا۔ پرانے زمانے کے لوگ ایسی چیزوں کو بڑی مشکل سے ہی برداشت کر پاتے تھے۔ ان کی اَنا کا مسئلہ ہوتا تھا اور اس طرح خاندان بٹ جاتے تھے۔

چند شادیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جس میں فریقین اپنی مرضی سے شادی کر کے گھر بار چھوڑ دیتے ہیں جوش میں اور جب ہوش میں آتے ہیں تو اس وقت تک بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔

''اب پچھتاوت کیا ہوت جب چڑیا چگ گئیں کھیت''

پھر زمانہ ایسا بھی آیا کہ بچے شادیاں اپنی مرضی سے کر لیتے تھے اور پھر Marriage Reception پر تمام دوستوں عزیزوں کو بلاتے تھے اور ساتھ میں والدین کو بھی۔ اب یہ والدین پر منحصر ہوتا تھا کہ وہ ایسی شادی کے Marriage Reception میں شریک ہوں یا نہ ہوں۔ ان بچوں کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑنے والا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ناقص تربیت کا نتیجہ ہوتا ہے یا پھر خراب ماحول کا اثر جس میں بچے پلے بڑھے ہوتے ہیں۔

ایسی شادیاں بہت کم کامیاب ہوتی ہیں چونکہ یہ ناسمجھی کے فیصلے ہوتے ہیں جو فیصلے جوش میں کیے گئے وہ ہوش کے نہیں ہوتے۔ اس لیے کہتے ہیں کہ اس قسم کے فیصلے جوش میں نہیں ہوش میں کیے جانے چاہئیں۔

ایک بیٹے نے جو کئی سال بیرون ملک رہنے کے بعد اپنے وطن لوٹ رہا تھا اپنی ماں کو فون کیا۔ ہیلو امی ہیلو! میں آپ کا بیٹا بول رہا ہوں۔ ہاں ہاں بیٹے بولو کیسے ہو۔ امی میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ سنایئے' اللہ کا کرم ہے بیٹا ابھی تک سانس چل رہی ہے'۔ بیٹا کب سے ہماری آنکھیں ترس رہی ہیں تمہیں دیکھنے کو کب آؤ گے بیٹا۔ بیٹا کہنے لگا۔ امی میں کل آرہا ہوں۔ سچ بیٹا۔ ہاں ہاں امی سچ۔ ماں کہنے لگی اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ بیٹا بس میری ایک خواہش ہے کہ آؤ تو تمہاری شادی کر دوں اور چاند سی بہو اپنے گھر لے کر آؤں تیرے لیے' بہت اچھی لڑکی ڈھونڈوں گی۔ بیٹا کہنے لگا امی آپ کو بہو

ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں ہے میرے ساتھ آپ کی بہو آرہی ہے۔ ارے بیٹا تو کیا تم نے شادی کر لی۔ ہاں امی بس یوں سمجھ لیجئے کہ بس جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ ٹھیک ہے میں تیری خاطر اس کو برداشت کر لوں گی بس ایک شرط پر تجھے معاف کروں گی' بیٹے نے پوچھا وہ کیا تو ماں کہنے لگی مجھے ایک چاند سا پوتا دے دے تاکہ میں اسے تیری نشانی سمجھ کر اپنے پاس رکھوں گی پھر تو جہاں مرضی جا۔ امی اس کے لیے بھی آپ کو انتظار کرنا نہیں پڑے گا کیونکہ جس سے میں نے شادی کی ہے وہ پہلے سے ہی چار بچوں کی ماں ہے۔ امی ہیلو' امی آپ مجھ سے ناراض تو نہیں ہیں نا۔ امی دیکھیں آپ مجھے معاف کر دیں ورنہ پھر میں نہیں آؤں گا۔ نہیں بیٹے میں تیری ہر غلطی کو آج تک معاف کرتی آئی ہوں یہ بھی معاف کر دیا۔ اب تو سیدھا میرے فلیٹ پر آ جا۔ بیٹا کہنے لگا امی جس فلیٹ میں آپ رہتی ہیں تو وہ صرف تین کمروں والا ہے میں اگر اپنے بیوی بچوں کے ساتھ آپ کے اس فلیٹ میں اتر گیا تو بڑی تکلیف ہو جائے گی۔ نہیں بیٹا' تم اپنی بیوی بچوں کے ساتھ یہاں ضرور آؤ یہ مکان پورا تمہیں خالی ملے گا تو امی آپ کہاں جائیں گی۔ بیٹا میں ابھی تم سے فون پر بات ختم کرتے ہی زمین پر گروں گی اور ختم ہو جاؤں گی۔

شادی کوئی گڑیا گڈے کا کھیل نہیں ہے۔ شادی کرنا جتنا آسان ہے اس کو نبھانا اتنا ہی مشکل کام ہے۔ کیونکہ شادی کے بعد سب سے بڑا مسئلہ ہوتا ہے۔ Balance of Power کا۔ ایک بچہ اپنے دادا کے پاس گیا اور کہنے لگا ''دادو'' میں ٹینا سے شادی کر رہا ہوں۔ دادا نے پوچھا۔ بیٹا تم ''ٹینا'' سے شادی کر رہے ہو یا ''ٹینا'' تم سے شادی کر رہی ہے۔ بچہ نے کہا کہ دادا ایک ہی بات ہے۔ دادا کہنے لگے' دیکھو اگر تم ''ٹینا'' سے شادی کرو گے تو تم ''رول'' کرو گے اپنے گھر پر اور اگر ''ٹینا'' تم سے شادی کرے گی تو وہ ''رول'' کرے گی تمہارے گھر پر۔ بچہ کہنے لگا دادا آپ کی بات میں وزن ہے۔ ویسے آپ کی اطلاع کے لیے میں ٹینا سے شادی کر رہا ہوں۔

اکثر غیر مسلم یہ کہتے ہیں کہ بھئی تمہارے مذہب میں تو چار شادیوں کی گنجائش ہے لیکن وہ یہ بات ہرگز نہیں جانتے کہ کن حالات میں چار شادیوں کی اجازت ہے۔ بیوی بیمار رہتی ہو' حق زوجیت ادا نہیں کر سکتی ہو یا پھر پاگل ہو۔ ویسے پاگل ہونے کے لیے ایک ہی بیوی کافی ہوتی ہے۔ دوسری کا تصور بھی انسان کیسے کرے۔

عجب ہے یہ داستاں
نہ منزلیں ہیں نہ آستاں

ملے یہاں کبھی وہاں
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

گھر داماد

گھر کے ہر داماد کی عزت تو ہوتی ہے مگر
جو ہے گھر داماد کی عزت یہاں سب کی کہاں

ہمارے یہاں بیٹی کے شوہر کو ''داماد'' کہتے ہیں۔ان دامادوں کی بھی بڑی قسمیں ہوتی ہیں۔ پہلا تو ہوتا ہے ''داماد'' (Damaad)' دوسرا ہوتا ہے'' دمدوا'' (Damadwa)' تیسرا'' دمدلی'' (Damdully)اور چوتھا ''دمدلیہ'' (Damdulia) لیکن سب سے الگ قسم ہوتی ہے'' گھر داماد'' کی۔اس کی ہر عادت دوسرے دامادوں سے مختلف ہوتی ہے۔ یہ اپنے گھر والوں سے دور سسرال میں پایا جاتا ہے۔ یہ اپنے والدین اور بھائی بہنوں کی برائی اور ساس' سسر' سالے' سالیوں کی تعریفیں کرتا نظر آتا ہے۔

کہتے ہیں کہ اچھا داماد اچھا شوہر بھی ہوتا ہے چونکہ وہ ہر بات خواہ وہ جائزہ یا ناجائز اپنی بیوی کی مانتا ہے۔اس طرح وہ اپنی ماں سے زیادہ اپنی ساس کی آس پوری کرتا ہے۔وہ اپنی ماں سے ملنے تک نہیں جاتا۔اس کی ماں اسے ایک نظر دیکھنے کو ترستی ہے اور اگر وہ بن پوچھے مل آیا تو اس پر اس کی بیوی برستی ہے۔وہ گھر کا ہوتا ہے نہ گھاٹ کا۔

''داماد'' وہ ہے جو اپنے والدین' بھائی بہنوں کو فوقیت دیتا ہے اور سسرال والوں کو ان کے مقام پر رکھتا ہے' ان کی عزت کرتا ہے' اور ان سے اپنے گھر والوں کی بھی عزت کرواتا ہے۔اگر سسرال والوں نے کوئی غلط بات کی تو ان کو وہیں ٹوک دیتا ہے اور آئندہ اس بات سے باز رہنے کی تلقین کرتا ہے تاکہ آپس میں تعلقات خراب نہ ہوں۔ایسے داماد کو سسرال میں اچھی نگاہ سے

نہیں دیکھا جاتا بس لوگ گزارا کررہے ہوتے ہیں۔

''دمدوا'' وہ ہوتا ہے جو اپنے گھر والوں اور اپنے سسرال والوں میں توازن رکھنے کی کوشش کرتا رہتا ہے لیکن اگر سسرال والوں کی طرف سے دباؤ بڑھا تو وہ ان کا ساتھ دیتا ہے اور گھر والوں کو سمجھانے بیٹھ جاتا ہے۔ ایسے داماد کو سسرال میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

''دملی'' وہ ہوتا ہے جس کا نوے فیصد جھکاؤ سسرال کی طرف ہوتا ہے صرف دس فیصد یہ اپنے گھر والوں کا ہوتا ہے۔ کبھی کبھار اپنے گھر والوں کا ساتھ دیتا ہے ورنہ ہمیشہ اپنے سسرال والوں کے ہی گن گاتا رہتا ہے۔

''دملیہ'' وہ ہوتا ہے جو پورے کا پورا سسرال کا ہوتا ہے اس سے کوئی کام پوچھ کر ہی نہیں کیا جاتا' صرف اس کو اطلاع ملتی ہے کہ فلاں کام ہوگیا۔ اس کی نہ اپنے گھر والوں میں عزت ہوتی ہے اور نہ ہی سسرال میں۔ اسی طرح اگر گھر میں کوئی تقریب ہو رہی ہو وہ موجود نہ ہو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ اپنی نظروں میں بھی گرا ہوا ہوتا ہے۔ اسے اس بات کا احساس بھی ہوتا ہے مگر ''مجبور ہوں اف اللہ کچھ کر بھی نہیں سکتے''۔

ایک ''ساس'' نے اپنے ''داماد'' سے کہا ان تمام ناخوشگوار معاملات کے باوجود میں تمہارے لیے دعا ہی کرتی ہوں۔ اس پر داماد نے جواب دیا کہ اس میں بھی آپ کی مجبوری اور غرض شامل ہے کیونکہ آپ جانتی ہیں کہ اگر آپ نے میرے لیے بددعا کی تو اس کے اثرات آپ کی اپنی بیٹی پر بھی پڑیں گے۔ لیکن میری ''ماں'' میرے لیے بنا غرض کے دعا کرتی رہتی ہے۔ جن بیٹوں کو ''ماں'' کی دعا میسر ہو اسے کسی کی دعا کی ضرورت نہیں۔

ایک اور داماد نے اپنی ساس سے کہا کہ کان کھول کر سن لیجئے یہ روز روز کی چک چک مجھے پسند نہیں۔ آپ کو یہ نہیں بھولنا چاہتے کے آپ کی بیٹی کی شادی ہوگئی ہے۔ اسے اپنے میکے سے زیادہ سسرال پر توجہ دینی چاہیے اور یہ کہ لڑکی کا رشتہ میکے سے ٹوٹ کر سسرال سے جڑتا ہے۔

ایک اور داماد بولے میں اگر عمر کے اس حصے میں پہنچ جاؤں کہ بڑھاپے سے میری کمر جھک گئی ہو لیکن یاد رکھیں کہ جیسے ہی میں سسرال کی دہلیز پر قدم رکھوں گا سیدھا کھڑا ہو جاؤں گا۔ میں

سسرال میں جھک کر آنا اپنی توہین سمجھتا ہوں۔ ''اللہ رے اکڑ''۔

ایک داماد جب اپنے سسرال آئے تو اتفاق سے وہاں ''پائے'' کی دعوت تھی۔ وہ کھانے کی میز سے اٹھ گئے اور کہنے لگے میں سسرال میں ''لات'' کھانے نہیں آیا۔

ایک اور داماد جب اچانک اپنے سسرال پہنچے تو اتفاق سے اس دن وہاں کھچڑی بنی تھی جب انہیں کھانے کی میز پر کھچڑی پیش کی گئی تو خفا ہو گئے اور کہنے لگے میں جیل آیا ہوں' میں نے کوئی جرم کیا ہے جس کی سزا کے طور پر مجھے کھچڑی کھانی ہے۔

ایک بہت ہی بے تکلف دوست نے اپنے دوست سے کہا کہ یار تمہاری تو اپنے سسرال میں ٹکے کی عزت نہیں ہے۔ میں نے سنا ہے کہ تمہاری سسرال والوں نے تمہیں تین بار دھکے دے کر گھر سے نکال دیا۔ دو مرتبہ تو دروازہ ہی نہیں کھولا اور ایک بار تو منہ کھول کر کہہ دیا کہ خبردار جو تم اس طرف آئے اور میری بیٹی کا نام اپنی گندی زبان سے لیا تو۔ یہ سن کر پہلا دوست بولا یار یہ سب باتیں جو تم نے سنی ہیں درست ہیں لیکن اللہ کا شکر ہے ان لوگوں نے مجھ کبھی ذلیل نہیں کیا۔

ایک خاتون جب بیمار پڑیں تو ہسپتال میں تمام رشتہ دار موجود تھے۔ ان کے دو داماد پیر دبا رہے تھے۔ ساتھ بیٹھی ہوئی ایک دوسری خاتون نے کہا کہ کیسا زمانہ آ گیا ہے کہ بیٹا یہاں موجود ہے لیکن خدمت داماد کر رہا ہے۔ پاس ہی کھڑے بیٹے نے جو پہلے سے ہی ان حرکتوں پر خفا تھا کہنے لگا مجھے اپنی ساس کے بیمار پڑنے کا انتظار ہے چونکہ ہمارے گھر والوں کی نظر میں ماں کے نہیں ساس کے قدموں میں جنت ہے۔ شاید۔

ایک خاتون جب ''حج'' سے واپس آئیں تو تمام گھر والے جمع تھے۔ اتنے میں ایک داماد نے اپنی ساس کے بارے میں کہا کہ ''ساس امی'' بالکل فرشتہ لگ رہی ہیں۔ جس پر ایک دوسری خاتون جو پاس بیٹھی تھیں نے ان کے بیٹے سے کہا کہ تم اپنی ماں کے بارے میں کچھ نہیں کہو گے۔ بیٹا کہنے لگا کہ جو بات مجھے کہنی تھی وہ تو ان کے داماد نے کہہ ڈالی اب میں اپنی ساس کے ''حج'' سے واپسی پر یہ جملہ استعمال کروں گا۔ کیوں......؟

ایک صاحب جو گھر داماد تھے دن' رات اپنے سسرال والوں سے اپنے گھر والوں کی برائی سنتے

اور مسکراتے رہتے تھے۔ایک دن ان کا بچہ شرارتیں کررہا تھا تو پاس بیٹھی ہوئی ان کی بیگم کہنے لگیں کہ ساری بری عادتیں دادھیال سے سیکھ لی ہیں۔اس نے ''ماموں'' سے کچھ نہیں سیکھا۔ایسا لگتا ہے کہ جیسے اس بچے کا ماموں تہذیب یونیورسٹی کا وائس چانسلر ہو۔ایک خاتون جونئی نئی اسکول ٹیچر بنی تھیں تھک ہار کر جب شام کو گھر آئیں تو اپنے شوہر سے جو گھر داماد بھی تھے کہنے لگیں یہ آج کل کے بچے بھی عجیب بچے ہیں کوئی بات مانتے ہی نہیں جب کہو کہ حساب کی کتاب نکالو تو کہتے ہیں کہ انگریزی پڑھیں گے اور جب کہو کہ چلو تاریخ پڑھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ڈرائنگ کریں گے۔میں تو سخت پریشان ہوگئی ہوں۔شوہر کہنے لگے کہ بیگم صاحبہ یہ آج کل کے بچے ہیں شوہر نہیں ہیں۔

ایک صاحب جو ''گھر داماد'' تھے ساتھ ہی ساتھ ایک محکمے میں بہت بڑے عہدے پر فائز تھے۔جب ان کے بہت ہی بے تکلف دوست نے ان سے پوچھا کہ آپ اپنے والدین کا خیال نہیں رکھتے، کبھی آپ ان سے ملنے نہیں جاتے، کس حالت میں وہ لوگ ہیں آپ نہیں جاننا چاہتے۔کیا اسی دن کے لیے لوگ اولاد کی تمنا کرتے ہیں۔خاص کر بیٹے کی۔اس پر وہ صاحب بولے میں کیا کرسکتا ہوں۔جواب میں دوست نے کہا کہ اگر آپ کے سسرال والے صحیح لوگ نہیں ہیں تو آپ دوسری شادی کر سکتے ہیں لیکن والدین کو تو ان حالات میں نہیں چھوڑنا چاہیے۔یہ سن کر وہ صاحب بولے ؎

پہلی سے چھٹکارا نہ ملے
دوجی کی تمنا کون کرے

......☆......

میاں بیوی

ہے میاں بیوی کا رشتہ خون سے بڑھ کر مگر
خون کے رشتے تو آخر خون کے رشتے ہوئے

کہا جاتا ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس ہیں لیکن کچھ لباس ایسے بھی تو ہوتے ہیں جسے آپ پسند نہیں کرنے کے باوجود بھی پہنتے ہیں۔ایک اور بات بہت مشہور ہے کہ میاں بیوی گاڑی کے دو پہیے ہوتے ہیں۔اب ایک پہیہ اسکوٹر کا اور دوسرا ٹریکٹر کا ہو تو گاڑی کیا خاک چلے گی۔

شادی Arrange ہو یا Love Marriage کی، نتیجہ کم و بیش ایک ہی نکلتا ہے چونکہ وہی باتیں جو شادی سے قبل اچھی لگتی ہیں ایک دوسرے کی بعد میں وہی بری لگنے لگتی ہیں۔اس کی وجوہات جس کسی نے بھی معلوم کرلیں وہ نوبل انعام کا حقدار ہوگا۔

ہوتا یوں ہے کہ شادی تو جوش میں ہوجاتی ہے، پھر رفتہ رفتہ کچھ چیزیں سامنے آتی ہیں تو ہوش ٹھکانے آنے شروع ہوجاتے ہیں۔ٹھیک اسی طرح جب آپ کوئی گاڑی خریدتے ہیں تو بڑا جوش ہوتا ہے۔جب کچھ عرصہ گزرتا ہے تو اس کی چند چیزیں سامنے آتی ہیں پھر ہوش اڑتے ہیں۔

ایک صاحب کی نئی نئی شادی ہوئی تو ان کی بیگم نے ان سے پوچھا کہ سرتاج یہ تو بتایئے کہ آپ کی تنخواہ کتنی ہے۔شوہر پہلے تو سوچ میں پڑ گئے پھر بولے کہ تین ہزار ڈالر۔یہ سن کر بیگم خاموش رہیں تو پھر شوہر بولے کہ بیگم اتنے میں ہمارا گزارا تو ہوجائے گا نا......؟ بیگم نے کچھ سوچ کر جواب دیا ہاں ہمارا تو گزارا ہوجائے گا مگر تمہارا کیا ہوگا۔

ایک اور صاحب کی جب شادی ہوئی تو ان کی بیگم نے ان سے پوچھا کہ آپ سگریٹ پیتے ہیں۔شوہر کہنے لگے ''نہیں''۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ کیا آپ ''شراب'' پیتے ہیں۔شوہر بولے ''نہیں''۔کیا آپ نائٹ کلب جاتے ہیں۔اس پر شوہر نے جواب دیا کہ ''نہیں''۔ یہ سن کر بیگم نے پوچھا تو کیا آپ میں کوئی بری عادت نہیں ہے۔شوہر بولے کہ ایسی بات نہیں ہے۔مجھ میں ایک بری عادت ہے۔بیگم نے پوچھا وہ کیا۔شوہر بولے ''میں جھوٹ بہت بولتا ہوں''۔

میرے ایک دوست ہیں ان کے یہاں پہلے بچے کی پیدائش ہونے والی تھی۔ان کی بیگم نے ان سے کہا کہ سرتاج مجھے ایسا لگتا ہے کہ ہمارے گھر جو بچہ پیدا ہونے والا ہے وہ آپ جیسا ذہین اور مجھ جیسا حسین ہوگا۔یہ سن کر شوہر بولے بیگم ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ ہمارا بچہ مجھ جیسا بدشکل اور تم جیسا بدعقل ہو۔

ایک صاحب اپنی موٹی بیگم سے بہت پریشان تھے اسی پریشانی میں ایک پامسٹ کے پاس چلے گئے پوچھا کہ میرے ہاتھ کی لکیروں کو دیکھ کر یہ تو بتاؤ کہ کیا میرے ہاتھ میں شادی کی دوسری لکیر بھی ہے۔پامسٹ نے بہت دیر ان کے ہاتھ کا مطالعہ کرنے کے بعد کہا کہ صاحب آپ کے ہاتھ میں شادی کی صرف ایک لکیر ہے وہ بھی بہت ''موٹی'' ہے۔

ایک صاحب اپنی بیگم سے کہنے لگے کہ بیگم تمہیں تو کسی بات کا سلیقہ ہی نہیں ہے۔نہ تمہیں کھانا ڈھنگ سے بنانا آتا ہے نہ تمہیں سلائی کڑھائی آتی ہے' نہ تمہیں گھر کی صفائی ستھرائی کرنی آتی ہے' نہ تمہیں بات ڈھنگ سے کرنا آتی ہے۔یہ سن کر بیگم بولیں مجھے معلوم ہے کہ یہ سب خرابیاں میرے اندر موجود ہیں جب ہی تو میری شادی کسی اچھی جگہ نہیں ہوئی۔

ایک بیگم نے اپنے شوہر سے پوچھا کہ سرتاج آپ مجھے کتنا چاہتے ہیں۔شوہر بولے بیگم میں تمہیں بہت چاہتا ہوں۔آخر کتنا۔شوہر بولے کہ میں بیان نہیں کرسکتا۔بیگم نے کہا کہ ایک بات پوچھوں۔شوہر بولے پوچھو۔اگر میں مرجاؤں تو آپ کیا کریں گے۔شوہر بولے میں پاگل ہوجاؤں گا۔بیگم نے پوچھا لیکن آپ دوسری شادی تو نہیں کریں گے......؟ شوہر بولے ''بھئی پاگل آدمی تو کچھ بھی کرسکتا ہے''۔

ایک میاں بیوی روز لڑتے تھے لیکن گھر سے آواز لڑائی کے بجائے ہنسنے کی آتی تھی۔محلے کے لوگ پریشان تھے کہ آخر یہ کیسی لڑائی ہے کہ آواز لڑائی کے بجائے ہنسنے کی آتی ہے۔ایک روز ان کے شوہر کو محلے کے کچھ لوگوں نے گھیر لیا کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے۔وہ صاحب بولے کہ بھائی یہ لڑائی تو حقیقی ہوتی ہے لیکن Simple معاملہ ہے کہ جب میری بیوی برتن پھینک کر مجھے مارتی ہے' مجھے لگ جاتا ہے تو وہ ہنستی اور اور جو بچ جاتا ہے تو میں ہنستا ہوں۔

ایک محفل میں ایک خاتون دوسری خاتون سے کہہ رہی تھیں کہ تمہیں معلوم ہے کہ میرے شوہر لکھ پتی کس وجہ سے بنے ہیں۔دوسری نے پوچھا کیا مطلب۔پہلی بولیں کہ اپنے شوہر کو لکھ پتی میں نے ہی تو بنایا ہے۔دوسری نے پوچھا کہ اس سے پہلے تمہارے شوہر کیا تھے۔پہلی بولیں کروڑ پتی۔بقول شاعر ؎

اپنی زوجہ کے تعارف میں کہا اک شخص نے
دل سے انکا معترف ہوں میں زبانی ہی نہیں
چائے بھی اچھی بناتی ہیں میری بیگم مگر
منہ بنانے میں تو انکا کوئی ثانی ہی نہیں

ایک صاحب اپنی بیگم سے روز ایک ہی ڈش بنواتے تھے ''کڑاہی گوشت''۔صبح کڑاہی گوشت' شام کڑاہی گوشت' آج کڑاہی گوشت کل کڑاہی گوشت۔ایک دن ان کی بیگم نے کہا کہ سرتاج مجھے تو اور بہت سی ڈشیں بنانی آتی ہیں۔آپ مجھ کو کوئی اور ڈش بنانے کو کیوں نہیں کہتے۔کیا آپ کو میرے ہاتھ کی بنائی ہوئی یہ ڈش بہت پسند ہے۔شوہر جو پہلے سے ہی تپے ہوئے تھے بولے ''پہلے اس ڈش کو تو ٹھیک سے بناؤ''۔

ایک صاحب اپنی بلڈنگ کے مالک کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ کی بلڈنگ کی دسویں منزل پر جو خاتون رہتی ہیں وہ رات گئے اپنے شوہر سے بہت لڑتی ہیں۔جس سے پڑوسی بہت Distrub ہوتے ہیں آپ ایک مالک مکان ہونے کی حیثیت سے ان کو سمجھاتے کیوں نہیں ہیں۔یہ سن کر مالک مکان نے ان صاحب سے پوچھا کہ کیا آپ اس خاتون کے پڑوسی ہیں۔وہ

صاحب بولے جی نہیں میں اس خاتون کا شوہر ہوں۔

ایک خاتون اپنے شوہر کو لے کر ایک ڈاکٹر کے پاس آئیں اور کہنے لگیں کہ ڈاکٹر صاحب میرے شوہر کو عجیب بیماری ہو گئی ہے۔ رات کو سوتے وقت اتنی زور زور سے خراٹے لیتے ہیں کہ میری آنکھ کھل جاتی ہے اور جب میں جاگ جاتی ہوں تو پھر یہ زور زور سے بڑبڑانے لگتے ہیں۔ یہ سن کر ڈاکٹر نے کہا کہ خاتون آپ بے فکر ہو جائیں میں نے دوا لکھ دی ہے انہیں کھلائیں دو چار دن میں ان کی دونوں بیماریاں دو ہو جائیں گی۔ یہ سن کر خاتون بولیں نہیں نہیں ڈاکٹر صاحب آپ علاج صرف ان کی خراٹوں کا کریں، بڑبڑانے والی عادت رہنے دیں۔ ڈاکٹر نے پوچھا آخر کیوں۔ خاتون بولیں اسی سے تو مجھے پتہ چلا ہے کہ یہ دن بھر کہاں کہاں گئے اور کس کس سے کیا کیا باتیں کیں۔

ایک شوہر اکثر اپنی بیگم سے کہتے نہیں تھکتے تھے کہ بیگم اگر تمہاری شادی مجھ سے نہیں ہوتی تو کیا ہوتا۔ بیگم ان کی کہی سنی ان سنی کر دیتی تھیں۔ ایک دن وہ کافی تپی ہوئی بیٹھی تھیں۔ شوہر نے وہی راگ الاپنا شروع کر دیا کہ بیگم اگر تمہاری شادی مجھ سے نہیں ہوتی تو کیا ہوتا۔ بیگم تپی ہوئی تو تھیں بولیں میری قسمت پھوٹنے سے بچ جاتی۔

ایک بیگم اپنے شوہر سے اکثر یہ کہتی تھیں کہ آپ کی اور ہماری انڈر اسٹینڈنگ کہیں اور کسی جگہ نہیں ہے جیسے کہ آپ کو نمکین چیزیں کھانا پسند ہیں، میں میٹھی چیزیں پسند کرتی ہوں۔ آپ ساحل سمندر پر جانا پسند کرتے ہیں جبکہ میں پہاڑی علاقے پسند کرتی ہوں۔ یہ سن کر شوہر بولے میں ایک بات سے یہ ثابت کر سکتا ہوں کہ ہماری تمہاری انڈر اسٹینڈنگ ہے۔ بیگم بولیں اچھا کریں ثابت۔ شوہر بولے فرض کرو کہ تمہاری ایک پیاری سی سہیلی نیو یارک میں رہتی ہیں جن کا ایک بیڈ روم اپارٹمنٹ ہے۔ ہم دونوں ان کے یہاں مہمان گئے ہیں۔ اب رات ہو گئی ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ تم کہاں سونا پسند کرو گی۔ بیگم بولیں ظاہر ہے اپنی سہیلی کے ساتھ۔ شوہر بولے اور میں بھی۔ دیکھو اس بات سے یہ ثابت ہو گیا کہ میرے اور تمہارے سوچنے کا انداز بالکل ایک ہے۔

ایک صاحب کی بیگم ساری زندگی ان سے لڑتی رہیں۔ ایک دن ان کا انتقال ہو گیا تو بڑے

میاں نے شکر یہ ادا کیا کہ چلو جوانی میں نہیں تو بڑھاپے میں جان تو چھوٹی۔ چند دنوں تک سکون کا سانس تو لے سکیں گے۔ جنازہ لے کر قبرستان کی طرف جا رہے تھے کہ راستے میں ایک الیکٹرک کا کھمبا تھا۔ جنازہ اس سے ٹکرایا اور گر پڑا خاتون زندہ ہو گئیں۔ مجبوراً گھر لے کر آنا پڑا۔ کچھ مہینوں کے بعد خاتون کا پھر انتقال ہو گیا۔ لوگ جنازہ لے کر قبرستان جا رہے تھے اور راستے میں جب وہ کہتے تھے کہ کلمۂ شہادت، تو بڑے میاں کہتے تھے ''کھمبا بچا کے''۔

ایک صاحب کی بیگم کا جب انتقال ہو گیا تو جس طرح بہت سارے لوگ ان سے تعزیت کرنے آئے ان کی ایک بہت ہی پیاری سہیلی بھی آئیں۔ جب سب لوگ چلے گئے تو وہ پیاری سہیلی اپنے مرحوم سہیلی کے شوہر سے بولیں کہ اگر میری سہیلی کی کوئی نشانی آپ مجھے دے دیں تو اسے میں اپنے سینے سے لگا کر رکھوں گی۔ شوہر بولے کہ آپ کی سہیلی کی سب سے بہترین نشانی میں ہوں۔

میرے ایک پیارے دوست ہیں جو ہر وقت ایک شعر دہراتے ہیں۔

قناعت نہ کر صرف دو بیویوں پر
شریعت میں دو بیویاں اور بھی ہیں

......☆......

جو پیار مجھ سے تم کرو
تو پھر کسی سے کیوں ڈرو

یہ سرد آہیں کیوں بھرو
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

مسی ساگا کی آواز گل نواز

آپ کی اپنی محبت کا ہے طالب گل نواز
جس کے بدلے میں وہ دے گا آپ کو بھی فل نواز

ایک صاحب الیکشن میں کھڑے ہوئے تو ان کے مخالفین نے ان کے بارے میں مشہور کر دیا کہ وہ ایک مغرور انسان ہیں۔لوگ بہت پریشان ہوئے کہ ایسے شخص کو کیسے ووٹ دیں گے۔ کچھ دوست ان کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ تمہارے بارے میں کہ خبر پورے شہر میں گرم ہے جس پر وہ صاحب بولے تو پھر مجھے کیا کرنا چاہیے۔ دوستوں نے مشورہ دیا کہ تم لوگوں کے پاس جاؤ اور تقریر کرو اور ان کو بتاؤ کہ تم ایسے نہیں ہو۔ وہ صاحب تیار ہو گئے اور کہا کہ تم لوگ تقریر کا انتظام کرو۔ خیر اب تقریر والے دن ان صاحب نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ''میرے بھائیوں، میری بہنوں اور میرے بزرگو! یہ سراسر الزام ہے مجھ پر کہ میں ایک مغرور انسان ہوں آپ لوگ خود غور کریں کہ اگر میں مغرور انسان ہوتا تو کیا'' تم جیسے ٹکے ٹکے کے لوگوں کو منہ لگاتا......؟

لیکن جناب یہاں تو معاملہ ہی الٹا ہے۔

گل نواز نہ صرف معقول امیدوار ہیں بلکہ معقول انسان بھی ہیں۔ میں گل نواز صاحب سے پہلی بار اس وقت ملا جب میں ''سلام سرزمین پاکستان'' کے نام سے ایک ڈاکومنٹری فلم کی ویڈیو کیسٹ تحفہ دینے گیا اور پھر ایک دلچسپ ملاقات اس وقت ہوئی جب میں ایک اسٹیج شو کر کے باہر آیا جس میں گل نواز صاحب نے خصوصی طور پر شرکت کی تھی۔ گل نواز صاحب سے

تھوڑی دیر میری بات چیت ہوئی۔ میں بہت کم لوگوں سے اتنی جلدی متاثر ہوتا ہوں۔ اگر میں یہ کہوں کہ مجھے وہ بہت ہی معقول آدمی لگے تو بے جا نہ ہوگا۔ سادہ طبیعت کے شریف آدمی ہیں۔ آدمی کا شریف ہونا لازم ہے، نام کے آگے شریف لکھنا لازم نہیں، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے سامنے ہر شخص کسی نہ کسی کی برائی کر رہا تھا لیکن انہوں نے جواب میں کہا کہ یار اگر ایک شخص برا کام کرنے سے باز نہیں آ رہا تو آپ اچھا کام کرنے سے کیوں باز آنا چاہتے ہیں۔ اچھا کام کریں یہ فعل آپ کے ساتھ جائے گا۔ ان فضول لوگوں کی باتیں کر کے آپ اپنا وقت اور انرجی کیوں ضائع کرتے ہیں۔ ہمیں بہت کام کرنا ہے اور اچھا کام کرنا ہے۔ میرے دل کو ان کی یہ بات بہت اچھی لگی۔

مشہور حدیث ہے کہ آنخضرتﷺ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ آپ نے جس شخص کے بارے میں مجھے تاکید کی تھی کہ تم اس کی تعریفیں کیا کرو تو وہ آج بھی لوگوں میں جا کر میری برائی کر رہا تھا۔ جس پر آنخضرتﷺ نے کہا کہ تم پھر بھی اس کی تعریف ہی کیا کرو۔ وہ شخص چلا گیا لیکن کچھ عرصے کے بعد وہ شخص پھر آنخضرتﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ حضورؐ اب معاملہ میری برداشت سے باہر ہو گیا ہے میں اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکتا اس شخص نے پھر میری بے عزتی کی ہے جس پر آنخضرتﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ شخص جہنم میں جانے پر تلا ہوا ہے تو تم اپنی جنت کیوں گنواتے ہو۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے گل یعنی پھول کو مختلف رنگ و بو دیے ہیں اسی طرح گل نواز کو بھی کئی خصوصیات سے نوازا ہے۔ جب ہی تو یہ گل نواز ہیں اور دوسروں کو نوازنے کی صلاحیت رکھتے ہیں میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ شریف آدمی ہیں نام کے نہیں کام کے۔

گل کہوں خوشبو کہوں ساغر کہوں صحرا کہوں
اے سراپا رنگ و بو میں تجھ کو آخر کیا کہوں

گل نواز صاحب کی سادہ طبیعت کا آپ اس بات سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ میں نے جب اس شو کے دوران اپنی ایک ساتھی فنکارہ سے گل نواز صاحب کا تعارف کرواتے ہوئے کہا کہ یہ گل

نواز صاحب ہیں، مسی ساگا ویسٹ سے کھڑے ہوئے ہیں جس پر میری ساتھی فنکارہ نے کہا کہ بھائی آپ کیوں کھڑے ہوئے ہیں ''بیٹھ جائیں'' اس پر اُس سادہ طبیعت انسان ''گل نواز'' نے بیٹھتے ہوئے کہا کہ لیجئے ہم آپ کی خوشی کے لیے بیٹھ جاتے ہیں۔ جو شخص اپنے محبت کرنے والوں کا اس انداز میں خیر مقدم کرے تو اس کے لیے یہی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے نہ صرف اس کے علاقے سے کامیاب کرے بلکہ اس کو صحت کے ساتھ زندگی دے تاکہ وہ دیر تک اپنے لوگوں کی خدمت کرتا رہے۔ آمین۔

گل نواز سے میرا کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ ویسے بھی وہ ایک سیاسی شخصیت بن چکے ہیں اور میں ثقافتی۔ لیکن ایک اچھے انسان کی میں پوری حمایت کروں گا تاکہ اچھے انسان آگے آئیں اور اپنا فرض نبھائیں۔ ایسے حالات میں جو امیگرنٹس یہاں روز مقابلہ کر رہے ہیں میں گل نواز کو امید کی ایک کرن کہوں گا کیونکہ امید پر دنیا قائم ہے۔ گل نواز جیسے لوگ اگر آگے آ کر قیادت سنبھال لیں تو ہم امید کر سکتے ہیں کہ قیامت کے وہ آثار جو ہمارے گرد منڈلا رہے ہیں ختم نہیں ہوئے تو کچھ مدت کے لیے ٹل ضرور جائیں گے چونکہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ جاہلوں کے ہاتھوں میں قیادت ہوگی اور عالم منہ چھپاتے پھریں گے۔

میں مسی ساگا ویسٹ میں رہنے والے تمام ذی شعور لوگوں سے کہوں گا کہ اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے کم از کم ایک بار ضرور سوچ لیں کہ آپ کیا کرنے جا رہے ہیں۔ کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ ہر انسان کے اندر ایک جج چھپا ہوتا ہے اور اس کا فیصلہ صحیح اور اٹل ہوتا ہے۔ آپ چاہیں تو کسی سے مشورہ بھی کر سکتے ہیں۔ بعض اوقات آپ کا اپنا فیصلہ مشورہ دینے والے سے بہتر ہوتا ہے۔ مجھ سے جب کسی نے مشورہ مانگا کسی بات کے لیے تو میں صرف اس سے یہی کہتا ہوں کہ۔

مجھ سے لا حاصل ہے میرے مشوروں کا پوچھنا
تم وہی آخر کرو گے جو تمہارے دل میں ہے

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ آپ سب کو جو مسی ساگا ویسٹ میں رہتے ہیں

بروقت اور صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ آپ کا اور آپ کے بچوں کا مستقبل روشن ہو۔

آمین۔

چلتے چلتے صرف ایک بات:

ہاتھوں میں ہاتھ دو
گل نواز کا ساتھ دو

......☆......

سنو یہ بات غور سے
پسند ہو تم ہر طور سے

نہ کہنا کسی اور سے
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

سوچو ہے کھا کے بلی............

کھا کے سو چوہے یہاں سے حج کو جو بلی گئی
کیا پہنچتی اس جگہ چنگی پہ وہ پکڑی گئی

یہ بات ہم سب بچپن سے سنتے چلے آ رہے ہیں کہ ''سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی'' لیکن کسی نے آج تک یہ بات نہیں بتائی کہ سو چوہے کھانے کے بعد یہ اچانک بلی کے دل میں حج کا خیال کیوں آیا۔ لیکن اس بات سے بخوبی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی بھی برائی حد سے زیادہ کر گزرے تو اس کا ضمیر اسے ملامت ضرور کرتا ہے اور جب وہ اپنے ضمیر کی آواز کو دبانے میں ناکام ہو جاتا ہے تو نیک بننے کی کوشش کرتا ہے اور ایسی حرکتیں کرنا شروع کرتا ہے کہ جس سے اوروں پر یہ تاثر پڑے کہ اس نے برائی کا کام چھوڑ دیا ہے اور اللہ تعالیٰ سے معافی کا طلبگار رہے۔ کاش ایسا ہی ہو۔

کہا جاتا ہے کہ چور چوری سے جائے پر ہیرا پھیری سے نہ جائے۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان کی فطرت نہیں بدلتی چاہے وہ جتنے بھی روپ بدل لے۔ شہر بدل لے یا ملک۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میرے ایک دوست کو اس کے کسی دوست نے اپنے وطن سے خط لکھا تھا کہ:

''عزت اسے ملی جو وطن سے نکل گیا''

تو میرے دوست نے اس کے جواب میں اپنے دوست کو لکھا کہ

''فطرت وہی رہی تری سب کچھ بدل گیا''

جس طرح پیر کی جوتی کو سر پر رکھ لینے سے وہ ٹوپی نہیں بن جاتی اسی طرح سر پر ٹوپی رکھ

لینے سے انسان مسلمان نہیں بن جاتا۔ ٹھیک اسی طرح عالموں کے ساتھ کھڑے ہو کر تصویریں کھنچوا لینے سے انسان عالم نہیں بن جاتا اس کے لیے عمل بہت ضروری ہے۔ چونکہ

''عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی''

میرا ایک بہت ہی اچھا دوست ہے جب اس نے اپنا نیا مکان خریدا تو اس نے تمام دوستوں' رشتہ داروں کو اپنے گھر دعوت دی۔ سپارے پڑھے گئے جو ایک رسم ہے پھر کھانے کے بعد تمام مہمان چلے گئے صرف چند قریبی دوست رہ گئے تو اس نے اپنے مکان کی بیسمنٹ میں ایک محفل سجائی جس میں بہت ہی خاص دوست شامل ہوئے۔ میں بھی دیکھنے گیا کہ تقریب تو ختم ہوگئی ہے اب کیا ہو رہا ہے۔ تو دیکھا کہ تاش کے پتے نکال لیے گئے اور کھیل شروع ہوا۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ کھیل جوئے کی شکل اختیار کر گیا۔ میں نے دل میں سوچا کہ ابھی کچھ دیر پہلے یہاں سپارے پڑھے جار ہے تھے اور اب اسی گھر میں جوا کھیلا جا رہا ہے اب سمجھا کہ ''ہاتھی'' کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور''۔ مجھ سے نہ رہا گیا اپنے دوست کو ایک طرف لے گیا اور پوچھ بیٹھا کہ یہ سب دھندہ تم نے کب سے شروع کیا۔ کہنے لگا کہ:

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا

ارے جب تک کوئی حرکت نہیں کروں گا برکت کیسے ہوگی۔ دیکھا آپ نے میرا دوست کتنا ذہین ہے۔ کیا جواز پیدا کیا ہے اپنے اس عمل کا۔

میں اپنے ملک کے جس محکمے میں ملازمت کرتا تھا وہاں یوں تو میرے بہت سے دوست تھے لیکن ایک دوست ایسا بھی تھا جسے خود سے زیادہ میری فکر رہتی تھی اس بات کا اندازہ تو مجھے تھا لیکن اس حد تک نہیں اس کا یقین مجھے اس دن ہوا کہ جب ایک سال سالانہ ترقی کی لسٹ زونل آفس پہنچی تو میرے اس پیارے دوست نے وہاں فون کر کے سب سے پہلا سوال وہاں کے اسٹاف آفیسر سے کہا کہ پروموشن لسٹ میں فیاض حیدر کا نام ہے کہ نہیں۔ اسٹاف آفیسر نے میرے دوست کی آواز پہچانتے ہوئے پوچھا کہ تم دوسرے کا کیوں معلوم کرنا چاہتے ہو یہ کیوں

نہیں پوچھتے کہ لسٹ میں تمہارا نام ہے کہ نہیں۔ یہ سنتے ہی میرے اس دوست نے فون بند کر دیا۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ اسے اپنی پروموشن سے زیادہ میری فکر تھی کہ اگر اس کا پروموشن نہ ہوا تو خیر ہے کہیں میرا نہ ہو جائے۔ بعض لوگوں کو دوسروں کی فکر سونے نہیں دیتی۔ خود بھی اذیت میں رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی پریشان کرتے ہیں۔ (اللہ معافی)

ٹھیک ویسا ہی ایک مخلص دوست میرا اس شہر میں بھی ہے۔ اسکو بھی خود سے زیادہ میری فکر رہتی ہے کتنا خوش نصیب ہوں میں کسی کو تو خیال ہے میرا۔ میں کہاں کہاں جاتا ہوں۔ کیا بات کرتا ہوں۔ کہاں کہاں شوز کرتا ہوں' کتنے پیسے کماتا ہوں' کتنے خرچ کر دیتا ہوں' یہاں تک کہ کتنے خیرات کرتا ہوں سب خبر رکھتا ہے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ قاضی جی دبلے کیوں ہیں۔ یقیناً شہر کے اندیشے سے۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ دوسروں کے بارے میں انفارمیشن جمع کرنا اور اپنے بارے میں کچھ نہ بتانا۔ گویا کہ آپ کو فون کر کے یا ملاقات کر کے آپ سے دنیا بھر کی انفارمیشن لے لیں گے اور جب آپ ان سے کسی بارے میں معلومات کرنا چاہیں تو فوراً کسی کام کا بہانہ بنا کر آپ سے اجازت چاہیں گے اور پھر ملنے کا وعدہ کر جائیں گے آپ سے۔ مزید انفارمیشن لینے کی غرض سے۔ ایسے لوگوں کو میں ICA کہہ کر پکارتا ہوں گویا .Info Collecting Agent۔ انفارمیشن کالکٹنگ ایجنٹ۔ ایسے لوگوں کو آپ ایڈیشنل انفارمیشن دے دیں بہت خوش ہوں گے۔ مثلاً اگر ایسے افراد نے اپ سے کسی کے بارے میں کوئی معلومات حاصل کرنی چاہی تو ایڈوانس میں انہیں بتا دیں کہ آئندہ کیا کچھ ہو سکتا ہے۔ پھر ان کی خوشی کا اندازہ لگائیں۔ (اللہ اکبر)

ایک صاحب ہیں میرے بہت اچھے دوست بھی ایک دن پہلے سے طے کر لیتے ہیں کہ آئندہ کل کتنا جھوٹ بولنا ہے۔ کتنے لوگوں کو بے وقوف بنانا ہے۔ کتنے پیسے اینٹھنے ہیں کتنے لوگوں کو دھوکہ دینا ہے۔ بہت ہی آرگنائزڈ قسم کے چیٹر ہیں۔ غیبت کرنا تو ان کے بائیں ہاتھ کا کام ہے۔ ہر ایک کو نیچا دکھانا ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ ہر کام جو انہوں نے کیا وہ درست ہے باقی جس جس نے جو جو کام کیا ہے غلط کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ دوسرے کی عورت اور دوسرے کی دولت پر

نظر نہیں رکھنی چاہیئے لیکن میرا یہ دوست یہی کام رج رج کر کرتا ہے۔ لیکن جب سے یہاں نئے امیگرنٹس آنے شروع ہوئے ہیں تو اس کے کام میں اب مندی کا رجحان پایا جاتا ہے چونکہ پہلے یہ یہاں اندھوں میں کانا راجہ تھا اب چونکہ آنکھ والے ہوش والے ذہن والے اور پیسے والے بوری بھر بھر آ گئے ہیں اس لیے یہ تلملا تا پھرتا ہے۔ باؤلا ہو گیا ہے۔ سنا ہے کہ باؤلا کاٹ لے تو انجیکشن لینا پڑتا ہے۔ اللہ میرے دشمنوں کو بھی اس کے سائے سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ اور نئے آنے والوں کو ان کا مقام دلائے۔ ثم آمین۔

آخر میں اپنے ایک اور دوست کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو شکار ہی نئے امیگرنٹس کا کرتا ہے۔ چونکہ پرانے یہاں کے رہنے والے اسے بخوبی جانتے ہیں وہ تو اس محلے سے بھی نہیں گزرتے کہ جہاں وہ رہتا ہے۔ میری تو خیر اس سے دوستی ہے۔ میری بات اور ہے۔ میرے اس دوست کا پورا ایک نیٹ ورک ہے جو ہر نئے آنے والوں کے بارے میں معلومات اکٹھا کرتا ہے۔ کون لوگ ہیں۔ کہاں سے آئے ہیں، کتنے فیملی ممبر ہیں، کس ہوٹل میں ٹھہرے ہیں، کتنے پیسے لے کر آئے ہیں۔ میرا یہ دوست اپنے کمپیوٹر پر بیٹھ کر اپنے مخصوص پروگرامنگ کے ذریعہ ڈیٹا تیار کرتا ہے کہ اس شخص کے پیسوں کو کس طرح یوٹلائز کرنا ہے۔ پھر ایک دوسری ''چین'' کے ذریعہ وہ اس شخص سے ملتا ہے اور پھر اس کا شکار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر نئے آنے والوں کو میرے اس دوست کے ناپاک عزائم سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

......☆......

انٹر+ویو=انٹرویو

کہہ رہا تھا اک صحافی پہنچا جب آرٹسٹ کے گھر
پہلے ہونے دو مجھے ''انٹر'' تو پھر لوں گا میں ''ویو''

صاحب ایک زمانہ تھا کہ بڑے بڑے اور نامور لوگوں کی انٹرویوز اخبارات میں چھپتے تھے، ریڈیو پر سنائے اور ٹیلی ویژن پر دکھائے جاتے تھے۔ پھر زمانہ بہت تیزی سے بدل گیا۔ اب ان لوگوں کی باتوں کو کوئی نہیں سنتا جس کو کہ سن کر ہم آج بھی اپنی اصلاح کر سکتے تھے یا پھر اپنی معلومات میں اضافہ۔ لیکن ہمارے نصیب ایسے کہاں۔ اب رفتہ رفتہ وہ لوگ بھی اس دنیا سے کوچ کرتے جا رہے ہیں۔ کچھ دنوں بعد نہ وہ لوگ ہوں انٹرویو دینے کے والے اور نا ہی وہ لوگ ہوں گے ان سے انٹرویو لینے والے۔ انٹرویو لینا یا انٹرویو کرنا بھی ایک فن ہے۔

جس شخصیت کا انٹرویو کرنا مقصود ہوتا ہے اس شخص کے بارے میں اور اس کے پیشے سے متعلق انٹرویو کرنے والے کو اچھی خاصی معلومات ہونی چاہیے تاکہ وہ اس انٹرویو کو دلچسپ اور معلوماتی بنا سکے۔ اور انٹرویو دینے والا بھی Comfortable محسوس کرے۔ لیکن ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ آج کے دور میں ہر وہ شخص جس کے ہاتھ ایک ''مائیک'' لگ گیا ہو انٹرویو کرنے یا انٹرویو لینے کھڑا ہو جاتا ہے بھلے اسے مائیک پکڑنا تو دور کی بات اسے ''آن'' یا ''آف'' تک کرنا بھی نہ آتا ہو۔

میرا ایک دوست ہے جس کا نہ تو کوئی اخبار ہے نہ کسی اخبار کا کالم نگار ہے، نہ کسی ریڈیو سے منسلک ہے اور نہ ہی اس کا کوئی ٹیلی ویژن پروگرام ہے پھر بھی مختلف مقامات پر مختلف لوگوں کے

انٹرویو کرتا پھرتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کسی اور ملک کے کسی مخصوص اخبار کے لئے کام کرتا ہو جس کا مجھے علم نہیں۔

انگریزی میں کہتے ہیں کہ Give Respect

Take Respect

اس کا اردو میں ترجمہ میرے دوست نے کچھ اس طرح کیا کہ ''عزت دؤ'' تو ''عزت لؤ'' یعنی اگر آپ کو عزت چاہیے تو عزت دیجئے۔ حالانکہ اس کا ترجمہ یوں ہونا چاہیے تھا کہ عزت پانے کے لیے عزت کیجئے۔ اور وضاحت کریں تو یوں ہوگا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی عزت ہو تو آپ دوسروں کی عزت کریں۔ لیکن میرا یہ دوست کہتا ہے کہ کچھ لینے کے لیے کچھ دینا پڑتا ہے۔ تو کیا عزت پانے کے لئے عزت گنوانا ضروری ہے......؟

انٹرویو کی بھی بڑی قسمیں ہوتی ہیں ان میں سے چند کا ذکر کرتے ہیں۔ ایک انٹرویو تو وہ ہوتا ہے جو کسی نامور شخصیت کا لیا جاتا ہے۔ دوسری قسم وہ ہوتی ہے جب کوئی شخص ملازمت کے لیے انٹرویو دیتا ہے۔ پھر تیسری قسم وہ ہوتی ہے جب کوئی شخص کوئی طالب علم کسی تدریسی دارے میں اپنے داخلے کے سلسلے میں پیش ہوتا ہے۔ ہمارے ملکوں میں شادی کے لئے رضامند ''لڑکے'' کا انٹرویو اس کے ''سسر'' کے ساتھ، کام پر آنے والی ملازمہ کا انٹرویو گھر کی مالکن کے ساتھ اور اب ایک نئے طریقے کا انٹرویو جو بہت شہرت پا رہا ہے وہ ہے گمنام لوگوں کے انٹرویوز۔ انٹرویو لینے والے کے ساتھ جس شخص کو کوئی نہیں جانتا بس ایک انٹرویو کے ذریعہ شہرت حاصل کرنی ہے تو میرے دوست سے رابطہ کرے اور شہرت حاصل کرلے لیکن ہاں قیمت ادا کرنے کو تیار رہے۔ اب قیمت کچھ بھی ہوسکتی ہے (جان، مال، عزت، آبرو) ارے بھئی ''بدنام جو ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا''۔

ایک ہونے والے ''سسر'' نے اپنے ''داماد'' سے ''انٹرویو'' کے دوران پوچھا کہ "Do you Drink" تو ہونے والے داماد نے کچھ سوچ کر جواب دیا کہ:

If it is an invitation then "yes"

اور If it is an enquiry then "No"

ایک فلمی کامیڈین سے انٹرویو کے دوران پوچھا گیا کہ فلم کی طرف آپ کی کوئی اولاد نہیں آئی تو انہوں نے مسکرا کر جواب دیا کہ جی ہاں فلم کی طرف سے ہماری کوئی اولاد نہیں۔

ایک انٹرویو کے دوران انٹرویو لینے والے نے ملازمت کے خواہشمند امیدوار سے پوچھا کہ اگر آج بھی تمہیں ملازمت ناکامی ہوئی تو تم کیا کرو گے۔ نوجوان نے جوب دیا کہ پھر کسی سمجھدار انٹرویو لینے والے کی تلاش۔

فلم کی ہیروئن کے لئے آڈیشن کے دوران انٹرویو میں ایک خاتون ڈائریکٹر سے الجھ پڑیں کہ آپ مجھے ہیروئن کے لیے کیوں نہیں بک کررہے ہیں۔ تو اس پر ڈائریکٹر نے جو پہلے سے جلے بھنے تھے خاتون سے کہنے لگے کہ ارے تمہارا تو ''تلفّظ'' ہی درست نہیں ہے تم کیا ہیروئن بنو گی۔

ایک مشہور شکاری سے ٹیلی ویژن پر انٹرویو کے دوران پوچھا گیا کہ فرض کریں آپ کسی جنگل میں کھڑے ہیں۔ آپ کے ہاتھ میں نہ کوئی بندوق ہے نہ کوئی پستول، نہ کوئی تلوار ہے، نہ کوئی بھالا اور آپ کے سامنے اچانک ایک شیر آجاتا ہے، آپ کیا کریں گے۔ مشہور شکاری نے ذرا سوچ کر سوال دہرایا کہ میں جنگل میں کھڑا ہوں، میرے ہاتھ میں نہ کوئی بندوق ہے، نہ کوئی پستول، نہ کوئی تلوار ہے، نہ کوئی بھالا ہے اور میرے سامنے شیر آجاتا ہے تو میں کیا کروں گا۔ ارے صاحب ایسی صورت حال میں میں نے کیا کرنا ہے، اب تو جو کچھ بھی کرنا ہے وہ شیر نے ہی کرنا ہے۔

ایک انٹرویو لینے والے نے ملازمت کے لیے آنے والے امیدواروں کو انٹرویو میں ناکامی کی اطلاع دیتے ہوئے پوچھا کہ اگر میری جگہ تمہارا انٹرویو کوئی اور لیتا تو کیا صورت حال ہوتی۔ امیدوار نے مسکرا کر جواب دیا میں ''سلیکٹ'' ہو جاتا۔ اس پر انٹرویو لینے والے نے پوچھا کہ وہ کس طرح۔ امیدوار نے کہا کہ ارے صاحب پڑھے لکھے کو پڑھا لکھا ہی پسند کرتا ہے نا......!

ایک فلمی کامیڈین سے انٹرویو کے دوران پوچھا گیا کہ آج کل جو ہماری فلموں میں

عریانیت کا رجحان بڑھ رہا ہے اس بارے مس آپ کی کیا رائے ہے۔ کامیڈین نے برجستہ جواب دیا کہ اچھی چیز ہے ہونی چاہیے، لیکن تہذیب کے دائرے میں۔ انٹرویو لینے والے نے پھر پوچھا کہ جناب عریانیت اور تہذیب کے دائرے میں کیسے ممکن ہے۔ کامیڈین نے جواب دیا کہ بھائی آپ واش روم جاتے ہیں،''ہاں جاتے ہیں'' اندر عریانیت ہی عریانیت ہوتی ہے،''ہاں ہوتی ہے''، دروازہ بند کرلیا جائے تہذیب کے دائرے میں ہوگئی......

ایک خاتون صحافی نے ایک فنکار کوفون کر کے انٹرویو کے لئے وقت معلوم کرنا چاہاہ تو فنکار نے جواب دیا کہ آپ جب چاہیں انٹرویو کے لئے آسکتی ہیں۔ بس اتنا معلوم کر لیجئے گا کہ اس وقت میری بیگم گھر پر موجود نہ ہوں۔

ایک انٹرویو کے دوران انٹرویو لینے والے نے ملازمت کے لئے آنے والے امیدوار سے پوچھا کہ اگر تم نے میرے ایک سوال کا جواب ٹھیک دے دیا تو میں تمہیں ملازمت پر رکھ لوں گا۔ امیدوار جو بڑا پراعتماد تھا کہنے لگا کہ سوال پوچھئیے۔ انٹرویو لینے والے نے کہا کہ کیا تم یہ بتا سکتے ہو کہ کینیڈین پولیس اور میری بیوی میں کیا چیز مشترک ہے۔ امیدوار فوراً جواب دیا ''تفتیش کی عادت'' جواب درست ہوا اور ملازمت مل گئی۔

ایک صحافی نے ایک خاتون آرٹسٹ کو اس کے گھر فون کر کے اس سے انٹرویو کے لئے وقت طے کرنا چاہا تو خاتون آرٹسٹ نے جواب دیا کہ آپ جب چاہیں انٹرویو کے لیے آسکتے ہیں۔ بس اتنا خیال رکھیئے گا کہ آپ اکیلے آئیں۔

یہ جو سیلی سیلی آندی اے ہوا
کدے کوئی روندا ہوئے گا

......☆......

سچا شاعر سچا دوست

سب کو لگے ہے اچھا گر دودھ ملائی قلفی
مجھ کو لگے ہے اچھا تسلیم الٰہی زلفی

کہتے ہیں کہ دوست نہیں ہوتا ہر ہاتھ ملانے والا۔ بات بھی درست ہے چونکہ دوست کا بہی خواہ ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص آپ کی بھلائی نہیں چاہتا ہوتو وہ آپ کا دوست کیسے ہوسکتا ہے۔ مجھے اپنے والد صاحب کی ایک بات یاد آ گئی۔ ہوا یوں کہ ایک دن میں ان سے یہ کہہ کر گھر سے باہر جانے لگا کہ میں اپنے ایک دوست کے پاس جا رہا ہوں تو والد صاحب نے مجھے روک کر دوست کا مفہوم سمجھایا اور پھر پوچھا کہ اب بتاؤ کہ کہاں جا رہے ہو۔ میں نے کچھ سوچ کر جواب دیا ''اپنے کلاس میٹ کے پاس''۔ وہ دن ہے اور آج کا دن ہے میں دوست بنانے میں بڑا محتاط رہتا ہوں۔ صرف یہ کہہ کر جان چھڑا لیتا ہوں کہ میرے واقف کار ہیں یا پھر شناسا۔ دوست سمجھنا تو دور کی بات ہے دوست کہنے سے بھی گھبراتا ہوں۔

مشہور واقعہ ہے کہ دو دوست ایک جنگل سے گزر رہے تھے کہ اچانک ایک ریچھ سامنے سے آتا ہوا دکھائی دیا جو چالاک دوست تھا وہ فوراً ایک قریب کے درخت پر چڑھ گیا۔ دوسرے کے بات کچھ سمجھ میں نہ آئی وہ زمین پر گر پڑا اور سانس روک لیا۔ جب ریچھ اس کے قریب آیا تو سونگھ کر یہ سمجھا کہ یہ مردار ہے اور آگے نکل گیا۔ ریچھ کے جانے کے بعد چالاک دوست درخت سے اتر کر زمین پر لیٹے ہوئے اپنے دوست کے پاس آ کر پوچھا کہ ریچھ نے تمہارے کان میں کیا کہا۔ دوست نے جواب دیا کہ ریچھ نے کہا کہ تمہارا جو دوست درخت پر چڑھ گیا ہے اس پر کبھی بھروسہ نہ کرنا۔

آپ نے لوگوں کو کہتے سنا ہوگا کہ دوست ہی برے وقت میں دوست کے کام آتا ہے۔

بالکل درست ہے لیکن وہ دوست ہوں جب نا......! پھر بزرگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ نادان دوست سے بہتر ہے ''دانا دشمن''۔ کم از کم آپ اپنے بے وقوف دوست کی بے وقوفیوں کی وجہ سے نقصان اٹھانے سے بچے رہتے ہیں۔ایک صاحب نے اپنے ایک دوست کا نام لے کر کہا کہ وہ میرا بڑا اچھا دوست ہے تو ساتھ بیٹھے ہوئے ایک شخص نے جو اس شخص کا واقف کار تھا کہنے لگا کہ اگر وہ تمہارا دوست ہے تو پھر تمہیں کسی دشمن کی ضرورت نہیں۔نقصان جب آپ کو کسی ایسے شخص سے پہنچے جسے آپ دوست کہتے ہیں یا سمجھتے ہیں تو تکلیف بھی کچھ زیادہ ہوتی ہے۔کاش لوگ ان باتوں کو سمجھ سکتے۔ایک دوست اپنا سب کچھ اپنے ایک دوست کے حوالے کر کے کسی خاص مقصد کے لیے پردیس گیا۔جب واپس آیا تو دوست کے تیور بدلے ہوئے دیکھ کر پریشان ہوگیا۔اس بدنیت دوست نے اس کی ساری چیزیں ہڑپ کر لیں ۔

دوست دوست نہ رہا، پیار پیار نہ رہا
زندگی ہمیں تیرا اعتبار نہ رہا

لیکن کچھ دوست ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنا تن من دھن سب اپنے دوست پر قربان کر دیتے ہیں۔اپنے دوست کے لئے وہ چیز پسند کرتے ہیں جو اپنے لئے پسند کرتے ہیں۔انہیں ہم دنیا کے خوش نصیب لوگوں میں شمار کرتے ہیں۔ایسے دوست جنم جنم ساتھ رہتے ہیں اور ساتھ نبھاتے ہیں ۔

یہ دوستی ہم نہیں توڑیں گے
توڑیں گے دم مگر تیرا ساتھ نہ چھوڑیں گے

میں نے زندگی میں اتنے لوگوں سے دھوکے کھائے ہیں اس لئے اب تو سونے پر بھی پیتل کا گمان ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ میں بہت کم لوگوں سے متاثر ہوتا ہوں۔آج میں ایک ایسے شخص کے بارے میں لکھنے بیٹھا ہوں جو خود بہت بڑے لکھاری ہیں اور کسی تعارف کے محتاج نہیں۔جس نے اپنی سادگی،خوش اخلاقی،خوش گفتاری اور ذہانت سے اپنا مقام بنایا ہے۔جسے میں بڑے فخر

سے اپنا دوست کہہ سکتا ہوں چونکہ اب تو مجھے ''دوست'' کا مفہوم بھی پتہ ہے اور اس کی پہچان بھی ہو گئی ہے۔آپ یہ ضرور جاننا چاہیں گے کہ وہ خوش نصیب کون ہے جسے اپنا دوست کہنے کے لئے میں نے اتنی لمبی تمہید باندھی ہے۔جی ہاں وہ ہیں میرے بھائی،میرے دوست ''تسلیم الٰہی زلفی'' اللہ تعالیٰ انہیں صحت کے ساتھ زندگی دے تاکہ وہ ایک عرصے تک ہمارے درمیان رہتے ہوئے اس کمیونٹی کی خدمت انجام دیتے رہیں۔آمین۔

زلفی بھائی سے میری پہلی ملاقات فلم ''لاڈلا'' کے سیٹ پر ہوئی تھی۔اس فلم کا ''تھیم سونگ'' انہوں نے ہی لکھا تھا۔ان کی قابلیت کا میں قائل ہوگیا تھا کہ جب فلم کی کہانی ہم سب کو ایک ساتھ سنائی گئی اور اس کی مناسبت سے انہوں نے گانے کے بول لکھے تھے۔گانے کے بول انہوں نے کب لکھے تھے یہ تو مجھے نہیں معلوم لیکن جب شوٹنگ مکمل ہوئی اور فلم ریلیز ہوئی تو گلوکار امتیاز احمد کے گائے ہوئے اس بول کو سب نے ہی پسند کیا۔فلم میں وہ گانا مجھ پر ہی پکچرائز ہوا تھا۔

کیا ملا ہے مجھے زمانے سے
سوچتا ہوں تو ٹوٹ جاتا ہوں
میں زمانے سے روٹھ جاتا ہوں
کیا ملا مجھے زمانے سے

اس فلم کے ڈائریکٹر اور ہیرو مسعود خان نے اسے بڑی خوبصورتی سے فلمایا تھا۔گانے کے چند بول مسعود خان پر بھی پکچرائز ہوئے تھے جو انہوں نے بڑی خوبصورتی سے ادا کئے تھے جس کے لئے وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔

تسلیم الٰہی زلفی بھائی کا تعلق پاکستان سے ہے اور وہ اس بات پر فخر بھی کرتے ہیں گرچہ ان کی پیدائش آگرہ ہندوستان کی ہے۔انگریزی ادب اور سوشیالوجی میں ماسٹرز کی ڈگری ہے گویا ڈبل ایم اے ہیں۔انہیں اردو کے علاوہ انگریزی' عربی اور فارسی زبان پر مکمل عبور ہے۔انہوں نے Aircraft GSE Maintence, Texas, USA سے ڈپلومہ حاصل کیا ہے۔اور پھر سعودی عربیئن ایئر لائنز میں ٹیکنیکل کوآرڈینیٹر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ان کے کئی

شعری اور نثری مجموعے چھپ چکے ہیں جن میں، شہرافکار دستاویز، تنہا پرندے کی اڑان، سخنور، بہت اچھے، آگرہ سے نیاگرا، سات سمندر پار، ابابیلیں نہیں آئیں شامل ہیں۔ تسلیم الٰہی زلفی بھائی کو وقتاً فوقتاً بے شمار اعزازات اور ایوارڈز سے بھی نوازا گیا جس کے وہ واقعی مستحق تھے۔ مثلاً بہترین شاعر بین الجامعات پاکستان کراچی۔ ۱۹۶۸ء میں بہترین کمپیئر یونیورسٹی میگزین پروگرام ریڈیو پاکستان، ۱۹۶۸ء میں بین الاقوامی ممتاز شاعر عالمی اردو کانفرنس نئی دہلی، ۱۹۸۴ء میں عریبئن ایئر لائنز جدہ ایئرپورٹ، ۱۹۸۹ء میں اعلیٰ ادبی تخلیقی پارلیمنٹ صلاحیت کی اعترافی سند اور تمغۂ حکومت انٹاریو بمقام پارلیمنٹ ہاؤس آٹوا، کینیڈا، ۱۹۸۴ء میں NASA کے رکن ہیں جو کہ اجرام فلکی کا ادارہ ہے۔ کیلیفورنیا یو ایس اے میں۔ شاہ فیصل سعودی عربیہ کی جانب سے ان کا پورٹریٹ بنانے پر سند اور انعام ۱۹۶۵ء میں حاصل کیا۔

آج کل SSTV سر ساگر ٹی وی پر اردو پروگرام کے ڈائریکٹر اور پروڈیوسر ہیں۔ ایک ٹی وی شو کے ہوسٹ ہیں اور خبروں پر تبصرہ بھی پیش کرتے ہیں۔ تسلیم الٰہی زلفی کی صلاحیت پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔ ان کی سادہ طبیعت اور مثبت رویے کی اس سے زیادہ اچھی مثال کیا ہوسکتی ہے کہ پچھلے برس جب میں یوم آزادی کے موقع پر ''سلام سرزمین پاکستان'' کے نام سے ایک ڈاکو منٹری فلم بنا رہا تھا جس میں پردیس میں مقیم پاکستانیوں کے جذبات ۱۴ اگست کے دن کیا ہوتے ہیں ریکارڈ ہیں۔ مجھے ایک اقتباس کی ضرورت تھی جو کہ نچوڑ ہو سب کے جذبات کا۔ ایسے موقع پر یہی تسلیم الٰہی زلفی مجھے یاد آئے اور کام آئے۔ انہوں نے مختصر الفاظ میں پوری کہانی فون پر مجھے لکھائی اور وہی میرے اس ڈاکومنٹری فلم کے ابتدائی اور اختتامی جملے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اگر گڑ نہ دو تو گڑ جیسی بات تو کرو، لیکن تسلیم الٰہی زلفی بھائی نے تو حد کر دی۔ گڑ بھی دیا اور گڑ جیسی بات بھی کی۔ انہیں دیکھ کر اور ان سے مل کر یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ابھی اپنے بندوں سے مایوس نہیں ہوا ہے۔ زلفی بھائی میں ایک اور بات میں نے نوٹ کی ہے اس کا ذکر بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ یہ کہ اپنے کمٹمنٹ کے بڑے پابند ہیں۔ زلفی بھائی بڑے جوہر شناس واقع ہوئے ہیں۔ اگر انہیں یہ پتہ چل جائے کہ کسی شخص میں ذرا بھی ٹیلنٹ ہے تو اس کی تراش خراش میں لگ جاتے

ہیں۔ اور اسے اس کا مقام دلا کر ہی گھر لوٹتے ہیں۔ اس کی بھی زندہ مثال دوں۔ زلفی بھائی نے اپنے ٹی وی پروگرام ''مہمان'' میں مجھے تین بار مختلف آرٹسٹوں کے ساتھ شرکت کی دعوت دی۔ میرے فن کو پرکھا اور اپنے پروگرام کے ذریعہ لوگوں تک پہنچایا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میرا حوصلہ بڑھا اور پھر وہ دن بھی جلد ہی آیا کہ میں نے اسی چینل سے اپنا علیحدہ مزاحیہ پروگرام ''مذاق ہی مذاق میں'' پیش کرنا شروع کر دیا۔ چونکہ اس پروگرام کا میں پروڈیوسر اور میزبان دونوں ہوں اس لئے مجھ پر ذمہ داری بھی دوگنی ہوگئی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ جب میرا پہلا پروگرام ''آن ائیر'' ہوا تھا تو پروگرام کے ختم ہوتے ہی زلفی بھائی کا فون آیا انہوں نے مجھے پہلا اور بہترین پروگرام پیش کرنے پر مبارک باد دی اور پھر یہ بھی کہا کہ پروگرام دیکھا بہت اچھا تھا کہیں سے بھی یہ نہیں لگ رہا تھا کہ یہ پہلا پروگرام ہے۔ ان کے ان الفاظ نے مجھے بہت حوصلہ دیا اور یہی وجہ ہے کہ میں پروگرام ''مذاق ہی مذاق میں'' دلچسپی لینے لگا۔ آج یہ پروگرام بہت مقبول ہے۔ پچھلے ہفتے اس پروگرام کا تینتیس واں (۳۳ واں) ایپی سوڈ دکھایا گیا۔

زلفی بھائی نہ صرف ایک اچھے شاعر ہیں بلکہ ایک اچھے انسان بھی ہیں۔ جو لوگ ان سے مل چکے ہیں وہ میری باتوں سے کریں گے اتفاق۔ اور جو لوگ ان سے نہیں مل پائے ہیں انہیں ہوگا ان سے ملنے کا اشتیاق۔ آپ ایک بہت اچھے اور خلیق انسان سے ضرور ملیں اگر میں یہ کہوں کہ تسلیم الٰہی زلفی اپنے اندر ایک یونیورسٹی ہیں تو یہ بے جا نہ ہوگا۔ آخر میں زلفی بھائی کے چند اشعار آپ کی نظر ہے

سزا قبول نہیں لشکری عدالت کی
ابھی صفائی میں میرا بیاں باقی ہے
سپاہیوں سے کہو، تیر دیکھ کر برسائیں
کہ اس نگر میں میرا خاندان باقی ہے

......☆......

چلے گئے وہ رات کو
سمجھ سکے نہ بات کو

رُلایا میری ذات کو
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

گندی مچھلی اور تالاب

گندی مچھلی کرتی ہے تالاب کو گندا سدا
جس سے کاروبار مچھلی بھی ہوا مندا سدا

ہمیشہ سے سنتے چلے آ رہے ہیں کہ ایک گندی مچھلی پورے تالاب کو گندا کر دیتی ہے۔ظاہر ہے اس سے مچھلی کی تجارت میں ضرور فرق پڑتا ہوگا۔اسی طرح اگر کسی خاندان کا ایک فرد برا نکل جائے تو اس کا اثر پورے خاندان پر کچھ نہ کچھ ضرور پڑتا ہے اور پھر آپ غور کریں تو یہ محسوس کریں گے کہ چند برے لوگ پورے معاشرے کو گندا کر دیتے ہیں۔آپ کسی شعبے میں چلے جائیں گند ضرور موجود ہوگی اس کی وجہ یہ ہے کہ پروفیشنل لوگوں کی جگہ اَن پروفیشنل لوگوں نے لے لی ہے۔

ہر شاخ پہ الّو بیٹھا ہے انجامِ گلستاں کیا ہوگا

میرے ایک دوست ہیں انہوں نے حال ہی میں ایک ماڈلنگ ایجنسی کھولی ہے ایک دن ملے تو کہنے لگے کہ اب جا کر میں نے کوئی ڈھنگ کا کاروبار کیا ہے۔''ہینگ لگے نہ پھٹکری اور رنگ بھی چوکھا آئے''۔میں نے پوچھا کہ وہ کس طرح؟ کہنے لگے یار اخبار میں اور ریڈیو میں اشتہار دے دیتا ہوں کسی دوست کے گھر کے بیسمنٹ میں آڈیشن کرتا ہوں۔ایک دوست کو بلا لیتا ہوں جس کے پاس ویڈیو کیمرہ ہے۔بس لڑکے لڑکیاں جمع ہو جاتے ہیں۔ہر ایک سے ڈیڑھ سو ڈالر لیتا ہوں رجسٹریشن فیس جس نے پورے پیسے دے دیے سمجھو کہ وہ آڈیشن میں پاس اور جس نے نہیں دیے وہ فیل اگر کسی کے پاس اس دن پیسے کم ہوں تو وہ رکھ لیتا ہوں یہ کہہ کر کہ جب دوسری بار آڈیشن کا اعلان کروں تو اس دن آ جانا بقیہ پیسے لے کر۔اس طرح وہ اس دن پاس۔پیسے بھی

کیش لیتا ہوں تا کہ کوئی رسید ہی نہ ہو کسی کے پاس۔ پھر آخر میں سب سے کہہ دیتا ہوں کہ جب بھی ہم کوئی پروجیکٹ شروع کریں گے جس جس گریڈ سے آپ لوگوں نے آڈیشن پاس کیا ہے اسی سیکوئینس سے آپ لوگوں کو بلالیں گے۔ اللہ اللہ خیر سلہ۔ بلاؤں گا تب نا جب کوئی پروجیکٹ شروع کروں گا......! سمجھا کرو''۔

ایک بہت ہی قریبی دوست ہے میرا۔ چند سال پہلے اس نے ایک ٹریول ایجنسی کھولی۔ ہر وقت ایک مصنوعی مسکراہٹ اس کے چہرے پر موجود ہوتی ہے۔ جسے میں زہریلی مسکراہٹ کہتا ہوں۔ جب بھی میں نے اپنے کسی دوست کو اس کے پاس سے ٹکٹ لینے کا مشورہ دیا اور میرے دوست اپنی فیملی کے ساتھ اپنے وطن گئے واپسی پر ہر ایک نے یہی شکایت کی کہ جاتے وقت تو ایئر پورٹ پر کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ واپسی پر سیٹ کنفرم نہیں تھی جبکہ اس ایجنسی والوں نے ٹکٹ پر ''او کے'' کا اسٹیکر لگا دیا تھا۔ اب جب میں اپنے دوست سے اس بات کی شکایت کرتا ہوں تو وہ حسب عادت مسکرا کر یہی کہتا ہے کہ ''ہوتا ہے، ہوتا ہے''۔ اس قسم کے کاموں میں تو ایسا ''ہوتا ہے''۔ اب آپ خود غور کریں کہ لوگوں کی پریشانیوں کا میرے اس دوست کو کتنا احساس ہے۔ ایک دن ملا تو کہنے لگا کہ تم تو ہمیشہ میرے کاموں میں کیڑے نکالتے ہو اور لوگوں کی وکالت کرتے ہیں۔ ان لوگوں سے کیوں نہیں کچھ کہتے جنہوں نے میرے پیسے دینے ہیں۔ جب میں نے تفصیل پوچھی تو کہنے لگا کہ بھائی میں ہر سال ایک مخصوص ''کوٹہ'' ان لوگوں کو ایشو کرتا ہوں جو ہمارے بزنس پروموشن کا حصہ بنتے ہیں۔ یعنی ''ٹریول ناؤ اینڈ پے لیٹر''۔ یعنی کہ ابھی سفر کرلیں اور پیسے بعد میں دے دیں۔ لوگ سفر تو کر لیتے ہیں لیکن جب ان سے پیسے مانگو تو وقت مانگتے ہیں گویا کہ ٹال مٹول سے کام لیتے ہیں تو کیا اسی دن کے لئے ہماری ایجنسی نے انہیں کریڈٹ پر ٹکٹیں دی تھیں۔ مجھ سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو یہ کہہ کر اپنی جان چھڑائی کہ ''جیسی روح ویسے فرشتے''۔

میرے بہت ہی اچھے دوست ہیں۔ ایک ریڈیو پروگرام کرتے ہیں۔ سعودی عرب سے آئے ہیں۔ میری دوستی ان سے چونکہ اسی شہر میں ہوئی ہے اس لئے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا ہے وہ وہاں کیا کام کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ وہاں انجینئر تھے۔ دوسروں کی دیکھا دیکھی ریڈیو پروگرام

کرنے لگے ہیں۔ نہ ریڈیو چل رہا ہے نہ گھر۔ گویا پریشان ہیں۔ جب بھی ملاقات ہوتی ہے بریف کیس لئے کبھی جیراڈ پر تو کبھی مالٹن۔ اسپانسر الگ دھکے کھلواتے ہیں۔ بڑے خلوص سے ہاتھ ملاتے ہیں پھر دومنٹ میں دوسرے ریڈیو پروگرام کی برائی کریں گے۔ کس کس نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا پھر ڈھیر ساری بددعائیں انہیں اور ڈھیر ساری دعائیں مجھے دے کر اجازت چاہیں گے۔

دوستوں کی کمی نہیں غالب ایک ڈھونڈو ہزار ملتے ہیں۔ یا پھر مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ۔ ایک دوست ہے میرا اخبار نکالنا اس کے لئے ''انا'' کا مسئلہ بن گیا ہے۔ چار صفحہ کا اخبار مگر نکالے گا ضرور۔ اس کے اندر بھی دو اخبار ہیں پھر اس کے اندر حکومت سے لئے گئے دو قیمتی اشتہار ہیں۔ اپنا اپنا شوق ہیں۔ کہتے ہیں نا کہ ''شوق دا کوئی مول نئیں''۔ اچھے خاصے اخبارات نکل رہے ہیں ٹورانٹو سے جس کا کام ہے اسے کرنے دیں لیکن نہیں گند ضرور کریں گے۔ قسم جو کھا رکھی ہے۔

ایک اور دوست منی ایکس چینج کے بزنس میں کود پڑے ہیں۔ اچھے خاصے لوگ اس بزنس میں پہلے سے ہی موجود ہیں اور اچھا کام کررہے ہیں۔ لوگوں کو اعتماد میں لے چکے ہیں۔ لوگ ان سے مطمئن بھی ہیں لیکن نہیں یہ پچاس سینٹ فی الوقت زیادہ ریٹ دے کر ان کے کاروبار کو خراب کرنے میں مصروف ہیں۔ اپنے کام کو فروغ دینے سے زیادہ دوسرے کے جمے جمائے کام میں خرابی پیدا کرنے پر زیادہ زور ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے۔ آمین۔

ایک دوست میرے ایسے بھی ہیں جنہوں نے کم از کم دس قسم کا کاروبار کیا۔ ہر جگہ گند کیا۔ کاروبار بیچا اور آگے نکل لئے۔ ایک کاروبار تو انہوں نے ایسا بھی کیا تھا جہاں بچوں کو سگریٹ بھی فراہم کرتے تھے۔ یہ ایک کنوینئنس اسٹور تھا جو ایک اسکول سے قریبی مال میں تھا۔ ہر وقت ان کے اسٹور میں رش لگا رہتا تھا۔ وڈیو گیمز کی تین چار مشینیں لگی تھیں۔ بچے گیم کھیل رہے ہوتے تھے۔ پانچ ڈالر کا ایک پیکج تھا۔ اس میں ایک ''برگر، ایک کوک اور دو سگریٹ'' بعد میں انہوں نے اسے چھ ڈالر کا کردیا تھا۔ فرائز کا اضافہ کرکے۔ آج کل ایک موٹل چلا رہے ہیں۔ سنا ہے کہ بہت خوش ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں خوشیاں دے۔ کاش وہ دوسروں کی خوشیوں کا بھی خیال کرتے اور

دوسروں کے بچوں کو برباد نہ کرتے۔

میرے ایک دوست ابھی ابھی شاعر بنے ہیں۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے اب اپنی نجی شاعری بھی شروع کر دی ہے۔ پہلے تو وہ دوسرے شاعروں کا کلام سنا کر بہت داد وصول کر چکے ہیں لیکن بہت محتاط رہتے ہیں۔ بھارت میں جن شاعروں کا انتقال ہو گیا ہے صرف انہی کی شاعری کو وہ خرید کر اپنا کلام کہتے ہیں۔ ظاہر ہے جب انہوں نے اس کلام کے پیسے دیے ہیں تو پھر اب یہ ان ہی کی ملکیت ہوئی نا۔ یہ تو لوگوں کی عادت ہے بات بنانے کی۔ بے چارے......! آج کل ایک مشاعرہ کروانے کی سوچ رہے ہیں۔ مجھ سے مل کر کہنے لگے کہ سو ٹکٹیں میرے مشاعرے کی تمہیں بکوانی ہوں گی۔ کھانا بھی کھلاؤں گا اور اپنے تازہ کلام بھی سناؤں گا۔ میں نے کہا کہ تم چند شاعروں کو بھی بلا لینا اپنے علاوہ میں لوگوں کو بھی بلا لوں گا۔ لوگ کھانا بھی تمہارا کھا لیں گے لیکن تمہارا کلام سننے سے پہلے کم از کم میں نکل جاؤں گا اور میرے ساتھ کچھ سمجھدار لوگ بھی لیکن ٹکٹ کوئی نہیں خریدے گا بلکہ تمہیں ان کے لانے اور لے جانے کا انتظام کرنا ہوگا اور اگر کوئی پیسے مانگے تو وہ بھی۔ بولو منظور ہے......؟

ایک دوست ہیں شوز کراتے ہیں۔ ان کو اپنے نام کے آگے پروموٹر لکھنے کا بڑا شوق ہے کبھی منہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے آرگنائزر بھی لکھ دیتے ہیں۔ یہ بھولے بھالے لڑکے اور لڑکیوں کو جھانسا دے کر ان سے رقم بٹورنا ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ کبھی ڈرامہ کرنے کے نام پر تو کبھی اسٹیج شوز کرنے کے نام پر شوق کے مارے نادان بچے ان کی باتوں میں آ جاتے ہیں اور اپنے پیسے گنوا بیٹھتے ہیں۔ ان بچوں کو چاہیے کہ ان سے پوچھیں کہ آپ آرٹسٹوں کا سلیکشن کرنے کھڑے ہو گئے ہیں کبھی خود بھی کوئی کام کیا ہے جو آپ اچھے آرٹسٹ اور برے آرٹسٹ کا چناؤ کر رہے ہیں۔

آج کل یہاں ایک وباء پھیلی ہوئی ہے۔ ٹیلی ویژن کے لئے ڈرامے بنانے کا ہر آڑا ترچھا آدمی جس کے ہاتھ ایک کیمرہ لگ گیا تو بس شہر کی بھولی بھالی لڑکیوں کو ہیروئن بنانے کا خواب دکھا کر ان کے ساتھ وقت گزارتا ہے۔ پھر چند لڑکوں کو جمع کر کے کوئی بھی فرضی کہانی کسی سے لکھوا کر یا خود لکھ کر ایک ''پائلٹ'' شوٹ کر لیتا ہے۔ پھر ان بچیوں کو ہمیشہ یہی کہتا ہے کہ پائلٹ کا پی انڈیا

بھیجی ہے۔ جب وہاں سے اپروو ہو جائے گی تو پھر پوری سیریل کی شوٹنگ شروع کر دیں گے۔
اب اس پائلٹ کے بل بوتے پر مزید بھولی بھالی لڑکیوں سے دوستی اور پھر اس کے بعد......!
آخر کب تک ان شوق کے ماروں کا لہو بے دام بکتا رہے گا۔ کوئی تو پرسان حال ہو گا ان کا۔
اللہ تعالیٰ ان بھولی بھالی بچیوں کو عقل دے تا کہ وہ ان ہتھکنڈوں سے محفوظ رہ سکیں۔ آمین۔

مزید یہ کہ ہر تالاب میں جو گندی مچھلی موجود ہے اس سے ہوشیار رہیں۔ کہ جن کا مقصد صرف پیسہ کمانا ہے اس کے سوا کچھ بھی نہیں۔

رام رام جپنا۔ پرایا مال اپنا

......☆......

وہی تو میرا مِیت ہے
لبوں پہ جس کے گیت ہے

یہ ہار نہیں جیت ہے
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

http://www.kitaabghar.com

بلایا ہم نے مان سے
تو آئے تم ہو شان سے

نہ جانا اپنی جان سے
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

اخلاقیات اور ہم

تم بھی کیا اخلاق کی اب بات کرتے ہو میاں
چلنے دو جی جس طرح چلتی ہے دنیا اب یہاں

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں دسویں جماعت میں پڑھتا تھا تو ایک اسکول میں فنکشن کے تقریری مقابلے کا عنوان تھا ''تعلیم سے زیادہ تربیت کی ضرورت ہے یا پھر تربیت سے زیادہ تعلیم کی ضرورت ہے''۔ جن طالب علموں نے تعلیم سے زیادہ تربیت کی ضرورت پر زور دیا انہیں کامیاب قرار دیا گیا اور انعام کا مستحق بھی اس وقت بات اتنی کھل کر سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن آج اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تقریری مقابلہ ہمارے استادوں نے کیوں کروایا تھا۔ صرف انعام دینے کے لئے یا پھر ہمیں سبق پڑھانے کے لیے اگر تعلیم پر صرف توجہ دی اور تربیت ہماری ٹھیک نہیں ہوئی تو اس کا اثر ہماری عملی زندگی پر ضرور پڑے گا اور خاص کر ہمارے اخلاق پر۔ ہم ٹیلی ویژن ڈراموں اور فلموں میں بھی وہی کچھ دیکھنا پسند کرتے ہیں جو ہمارے معاشرے میں ہو رہا ہوتا ہے۔ اخبارات میں بھی ہم وہی کچھ پڑھنا پسند کرتے ہیں جو حقیقت ہو اور جسے ہم روزانہ جھیل رہے ہوتے ہیں ریڈیو اور ٹی وی کی خبروں میں بھی وہی کچھ ہوتا ہے جو ہو رہا ہوتا ہے یا پھر ہو چکا ہوتا ہے۔

کہتے ہیں کہ انسان اپنی غلطیوں سے سیکھتا ہے اگر سیکھنا چاہے تو لیکن ہماری مجبوری یہ ہے کہ ہم سیکھنا ہی تو نہیں چاہتے ہیں۔ جس طرح سرکاری افسروں کو سرکاری پروٹوکول کی تربیت دی جاتی ہے ویسے ہی فیملی کے لوگوں کو فیملی پروٹوکول کی تربیت دینا بہت ضروری ہے۔ مثلاً بڑوں سے کس

طرح بات کرنی چاہیے اور چھوٹوں سے کس طرح ۔ رشتہ داروں اور دوستوں کے علاوہ پڑوسیوں کے کیا حقوق ہیں ان کا کس طرح خیال رکھنا ہے یہ سب ہم سب کو جاننا بہت ضروری ہے۔

پچھلے دنوں ایک تقریب میں میں اپنی بیگم کے ساتھ گیا۔ ابھی گاڑی سے اترا ہی تھا کہ ایک آواز آئی ''فیاض صاحب'' میں نے سنی ان سنی کر دی پھر آواز دہرائی گئ ''فیاض بھائی'' میں نے پھر نظر انداز کر کے اپنے قدموں کو تیز کر دیا اور عین اس جگہ پہنچ گیا جہاں کہ تقریب ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد میرے سیل فون کی گھنٹی بجی جب میں نے فون سننے کے لیے ''ہیلو'' کہا تو فون دوسری طرف سے بند ہو گیا۔ کچھ دیر بعد گھنٹی پھر بجی تو میں نے فون بند کر دیا اور تقریب میں لوگوں سے ملتا ہوا جب میں اپنے ایک واقف کار کے پاس پہنچا تو اس کے ساتھ میرا ایک بہت ہی عزیز دوست بھی کھڑا تھا یہ دونوں اسی تقریب میں ساتھ آئے تھے۔ میرے اسی واقف کار نے مجھ سے شکایت کی کہ میں آپ کو اتنی دیر سے آوازیں دے رہا ہوں لیکن آپ لفٹ ہی نہیں کرا رہے ہیں۔ میں نے جواب میں یہ کہا کہ تمہارے خاندان میں کیا کوئی شخص بھی پڑھا لکھا نہیں تھا جو تمہیں یہ بتا تا کہ جب کوئی شخص کسی بھی خاتون کے ساتھ کہیں جا رہا ہو کسی ہوٹل یا ریسٹورینٹ میں کچھ کھا رہا ہو اور تم اکیلے ہو کوئی خاتون تمہارے ساتھ نہ ہو تو تم اس وقت تک اس شخص سے مخاطب نہ ہو جب تک کہ وہ شخص تم سے مخاطب ہونا پسند نہ کرے۔ یہ سن کر میرا واقف کار شرمندہ ہونے کی بجائے کہنے لگا کہ میرے خاندان میں سب لوگ پڑھے لکھے ہیں سوائے میرے جس پر میں نے کہا کہ اس بات کا تو تم نے ثبوت دے ہی دیا ہے۔ مزید وضاحت کی ضرورت نہیں پھر میں نے اپنے اسی دوست کو مخاطب کر کے کہا کہ تم ہی اسے کچھ سکھاؤ۔ ہے تو ویسے جملے کو ضائع کرنے والی بات لیکن کوشش کرنے میں کیا حرج ہے۔

ہمارے معاشرے میں شریفوں کی کمی نہیں ہے لیکن اگر آپ کسی سے شرافت سے بات کریں گے تو لوگ اس کا مطلب نکالتے ہیں کہ بندہ بڑا کمزور ہے اس پر اپنا دباؤ آزمالو اور یہی وجہ ہے کہ شاطر قسم کے لوگ اپنے ہتھکنڈے استعمال کر کے ان شریف لوگوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس معاشرے میں دستور کچھ اس قسم کا بن گیا ہے کہ جب تک آپ اپنے مخالف کے لیول میں آ کر

بات نہیں کریں گے وہ آپ پر اپنے ہتھکنڈے استعمال کرتا رہے گا۔

ایک صاحب ہیں جو ٹیکسی چلاتے ہیں لیکن سال میں ایک یا دو شوز بھی ضرور کرواتے ہیں۔ اس سلسلے میں ایک بار ان سے ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوا نہایت ہی بے ہودہ انداز میں گفتگو کرتے ہیں جس سے ان کی خاندان کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کسی بات پر تکرار ہو گئی تو اپنی اصلیت دکھا گئے وہ یہ چاہ رہے تھے کہ میں بھی ان سے انہی کے انداز میں گفتگو کروں لیکن میں نے ان سے کہا کہ میں اپنے لیول سے جتنا بھی نیچے آ جاؤں آپ کے لیول کو نہیں پہنچ سکتا چونکہ کچھ دیر بعد ہماری زمین شروع ہو جاتی ہے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ جب بھی کسی کے گھر جاؤ بتا کر جاؤ اس کے گھر میں جب داخل ہو تو اجازت لے کر داخل ہو تین بار دستک دو اگر جواب نہ ملے تو واپس لوٹ جاؤ اور برا نہ مناؤ لیکن آج کل ہم ایسا نہیں کرتے خاص کر گھروں میں داخل ہوتے وقت کہا گیا ہے کہ اگر آپ کسی کے گھر جائیں تو وہیں بیٹھیں جہاں پر کہ میزبان نے آپ کو بٹھایا ہے۔ سارے گھر میں ناچتے نہ پھریں، خاص کر اس کے بیڈ روم میں اس کی اجازت کے بغیر ہرگز نہ جائیں کیا پتہ وہ کس حال میں ہو بہت بے تکلف دوست بھی اگر ہو تب بھی اس کے بیڈ روم میں داخل ہونے سے پہلے دستک کے بعد اجازت لینا بہت ضروری ہے۔ عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگ کسی رشتہ دار یا دوست کے گھر مہمان گئے ہیں تھوڑی دیر بعد ان کے کچن پہنچ گئے اور یہ کہتے ہوئے کہ بھئی کیا کیا پکایا ہے چولہے پر چڑھی دیگچیوں کے ڈھکن پلٹنے شروع کر دیے۔ ضروری نہیں ہے کہ میزبان آپ کے اس عمل کو پسند ہی کرے۔

ایک اور بات اکثر دیکھنے میں آتی ہے کہ اگر لوگ کسی کے گھر مہمان کے حیثیت سے جاتے ہیں اور وہاں میزبان کے گھر کے فون کی گھنٹی بجتی ہے تو مہمان کا کوئی فرد فون اٹینڈ کر لیتا ہے جو کہ قطعی غیر اخلاقی عمل ہے۔ مہمان کو چاہیے کہ یا تو وہ میزبان کی توجہ فون کی طرف مبذول کرا دے یا پھر خاموش بیٹھا رہے۔ آپ نے نوٹ کیا ہوگا کہ لوگ جب بات کرتے ہیں تو دوسرے کی نہیں سنتے بس اپنی کہے چلے جاتے ہیں۔ طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی بات کر رہا ہو تو پہلے اس کی پوری بات سنیں پھر اگر جواب میں کچھ کہنا ہے تو کہیں۔ ہوتا کیا ہے کہ وہ بھی بول رہا ہے اور آپ بھی

بولے جا رہے ہیں نہ اسے آپ کو کوئی بات سمجھ میں آئی اور نہ ہی آپ کو اس کی۔ کہا گیا ہے کہ جب کبھی بھی آپ کسی خاتون کے ساتھ کسی ریسٹورینٹ میں جائیں تو خاتون کے لیے آپ دروازہ کھولیں۔ اسے داخل ہونے دیں پھر آپ داخل ہوں پہلے اسے کرسی پے بیٹھنے کے لیے کہیں پھر آپ بیٹھیں۔ جب کھانے کی باری آئے تو خاتون سے کہیں کہ پہلے آپ شروع کریں نہ کہ خود شروع ہو گئے یہ اخلاقی تقاضے پورے کر کے آپ معاشرے میں اچھی ریت ڈال سکتے ہیں۔

میں اپنے ایک واقف کار کے ساتھ ایک مال میں داخل ہوا ابھی کچھ دور ہی گیا تھا کہ پیچھے سے کسی نے آواز دی ''اوئے'' پھر کچھ لمحے کے بعد آواز آئی ''اوئے'' میرے اس واقف کار نے پلٹ کر دوبارہ پیچھے کی طرف دیکھا تو مجھ سے نہ رہا گیا میں پوچھ بیٹھا کہ تم نے پلٹ کر پیچھے کیوں دیکھا واقف کار کہنے لگا کہ شائد کوئی مجھے ہی نہ پکار رہا ہو۔ جس پر میں نے اس سے پوچھا کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارا کوئی واقف کار یا دوست تمہیں اس لہجے میں پکار سکتا ہے......؟ اس پر میرے اس واقف کار نے خاموش رہ کر اس بات کا ثبوت دیا کہ اس سے غلطی ہو گئی۔ مجھے امید ہے کہ اس دن کے بعد اس سے دوبارہ یہ غلطی نہیں ہوئی ہو گی۔

انسان اپنی غلطیوں سے سیکھتا ہے اور اسے عمر بھر یاد رہتا ہے کہ کس نے میری کب اور کس طرح اصلاح کی۔ یہ کام ہمیں نیکی سمجھ کر کرتے رہنا چاہیے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ جس شخص کا اخلاق اچھا ہو گا تو سمجھ لو کہ وہ انسان بھی یقیناً اچھا ہو گا۔ اور اس کی تربیت بھی اچھے ماحول میں ہوئی ہو گی۔ یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ جو تعلیم یافتہ ہوتے ہیں وہ اخلاق سے گری ہوئی حرکت نہیں کر سکتے ہیں۔ اس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ تعلیم کے ساتھ ساتھ اچھی تربیت کا ہونا بھی ہماری عملی زندگی کے لیے بہت ضروری ہے اور یہی دونوں چیزیں مل کر انسان کو عظیم بناتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایک دوسرے کی عزت کرنے اور اخلاق سے پیش آنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

......☆......

شیخ جی کیا سیّد کیا

میں تے سُنیا سید سوہنے پر شاہ جی تسی تے کالے او
یا تے تسی ڈوم میراثی یا فیراسیاں دے سالے او

یہ بات ہمیں بچپن میں بتائی گئی تھی کہ ہم لوگ جو سید گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں اگر پیڑھی در پیڑھی پیچھے کی طرف جائیں تو سادات گھرانے سے تعلق جڑ جائے گا اور سادات گھرانے کا مطلب ہوتا ہے آنحضرت ﷺ کے گھرانے سے۔ کتنی بڑی سعادت حاصل ہے ان سیدوں کو لیکن کہتے ہیں کہ ۱۹۴۷ میں جب ہجرت کر کے ہندوستان سے پاکستان آئے اور بارڈر کراس کرتے ہی بہت سوں نے اپنے آپ کو سید کہنا شروع کر دیا جو کہ حقیقتاً سید نہیں تھے۔ سوچا کون پوچھے گا کہ وہاں کیا تھے بس آج کی بات کرو، ماضی میں جھانک کر دیکھنے کی کیا ضرورت ہے۔

ہمارے ایک دوست نے تو یہاں کینیڈا پہنچ کر اپنے آپ کو سید کہنا شروع کر دیا۔ اس بات کا علم ہمیں اس وقت ہوا کہ جب میں ان کے گھر فون کیا اور ان کے گھر میں نہ ہونے کی وجہ سے فون میسج پر چلا گیا۔ جو آواز اس طرف سے آئی وہ یہ تھی۔ سید از ناٹ اویل ایبل پلیز لیو میسج۔ میں نے سمجھا کہ شائد فون غلط جگہ مل گیا ہے۔ میسج چھوڑ کر دوبارہ فون نمبر چیک کر کے ڈائل کیا۔ خدا کی قدرت وہی آواز دوبارہ سنائی دی۔ خیر اس وقت تو میں نے میسج چھوڑ دیا تھا اس بار ضرورت محسوس نہیں کی کہ میسج چھوڑا جائے۔ سوچ میں پڑ گیا کہ جو شخص کراچی سے کینیڈا پہنچنے پر اپنی ذات تبدیل کر سکتا ہے وہ دو چار سال میں رہنے کے بعد نا جانے کیا کچھ تبدیل کر لے۔ بس دعا کی اللہ خیر کرے۔

پاکستان فلم انڈسٹری کے ایک مشہور اداکار ہیں سید کمال جن کی شکل بھارتی فلم انڈسٹری کے

ایک مشہور اداکار راج کپور سے بہت ملتی تھی وہ ایک بار حیدرآباد سندھ سے کراچی براستہ ہائی وے جارہے تھے کہ راستے میں رات کے وقت ڈاکوؤں نے ان کی کار لوٹنے کی غرض سے رکوائی۔ گھڑی اتروائی، نقدی چھینی، سونے کی چند چیزیں بھی قبضے میں کرنے کے بعد پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے۔ انہوں نے بڑے دلگیر لہجے میں کہا ''سید کمال'' ڈاکوؤں کے جسم پر جیسے بجلی گر گئی ہو۔ ڈاکوؤں کے سردار نے ان سے دوبارہ پوچھا کہ کیا نام بتایا تم نے۔ پھر بولے ''سید کمال'' اب انہوں نے اپنے شک کو دور کرنے کے لیے ان سے شناختی کارڈ مانگا۔ جب شناختی کارڈ پر نام کی تصدیق ہوگئی۔ تو اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تمام سامان جو ابھی ابھی لوٹا ہے واپس کر دو ہم سیدوں کی بد دعائیں نہیں لے سکتے۔ دیکھا آپ نے کس طرح سیدوں کا احترام کرتے ہیں ڈاکو بھی۔

ہمارے ایک جاننے والے ہیں ان کے بیٹے نے اپنی شادی کے لیے ایک سید خاندان کی لڑکی سے رشتہ طے کیا اور پھر اپنے والدین کو اس بات کی اطلاع دی اس لڑکے کے والدین جن کا تعلق سید خاندان سے نہیں تھا اس رشتہ پر تیار نہ ہوئے اور اپنے بیٹے کو مشورہ دیا کہ تم کسی اور خاندان سے کسی لڑکی کا انتخاب کرو۔ لڑکے نے وجہ پوچھی تو والدین نے اسے بتایا کہ سید خاندان کی لڑکی گھر لے کر آؤ گے تو تمہیں ساری عمر اس کا بہت خیال رکھنا ہوگا چونکہ یہ خاندان جا کر ہمارے نبی کے خاندان سے مل جاتا ہے اور نبی کے خاندان کے کسی بھی فرد کو کوئی دکھ پہنچے تم سے، یہ ہمارا خاندان برداشت نہیں کر سکے گا۔ ہم تباہ ہو جائیں گے، برباد ہو جائیں گے۔ ہم اس خاندان کی تاب نہیں لا سکتے دیکھا آپ نے سید خاندان کا کیا مرتبہ ہے اور لوگوں کی نظروں میں۔

میرے ایک دوست نے اپنے کسی دوست سے اپنی شرٹ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے کون سے کپڑے کی شرٹ پہنی ہوئی ہے ان صاحب نے جواب میں کہا کہ میرا تعلق سید گھرانے سے ہے کپڑوں کی پہچان مجھے نہیں ہے۔ دراصل اس کی پہچان تو جولاہوں کو ہوتی ہے۔

میرے ایک واقف کار نے میرے ایک دوست سے پوچھا کہ کیا فیاض حیدر سید ہیں تو میرے دوست نے میرے ایک اور شناسا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے میرے واقف کار کو

جواباً کہا کہ فیاض حیدر کے بارے میں سنا ہے کہ وہ سید ہیں میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ سید ہیں کہ نہیں۔ ان کا آنا جانا سیدوں کی گھرانے میں ضرور ہے ان کے گھر بھی سید لوگ آتے جاتے ہیں لیکن یہ صاحب (شناسا) سید ہیں میں یقین سے کہہ سکتا ہوں چونکہ انہوں نے کورٹ افیڈیوٹ بنوالیا ہے کہ وہ سید ہیں۔ اس کی رجسٹری بھی ہوگئی ہے میں نے خود ان کے کاغذات پر وٹنس کی جگہ دستخط کیے ہیں ویسے پہلے وہ ذات کے نائی تھے۔ اب جب کہ کورٹ نے ان کو سید کی حیثیت سے رجسٹر کر لیا ہے تو اب کون ہے جو ان کو سید نہیں مانے گا۔

مجھے یاد ہے کہ جب بھی ہمارے درمیان خاندان میں کسی کے رشتے کی بات ہوتی تھی فوراً گھر کے بوڑھے حرکت میں آجاتے تھے کہ جس جگہ رشتے کہ بات ہو رہی ہے کہ وہ لوگ سید خاندان سے ہیں بھی کہ نہیں۔ وہ ان سے خاندانی شجرے کی فرمائش کر دیتے تھے تو جب جا کر ثابت ہوتا تھا کہ رشتہ کے خواہش مند لوگ سید ہیں یا پھر نہیں ہیں۔ پھر ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ کون نیا سید ہے اور کون پرانا سید۔ نئے سید میں وہ تمام لوگ آگئے کہ جنہوں نے باڈر کراس کرتے ہی اپنے نام کے ساتھ سید لگا دیا تھا۔ کچھ سیدوں کے گھر غیر سید بھی شادی کر کے گئے ہیں چونکہ نئی نسل نے اپنے بزرگوں کی اس روایت کو قائم رکھنے میں ان کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا اور اس طرح والدین اپنی جوان اولادوں کے ہاتھوں مجبور ہو کر غیر سیدوں کے لڑکے یا لڑکیوں سے شادی کی اجازت دیتے گئے اور یہ عالم ہے کہ نجیب الطرفین سید کا ملنا ایسے ہی ہے جیسے ہمارے ملک کی پولیس کے محکمے میں غیر راشی پولیس آفیسر کا ملنا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اگر سیدوں کے ساتھ غیر سیدوں کا رشتہ طے ہو تو ان کی اولادیں زیادہ ذہین اور حسین پیدا ہوں گی۔ اس ذہین اور حسین پر مجھے اپنے ایک واقف کار کی بات یاد آگئی کہ جب ان کے گھر پہلے بچے کی پیدائش ہونے والی تھی تو ان کی بیگم نے کہا کہ سرتاج مجھے ایسا لگتا ہے کہ میرا بچہ جو آج کل میں ہونے والا ہے وہ آپ جیسا ذہین اور مجھ جیسا حسین ہوگا۔ یہ سن کر شوہر بولے بیگم ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ ہمارا بچہ مجھ جیسا بدشکل اور تم جیسا بدعقل ہو۔

سیدوں کی اولادیں پہلے تو بہت تعلیم حاصل کرتی تھیں پھر جب ان میں غیر سیدوں کی

آمیزش شروع ہونے لگی نہ وہ پھر سید رہے اور نہ سیدوں والی بو باس۔ گویا کہ ''سب دھان بائیس پسیری'' ہو کے رہ گیا۔ اگر کوئی اپنے آپ کو سید کہتا ہے تو سیدوں والی خصوصیات بھی تو دکھلائے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک تقریب میں جہاں کئی گریجویٹس بیٹھے تھے علی گڑھ یونیورسٹی کے ان کی باتوں میں اتنا وزن تھا کہ میں ان لوگوں کی باتوں کو خاموش سے سن رہا تھا اور کچھ نوٹ بھی کر رہا تھا کہ ایک صاحب بولے کہ ارے بھئی ایک زمانہ تھا کہ علی گڑھ یونیورسٹی کے گریجویٹس چلتے تو زمین ہلتی تھی اور ایک آج کل کے گریجویٹس ہیں کہ جب چلتے ہیں تو خود ہلتے ہیں۔ یہ بات درست ہے کہ پہلے زمانے کے جو گریجویٹس تھے خاص کر علی گڑھ یونیورسٹی کے گریجویٹس ان کا مقابلہ کسی سے نہیں کیا جاسکتا۔ وہ اپنی مثال آپ ہیں اور رہیں گے۔

زمانہ بہت ترقی کر گیا ہے۔ ہم پرانے رسم ورواج کو لئے بیٹھے ہیں کہ کون سید ہیں اور کون ملک۔ کون شیخ ہے اور کون جولاہا۔ آدمی کو میسر نہیں انساں ہونا۔

ہر آدمی الگ صحیح مگر امنگ ایک ہے
جدا جدا ہیں صورتیں لہو کا رنگ ایک ہے

اگر کسی میں انسانیت ہے شرافت ہے، جو جھوٹ نہیں بولتا ہے اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند کرتا ہے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے اپنی ذات سے کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا ہے، وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ دوسرے کی عورت اور دوسرے کی دولت پر نظر نہیں رکھتا اس سے بھلا اور بھلا کون ہوسکتا ہے۔ یہ سب ذات پات کی بندش انسان کو کہاں سے کہاں پہنچا رہی ہے۔ بقول میرے ایک واقف کار کہ چھوٹی کنکری اوپر اٹھ رہی ہے جبکہ بڑی کنکری نیچے جا رہی ہے۔ آپ اگر اس جملے پر غور کریں تو بہت کچھ اشارہ ہے اس میں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر انسان برابر ہے۔ گورے کو کالے اور عربی کو عجمی پر کوئی فوقیت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نظر میں سب برابر ہیں تو پھر یہ تفریق کیسی؟

انداز بیاں شوخ میرا ہے کہ نہیں ہے
گر بات سمجھ لیں تو یہ بات بڑی ہے

......☆......

مصلحت خداوندی

یقین رکھتے ہیں جو اس میں خدا کی مصلحت جس میں
کرے ان کو یہاں رسوا یہ طاقت ہے بھلا کس میں

یہ بات سو فیصد درست ہے کہ غیب کا علم صرف خدا کو ہے بندے کو نہیں۔ جو لوگ اپنی گفتگو کے دوران یہ کہتے ہیں کہ مجھے پتہ تھا کہ یہ کام ضرور ہوگا درست نہیں ہے۔ لیکن یہ بات ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو ہدایت دیتا ہے کہ اس راستے پر نہ چلو یہ گمراہی کی طرف لے جاتا ہے اور یہ راستہ صراطِ مستقیم ہے۔ اس پر چل کر تم اپنی منزل پا سکتے ہو۔

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں

کہتے ہیں کہ ''مین پروپوزز، گوڈ ڈسپوزز'' آپ نے اکثر نوٹ کیا ہوگا کہ ہم جو سوچتے ہیں ویسا ہمیشہ ہوتا نہیں ہے۔ ہم چونکہ اپنی طرف سے دیکھ رہے ہوتے ہیں اور ہماری سوچ محدود ہونے کے ساتھ ساتھ مفاد پرستی پر بھی بنی ہوتی ہے اسلئے کسی کام کے نہ ہونے پر ہم وقتی طور پر مایوس ہو کر پریشان ہو جاتے ہیں لیکن ہم یہ سمجھ کر بھی سمجھنا نہیں چاہتے کہ شائد اسی میں ہماری بھلائی ہوگی۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ 90s میں جب میں نے اپنی فیملی کے ساتھ اپنے پیارے وطن سے کینیڈا آنے کی ٹھانی تو ایک عجیب سے کشمکش میں مبتلا تھے کہ آیا یہ فیصلہ ہم نے درست بھی کیا ہے کہ نہیں۔ روز سوچتے تھے لوگوں سے پوچھتے تھے لیکن کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ پاتے تھے۔ کبھی سوچتے

تھے کہ بینک کی اچھی ملازمت ہے ۲۳ سال کا تجربہ ہے اپنا مکان ہے بچے اچھے اسکولوں میں پڑھ رہے ہیں، دروازے پر گاڑی کھڑی ہے، مالک مکان ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے پاس کرایہ دار بھی ہیں جو ایک اضافی آمدنی کا ذریعہ ہے۔ دوست ہیں رشتہ دار ہیں لیکن پھر خیال آتا تھا کہ ان سب چیزوں کے باوجود ''جان و مال'' کا تحفظ نہیں ہے۔ بچوں کا مستقبل کیا ہوگا......؟

دن بھر کام کاج کرتے رات کے وقت جب بچے سو جاتے تو ہم دونوں میاں بیوی سر جوڑ کر بیٹھ جاتے۔ چائے کی پیالی ہاتھ میں ہوتی اور ہر ایک مسئلے کا ذکر کرتے اور اس کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرتے اور پھر نتیجہ صفر پر آ کر ختم ہو جاتا۔ اور یہی ہمارا معمول بن گیا تھا۔

ایک رات میری بیوی نے بہت اچھی بات کی تو اس سے میرے سر کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ اس نے کہا کہ آپ سب کچھ اللہ پر چھوڑ دیں، نماز پڑھیں تو دعا یہ مانگیں کہ اگر ہمارا کینیڈا جانا ہم سب کے حق میں بہتر ہے تو ہمیں امیگریشن ضرور ملے اور بہتر نہیں ہے تو ہماری کوششوں کے باوجود بھی ہمیں امیگریشن نہ ملے اور جب امیگریشن مل جائے گی تو ہم یہ سمجھ لیں گے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا شامل ہے تو بہتری ہی ہوگی۔ ہمیں امیگریشن ملی اور اس طرح ہم سب بخیر و خوبی یہاں آ گئے اور ماشاءاللہ یہاں سیٹ بھی ہو گئے ہیں۔ اگر ہمیں امیگریشن نہیں ملتی تو ہم یہ سمجھتے کہ اس میں ضرور کوئی اللہ کی مصلحت ہوگی۔

مشہور واقعہ ہے کہ ایک بادشاہ جو کہ بڑا رحم دل تھا ایک شام اپنے محل میں اپنے وزیر کے ساتھ بیٹھا پھل کھا رہا تھا اس کہ اچانک سیب کاٹتے ہوئے اس کی انگلی کٹ گئی تو اس سے خون رسنے لگا۔ فوراً معالج کو طلب کیا گیا جس نے معمولی زخم بتا کر دوا لگا کر پٹی کر دی۔ اس واقعہ کو بنیاد بنا کر بادشاہ نے وزیر سے پوچھا کہ میں نے اپنی رعایا کا ہمیشہ خیال رکھا، کسی کو تکلیف نہیں پہنچنے دی پھر آج مجھے اس سیب کاٹنے کے بہانے تکلیف کیوں پہنچی۔ وزیر نے جواب دیا کہ اس میں ضرور اللہ کی کوئی مصلحت ہوگی بادشاہ اپنے وزیر کے جواب سے مطمئن نہ ہوا اور اسے کم عقل کہہ کر محل کے ایک کمرے میں قید کر دیا اور دوسرا وزیر اس کی جگہ رکھ لیا۔ کچھ دنوں کے بعد بادشاہ اپنے نئے وزیر اور کچھ درباریوں کے ہمراہ شکار کو گیا۔ جب شام ہوئی اور واپس لوٹنے کا وقت قریب تھا تو اچانک

وہاں آدم خور آ گئے۔ سارے درباری معہ وزیر اپنی جان بچانے کی غرض سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ لیکن بادشاہ ان آدم خوروں کے چنگل میں پھنس گیا۔ دوسرے دن صبح جب ان آدم خوروں نے بادشاہ کو کھانے کی غرض سے بیچ میدان میں لایا اور اپنے قبیلے کی رسم کے مطابق بادشاہ کے جسم کی جانچ پڑتال کی تو انگلی کے اس زخم کو دیکھ کر اسے مردار قرار دیا اور بادشاہ کو وہیں چھوڑ کر آگے نکل گئے جب بادشاہ اپنے محل میں واپس آیا تو اسے اپنے پہلے وزیر کی بات یاد آئی کہ اس کی انگلی کے کٹنے میں یقیناً اللہ کی مصلحت تھی۔ اس طرح بادشاہ نے پہلے وزیر کو ترقی دے کر مشیر بنا لیا اور دوبارہ ملازمت پر بحال کر دیا۔

ہمارے ایک عزیز ہیں ان کی والدہ بات بات پر کہتی ہیں ''اللہ کی مصلحت'' یہ ان کا جیسے تکیہ کلام تھا کوئی بات کرو وہ لا کر اللہ کی مصلحت پر ختم کرتی تھیں۔ ان کا چھوٹا بیٹا جو پڑھائی لکھائی میں ذرا کمزور تھا کسی صورت سے ایف اے پاس کر چکا تھا کوئی کام کاج نہیں کرتا تھا۔ جب بھی اس سے پوچھا جاتا کہ بھئی تم کوئی کام کاج کیوں نہیں کرتے۔ بس اس کا یہی کہنا تھا۔ میں لندن جاؤں گا۔ اس کے دوست رشتہ دار اس کی باتوں پر ہنستے تھے کہ بڑے بڑے پڑھا کو ڈاکٹر، انجینئر، پی ایچ ڈی سب بیٹھے ہیں تو تُو کیسے لندن جائے گا۔ ایف اے پاس وہ بھی تھرڈ ڈویژن۔ جب ان کی والدہ سے کوئی اس کے متعلق پوچھتا تو وہ یہی کہتی تھیں ''اللہ کی مصلحت''۔ ایک دن خدا کا کرنا کیا ہوا کہ اس کا ایک موٹر کار سے حادثہ ہو گیا۔ داہنی ٹانگ بری طرح ٹوٹ گئی۔ کئی ٹکڑے ہو گئے جن کی گاڑی سے ٹکر ہوئی تھی چونکہ ان کی غلطی تھی اس لیے وہ اسے لے کر ہسپتال گئے اس کے علاج کی ذمہ داری قبول کی لیکن کئی ہفتے علاج کے بعد ٹانگ ٹھیک نہیں ہو سکی۔ ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ اگر آپ لوگ اسے لندن لے جا سکیں تو فلاں ہسپتال میں اس کا علاج ہو سکتا ہے۔ جن کی گاڑی سے یہ حادثہ ہوا تھا ان لوگوں نے اپنے ایک قریبی رشتہ دار جو لندن میں رہتے تھے ان سے رابطہ کر کے اس کی پوری ہسٹری بھجوائی اور ایک دن وہ بذریعہ ہوائی جہاز لندن علاج کی غرض پہنچ گیا۔ کئی ماہ مسلسل علاج کے بعد وہ اس قابل ہو گیا کہ چل پھر سکے۔ پھر اسے یہاں ایک گوری پسند آ گئی جس سے اس کی شادی ہو گئی اور پھر اس نے پورے خاندان کو ایک ایک کر کے لندن بلا لیا اور اب تو ان

کے گھرانے کا ایک محلّہ آباد ہے لندن میں۔ بظاہر تو یہ لگ رہا تھا کہ لندن جانے کا خواب دیکھنے والا اپنی ٹانگ سے بھی گیا۔ معذور ہو کر کیا کرے گا۔ لیکن جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی مصلحت ہوتی ہے تو اس رتبے تک کون پہنچ سکتا ہے۔

ایک صاحب کی ملازمت ختم ہوگئی تو وہ بے چارے بہت پریشان ہو گئے۔ گھر پہنچنے پر بیگم کو سارا ماجرہ سنایا تو بیگم بولیں کہ شائد اسی میں اللہ کی کوئی مصلحت ہو۔ اللہ کا کرنا کیا ہوا کہ ٹھیک ایک ہفتہ کے بعد ان کو دوسری جگہ ملازمت مل گئی اور تنخواہ بھی تقریباً دوگنی۔ تو یقیناً ان کے ملازمت کے چھوٹ جانے میں خدا کی مصلحت تھی۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ہمارے ایک جاننے والے کی چار بیٹیاں تھیں جن کی شادی کے لیے دونوں میاں بیوی بہت پریشان رہتے تھے۔ لیکن رشتہ تھا کہ مل کر ہی نہیں دے رہا تھا۔ بہت ڈھونڈا، بہت تلاش کیا لیکن کہیں سے کامیابی نہ ہوئی۔ آخر کار ایک دن وہ آیا کہ جب لڑکیوں کے والد کا اچانک انتقال ہو گیا۔ اب تو لڑکیوں کی والدہ اور پریشان ہوئیں کہ لو اب تو والد بھی چلے گئے۔ لیکن مصلحت خداوندی دیکھیے کہ عین سوئم والے دن جب تمام رشتہ دار، دوست احباب جمع ہوئے تو ان کی دو لڑکیوں کی بات پکی ہو گئی، پھر شادی اور سال لگتے لگتے ان کی مزید دو لڑکیوں کی بھی شادی ہو گئی۔ گویا جب تک ان لڑکیوں کے والد حیات رہے رشتہ نہ ہوا اور پھر وہ رخصت ہوئے تو دھڑا دھڑ رشتے آنے لگے۔ اس طرح چٹ منگنی پٹ بیاہ۔ تو دراصل ان سب کے پیچھے اللہ کی مصلحت چھپی تھی۔

ہمارے روزمرہ کی زندگی میں ہزاروں ایسے واقعات ہوتے ہیں کہ انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے لیکن ہر اس کام میں اللہ کی مصلحت ضرور چھپی ہوتی ہے جو کام نیک نیتی سے کیا جائے اور جو کام کسی کا حق مار کر نہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

......☆......

فطرتِ انسانی

وہ نہ بدلے ہیں نہ بدلیں گے کبھی بدلے جہاں
ہے بڑا مشکل بدلنا فطرتِ انساں یہاں

کہتے ہیں کہ انسان فطری طور پر خودغرض واقع ہوا ہے۔ عملی زندگی پر اگر آپ گہری نظر ڈالیں تو آپ کو کئی ایسی مثالیں مل جائیں گی جہاں پر لوگوں نے اپنے فائدے کی خاطر دوسروں کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ اپنی اس حرکت پر شرمندہ ہونے کے بجائے بڑی ڈھٹائی سے لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنی عقلمندی اور ہوشیاری سے اپنا اُلو سیدھا کر لیا۔ اگر اس میں کسی کو نقصان پہنچتا ہے تو پہنچا کرے ہم نے کیا زمانے بھر کا ٹھیکہ لے رکھا ہے ۔

اپنی اس حرکت پہ ان کو شرم بھی آتی نہیں
اور کرتے بھی نہیں شرمندگی سے سرنگوں

صاحب انسان کی اس فطرت کو بدلنا انسان کے بس میں کہاں وہ تو ایک سیسہ پلائی دیوار کی مانند اٹل ہے کچھ کر لیں گھر بدل لیں شہر بدل لیں یا ملک، انسان کی فطرت نہیں بدلتی۔ وہ جہاں بھی جائے گا اس کی فطرت ساتھ جائے گی۔ اس فطرت کی وجہ سے اسے چاہے جتنی بھی رسوائی ہو وہ اپنی فطرت سے باز نہیں آئے گا۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے دوسروں کو نیچا دکھانے کی۔ خواہ اس چکر میں وہ خود اپنے موجودہ مقام سے گر جائیں لیکن دوسروں کو نیچا دکھانے کی جستجو انہیں جینے نہیں دیتی۔

میرے ایک دوست ہیں جب بھی ملیں گے دو چار لوگوں کی برائی ضرور کریں گے۔ ساتھ ہی

ساتھ یہ بھی بتائیں گے کہ فلاں فلاں شخص نے مجھے فون کر کے مجھ سے ملنے کے لیے وقت مانگا لیکن تم تو جانتے ہو کہ میرے پاس اتنا وقت کہاں کہ میں ان فضول لوگوں کے لیے وقت نکالوں۔ یہ لوگ سب ''ویسٹیج آف ٹائم'' ہیں۔ جب ان لوگوں سے میری بات ہوئی تو پتہ لگا کہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ان لوگوں نے نہیں بلکہ میرے دوست نے ہی ان لوگوں کو فون کیا تھا معلوم کرنے کے لیے کہ کیا ہو رہا ہے۔

ایک کورٹ میں جرح کے دوران ایک خاتون نے کٹہرے میں کھڑے ایک شخص کی طرف اشارہ کر کے کہا ''مائی لارڈ! یہی وہ شخص ہے کہ جس کی لاپرواہی کی وجہ سے میرے شوہر کی جان گئی ہے''۔ جج نے اس شخص سے کہا کہ تم سارا ماجرہ بیان کرو۔ اب اس شخص نے کہانی کچھ یوں بیان کی کہ ''مائی لارڈ'' میں پچھلے دنوں جنگل کی طرف سے گزر رہا تھا کہ کسی کے چلانے کی آواز سن کر میں نے دیکھا کہ ایک شخص کافی گہرے گڑھے میں گرا پڑا ہے۔ میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا کہ لاؤ اپنا ہاتھ دو۔ جس پر اس نے ہاتھ دینے سے انکار کر دیا۔ اس طرح میں نے اپنی راہ لی۔ یہ سن کر وہ خاتون چلائی کہ ''مائی لارڈ'' یہی وہ مقام ہے جس جگہ اس شخص سے غلطی ہوئی کہ اس نے میرے شوہر کو کہا کہ اپنا ہاتھ دو اگر یہ شخص کہتا کہ میرا ہاتھ لو تو فوراً میرے شوہر اس کے ہاتھ کو تھام لیتے اور اس گہرے گڑھے سے باہر آ جاتے اور اس طرح اپنی جان گنوانے سے بچ جاتے کیونکہ آج تک میرے شوہر نے کبھی کسی کو کوئی چیز دی نہیں ہے، ہمیشہ لی ہے۔ اور اپنی فطرت کی وجہ سے جان گنوا بیٹھے۔

بچپن سے سنتے چلے آ رہے ہیں کہ چور چوری سے جائے ہیرا پھیری سے نہ جائے۔ اگر کسی شخص کو عادت جھوٹ بولنے کی پڑ جائے تو یہ مشکل سے ہی چھوٹتی ہے۔ چونکہ کچھ عرصہ بعد اس کی یہ عادت فطرت بن جاتی ہے اور وہ شخص سو بہانے سے جھوٹ ضرور بولے گا۔ جبکہ وہ جھوٹ نہ بھی بولتا تو بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ اسے جھوٹ بولے بنا چین جو نہیں آتا۔

بعض لوگوں کی فطرت ہوتی ہے کہ اگر انہیں کسی کام سے یا کسی بات سے منع کر دیا جائے تو وہ اس کام کو یا بات کو ضرور کریں گے جیسے آپ نے کسی سے یہ کہا کہ فلاں شخص کو آج پولیس پکڑ لے

گئی تھی لیکن یہ بات تم اس وقت تک کسی سے نہ کہنا جب تک میں اس بات کی تصدیق نہ کر لوں کہ آیا یہ بات درست بھی ہے یا نہیں۔ ادھر آپ یہ کہہ کر نکلے ادھر انہوں نے فون اٹھایا اور کم از کم دس لوگوں کو یہ بات بتا دی اور ہر ایک سے بتا کر یہ بھی کہتے جا رہے ہیں کہ ابھی کسی سے کہنا نہیں جب تک میں کنفرم نہ کر لوں۔

یہ بھی فطرت کے ہاتھوں مجبور ہو کر نہ جانے کہاں کہاں یہ خبر سنا بیٹھے۔

یہ بات بھی بزرگوں نے بتائی کہ سانپ کو اگر آپ نے دودھ بھی پلایا اور اسے اپنے ساتھ بستر پر سلایا یا اسے اپنا لحاف بھی اوڑھایا لیکن جب رات گئی بات گئی تو صبح وہی سانپ آپ کو ڈسنے کے لیے پھن پھیلائے ہوگا اور آپ کو ڈسے بغیر وہاں سے ملنے نہیں دے گا۔ چونکہ انسانوں کو ڈسنا اس کی فطرت میں شامل ہیں اور یہی فطرت اب انسانوں میں بھی آ گئی ہے۔

ہمارے ملکوں میں آپ نے یہ بات بھی ضرور نوٹ کی ہوگی کہ جب لوگ کسی بس میں بیٹھتے ہیں تو ان کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اب جبکہ میں بس میں بیٹھ چکا ہوں اب یہ بس کسی بس اسٹاپ پر نہ رکے سیدھا ہمیں ہماری منزل تک پہنچائے اور جب یہی صاحب کسی بس اسٹاپ پر کھڑے بس کے آنے کا انتظار کر رہے ہوتے اور بس زناٹے سے بغیر رکے گزر جاتی تو کہتے ہیں کہ وہ دیکھو ہم یہاں اسٹاپ پر کھڑے بس کا انتظار کر رہے ہیں پچھلے آدھے گھنٹے سے بس ہے کہ رکنے کا نام ہی نہیں لیتی۔ تو یہ بات انسان کی فطرت میں شامل ہو گئی ہے۔

دو دوست ایک ٹرین میں سفر کر رہے تھے۔ ایک اسٹیشن پر جب ٹرین رکی تو ان میں سے ایک دوست نے اتر کر کچھ پھل وغیرہ خریدنا چاہا۔ دوسرے دوست نے کہا کہ جب تم جا ہی رہے ہو تو میرے لیے بھی پھل لیتے آنا میں تمہیں پیسے دے دوں گا۔ جب دوست واپس آیا تو دوسرا دوست یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ ایک سیب کھاتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ اس سے نہ رہا گیا پوچھ بیٹھا کہ میرا سیب کہاں ہے۔ دوست نے جواب دیا بھئی اس دکان پر ایک ہی سیب بچا تھا جو میں نے خرید لیا تمہارے حصے کا سیب تھا ہی نہیں۔ اس بے تکلف دوست نے کہا کہ یہ سیب ہمارا نہیں ہو سکتا تھا کیا تمہارا نام اس سیب پر لکھا تھا۔ انسان کی فطرت میں یہ خود غرضی پیدائشی ہے یا دنیاوی۔ نہیں

معلوم۔

میرا ایک دوست ہے ریڈیو پر کام کرتا ہے۔اس کی فطرت میں عجیب سا تناؤ ہے۔وہ دوسرے کو خوش نہیں دیکھ سکتا۔خود ریڈیو تو چلا نہیں سکتا پھر بھی دوسرے کے کاموں میں رکاوٹ ضرور ڈالتا ہے۔جو کام وہ خود نہیں کر سکتا دوسروں کو بھی نہیں کرنے دیتا۔اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی شکل پر ایک خاص قسم کی پھٹکار ہے۔جو رہتی دنیا تک اس کے چہرے پر رہے گی۔''اللہ معافی''۔

میں اپنی پڑھائی کے دور سے لے کر ملازمت کے دور تک ہمیشہ اپنے والدین اور بھائی بہنوں کے ساتھ رہا لیکن دوسال کا عرصہ ایسا بھی گزرا ہے جو اپنے گھر والوں سے دور کوئٹہ پاکستان میں میری پوسٹنگ کے دوران مجھے اپنے ایک ایسے دوست کے ساتھ روم میٹ کی حیثیت سے رہنا پڑا جو مجھے بہت کچھ سکھا گیا۔میرا یہ دوست بہت اچھا ''کک'' تھا۔صفائی ستھرائی کا خاص خیال رکھتا تھا۔میرا کام اس کے ہر معاملے میں اس کی مدد کرنا تھا۔برتن کس طرح دھوئے جائیں گے مجھے نہیں معلوم تھا۔کمرے کی صفائی کس طرح کی جائے گی مجھے نہیں معلوم تھا۔غرض کہ جب تک مجھے یہ سب کام نہیں آتے تھے میں اس سے سیکھتا گیا لیکن مجھے یہ حسرت ہی رہ گئی کہ میرے کام کو وہ کبھی سراہے بھی۔جب تک میں یہ کام ٹھیک نہیں کرتا تھا وہ چیختا چلاتا تھا لیکن جیسے مجھے سب کام کرنا آ گیا تو اسے چاہیے تھا کہ میرے کام کو سراہتا لیکن نہیں ہمیشہ یہی کہتا تھا کہ ایسے ہی ہوتا ہے اس طریقے سے کرنا پڑتا ہے۔پھر بھی اپنی زبان سے اس نے اس دوسال کے عرصے میں ایک بار بھی میری حوصلہ افزائی نہیں کی۔یہ اس کی فطرت تھی جو مجھے آج بھی پسند نہیں۔اگر وہ ایک بار بھی مجھے یہ کہہ دیتا کہ تم نے یہ کام اچھا کیا ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ میرے اس دوست کو جنت میں مجھ سے پہلے ڈالنا۔

میرے ایک دوست ہیں جن کی فطرت ہے جلنا۔ان کی جلن کا یہ عالم ہے کہ ان کے چہرے کی رنگت بھی اس بات کی عکاسی کرتی ہے۔پچھلے سال 14 اگست یومِ آزادی پاکستان کے موقع پر میں نے ایک ''ڈاکومنٹری'' فلم بنائی ''سلام سرزمین پاکستان'' جس میں محبّ وطن پاکستانیوں

کے جذبات ریکارڈ کیے۔جو (ATN) ایشین ٹیلی ویژن پر ٹیلی کاسٹ ہوئی اس سے میری بڑی پذیرائی ہوئی اور حوصلہ افزائی بھی لیکن میرے اس دوست کو بہت تکلیف ہوئی جیسے وہ رات انگاروں پر لوٹتا رہا ہو۔صبح اٹھ کر پہلا کام اس نے یہ کیا کہ (ATN) ایشین ٹیلی ویژن کے ایک اعلیٰ عہدیدار کو فون کر کے کہا کہ آپ نے جو ڈاکومنٹری فلم کل رات دکھائی اس سے تو فیاض حیدر نے پاکستان کا جھنڈا آپ کے ٹیلی ویژن پر گاڑ دیا۔اس شخص سے ہوشیار رہئے گا۔اس عہدیدار نے جو جواب میرے دوست کو دیا اس کا مفہوم یہ تھا کہ ہم ٹیلی ویژن اسٹیشن چلا رہے ہیں آپ کی طرح رکشا نہیں۔ہمیں معلوم ہے کہ کیا دکھانا ہے اور کیا نہیں دکھانا۔اپنے کام سے کام رکھیں اور اپنے مشورے اپنے پاس رکھیں۔بطخ کے بچے کو تیرنا نہ سکھائیں۔

بات فطرت پر نکلی ہے تو اپنے اس دوست کا ذکر نہ کرنا فطرت پر زیادتی ہوگی کہ جس کے منہ پر اللہ تعالیٰ نے اتنی لعنت برسائی ہے اس کے باوجود وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتا ہے۔حال ہی میں ایک نیا اخبار ''پاکستان انٹرنیشنل'' کینیڈا سے شائع ہونا شروع ہوا ہے جو آپ کی نظر سے بھی گزرا ضرور ہوگا۔اس اخبار کے عہدیداران میرے اچھے دوست ہیں اور انہوں نے اپنے اخبار کا مارکیٹنگ ڈائریکٹر مجھے بنایا ہے۔چونکہ پاکستان سے میرا دلی لگاؤ ہے اس لیے جو لوگ پاکستان کے نام سے کوئی کام شروع کرتے ہیں میری کوشش یہی ہوتی ہے کہ میری جو بھی ٹوٹی پھوٹی خدمات ہیں ان کو ضرور حاصل ہوں۔میرے اس دوست کو یہ بات برداشت نہیں ہوئی کہ میں اس اخبار کا مارکیٹنگ ڈائریکٹر کیوں ہوں۔اخبار کے دفتر فون کر کے ایک عہدیدار سے کہنے لگا کہ آپ نے فیاض حیدر کو مارکیٹنگ ڈائریکٹر کیوں رکھا ہے۔آپ اس کے نام کو نکال دیں ورنہ میں آپ کے کئی اشتہار نکلوا دوں گا۔اخبار کے اس عہدیدار نے جو جواب میرے اس دوست کو دیا اس کو سننے کے بعد میرے اس دوست کو چلّو بھر پانی کی بھی شائد ضرورت نہ ہو گیلے ہاتھ کا چھینٹا ہی بہت کافی ہوتا مر جانے کے لئے۔

انسان کی یہ فطرت ہے کہ جو چیز وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے چاہتا ہے کہ وہ دوسرے کو میسر نہ ہو۔جبکہ اسلام ٹھیک اس کے برعکس تعلیم دیتا ہے۔90s میں جب میں کینیڈا آیا اس وقت میرے

بچے بہت چھوٹے تھے۔ایک دن میں نے اپنے ایک عزیز جو یہاں 60s میں آئے تھے' کے گھر فون کیا تو ان کے بچے نے فون اٹھاتے ہی سوال کیا''ہواز دس''میں نے جواب میں اپنا نام بتایا تو وہ اپنی والدہ کو بلا لایا۔اس طرح بات آئی گئی ہوگئی۔کچھ ہی عرصے کے بعد جب میرے بچوں نے وہی لب ولہجہ سیکھ لیا یہاں کے اسکول سسٹم میں داخل ہونے کے بعد تو وہی خاتون جن کے بیٹے نے مجھ سے پوچھا تھا''ہواز دس'' نے ایک دن مجھے فون کیا۔میرے بیٹے نے فون اٹھا کر پوچھا''ہواز دس'' تو جیسے ان کے بدن میں آگ لگ گئی ہو۔میرے بیٹے سے کہنے لگیں''جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں تمہیں کینیڈا آئے' اور تم پوچھتے ہو''ہواز دس''۔''میرے بیٹے نے گھبرا کر فون میرے حوالے کر دیا تو وہ خاتون شروع ہوگئیں کہ جیسے''ہواز دس'' بولنے کی اجازت حکومت کینیڈا کی طرف سے صرف اور صرف ان کے بیٹے کو ہی ہے۔ان کے ذہن میں جو خرافات تھیں اس کو میں بخوبی سمجھ سکتا تھا اور چونکہ انسانی فطرت کا میں نے بہت قریب سے مطالعہ کیا ہے اس لیے ان کی بات مجھے بالکل بری نہیں لگی۔میں نے مصلحتاً ان کی بات کو درگزر کر دیا کہ درگزر کرنے سے اللہ راضی ہو جاتا ہے۔

جی تو چاہتا ہے کہ اب ان سب سے رشتہ توڑ لوں
چھوڑ دوں دنیا میں ان کی' جا کے جنت میں رہوں

......☆......

کوئلے کی دلالی

کوئلے کی دلالی میں منہ کالا ہوا کیوں
سالا تھا وہ تیرا میرا سالا ہوا کیوں

جب کبھی بھی کسی چیز کی دلالی کا ذکر ہوتا ہے مجھے میرا ایک دوست یاد آ جاتا ہے جو بہت بڑا دلال ہے اور دلالی کے کام میں بڑی مہارت رکھتا ہے اپنے ملک کے مشہور شہر کی ایک مخصوص گلی میں آج بھی اس کا نام بڑی عزت سے لیا جاتا ہے۔دلالی کے کام میں اس کا تجربہ اتنا زیادہ ہے کہ یہاں آ کر بھی اس نے کسی اور پیشے کو اپنانے کے بجائے دلالی کے پیشے کو ہی ترجیح دی۔اور اب تو وہ اپنے آپ کو پیشہ ور دلال کہتا ہے۔اور کیوں نہ کہے اس کا تجربہ جو اتنا زیادہ ہے۔کہتے ہیں کہ انسان کو اسی کام میں ہاتھ ڈالنا چاہیے جس کا اس کو تجربہ ہو۔اب میرا یہ دوست کس چیز کی دلالی کرتا ہے مجھے نہیں معلوم لیکن مجھے اتنا ضرور معلوم ہے کہ کوئلے کی دلالی میں ہاتھ کالا ضرور ہوتا ہے لیکن اس نے تو اپنا منہ کالا کر لیا ہے۔

ایک دن میں نے مذاق ہی مذاق میں اس سے پوچھا کہ یار یہ باؤ کہ تمہارا بچہ تمہیں کیا کہہ کر پکارتا ہے تو کہنے لگا''پاپا''۔جس پر میرے منہ سے برجستہ نکل گیا کہ اتنا جلا ہوا''پاپا''۔

میرا یہ دوست کینیڈا 60s میں آیا۔اس بات کا ذکر وہ کسی نہ کسی طرح ہر ملاقات میں ضرور کرتا ہے خاص کر نئے امیگرنٹس کے سامنے۔اس کی ایک عجیب عادت ہے کہ وہ نئے امیگرنٹس کو باتوں باتوں میں بڑا ذلیل کرتا ہے۔کبھی کسی انداز میں کبھی کسی انداز میں۔جیسا کہ سب ہی جانتے ہیں اپنے اپنے ملکوں سے یہاں آنے والے امیگرنٹس حضرات بہت پڑھے لکھے اور ٹیلنٹڈ ہونے

http://www.kitaabghar.com

کے باوجود اپنی اپنی فیلڈ کی جاب حاصل کرنے میں تقریباً ناکام رہے ہیں۔ لیکن اپنے بچوں کے مستقبل کو تابناک بنانے کے لیے یہ زہر کا گھونٹ پینے پر یعنی ''آڈ جاب'' پر اکتفا کرنے پر مجبور ہیں۔ ان کی اس مجبوری کا میرا یہ دوست اکثر مذاق اڑاتا ہے اور انہیں تضحیک آمیز انداز میں دھوبی، بڑھئی، گیس بار اسسٹنٹ، سیکورٹی گارڈ، پیزا ڈیلور، اسٹیٹ ایجنٹ، انشورنس ایجنٹ، ٹیکسی ڈرائیور اور سبزی فروش کہہ کر بلاتا ہے اور انہیں اس طرح ذلیل کرتا ہے۔ جبکہ ان میں زیادہ تر لوگ ڈاکٹر، انجینئر، بینکر، پروفیسر، ڈائریکٹر جیسے عہدوں کو چھوڑ کر یہاں آئے ہیں۔ ان کو ہمدردی کے دو بول چاہئیں نہ کہ انہیں ذلیل کرنا چاہیے۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ لیکن میرے اس دوست کو احساس کہاں، خود اس کو اپنے پیشے پر شرم نہیں آتی کہ یہ دلالی کا پیشہ کب سے معزز پیشہ ہو گیا۔ بھئی جب آسمان کی طرف منہ کر کے تھوکو گے تو تمہارے منہ پر تو پڑے گا ہی۔

وفا کرو گے، وفا کریں گے، جفا کرو گے، جفا کریں گے
ہم آدمی ہیں تمہارے جیسے جو تم کرو گے وہ ہم کریں گے

میرے اس دوست کو اس بات پر بڑا زعم ہے کہ وہ کینیڈا میں 60s میں آیا ہے۔ میں اسے اکثر کہتا ہوں کہ بھائی تم نے 60s میں یہاں آ کر کیا کر لیا۔ 90s میں جو امیگرنٹس یہاں آئے وہ کون سے تم سے پیچھے ہیں۔ انہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوالیا اور تمہیں بہت پیچھے دھکیل دیا۔ تم کہیں نہیں ہو اور وہ ہر جگہ ہیں، تم نے جو مقام لوگوں کو دھوکہ دے کر بنایا تھا وہ ان امیگرنٹس نے لوگوں سے دعائیں لے کر بنایا ہے۔ تمہاری عمارت کی بنیاد کچی تھی اس لیے گر گئی لیکن ان امیگرنٹس کی بنیاد بہت مضبوط ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کی مدد ان کے شامل حال ہے۔

ایک محفل میں میرا یہ دوست اپنے چند حمایتیوں کو اکٹھا کر کے اس محفل میں موجود اخبار کے کالم نگاروں کا مذاق اڑا رہا تھا۔ کہنے لگا کہ آج کل کے کالم نگاروں کے والدین نے بھی کبھی کالم لکھا تھا جو مقامی اخباروں میں کالم لکھ رہے ہیں۔ اس پر میں نے اپنے اس دوست کی عقل پر ماتم کرتے ہوئے کہا کہ یہ ضروری ہے کہ ڈاکٹر یا انجینئر کے والدین بھی ڈاکٹر یا انجینئر رہے ہوں۔ انسان اپنی تعلیم اور صلاحیتوں سے اپنا مقام بناتا ہے۔ مجھ سے نہ رہا گیا تو میں اپنے دوست سے پوچھ بیٹھا کہ

کیا تمہارے والدین بھی دلالی کا کام کرتے تھے؟ نہیں نا! یقیناً وہ شریف آدمی ہوں گے۔ انہیں کیا پتہ تھا کہ ان کی اولاد دلالی کا پیشہ اپنائے گی اور اپنے ساتھ انہیں بھی ذلیل کرے گی۔ میں نے ایک بار اسے پھر کہا کہ آسمان کی طرف منہ کر کے تھوکو گے تو تمہارے منہ پر تو پڑے گا ہی۔

ایک دلچسپ امر کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ میرا یہ دوست ہر جگہ اپنے دوستوں میں بیٹھ کر تمام اخبارات کی برائیاں کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ یہ جہازی سائز کے امریکی اخبار کینیڈا کے ماحول کو خراب کر رہے ہیں۔ ان کے کالم نگار جاہل ہیں، میٹرک پاس ہیں۔ ان اخبارات کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود میرا یہ دوست اپنے دلالی کے پیشے کا اشتہار امریکی اخبار کو ہی دیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس نے ان اخبارات کی حیثیت کو قبول کیا۔ ایک طرف تو وہ کہتا ہے کہ امریکی امپورٹڈ اخبار چند روز کے مہمان ہیں۔ دوسری طرف اپنے اشتہار دے کر ان کے بزنس کو فروغ دیتا ہے۔ کوئی کریکٹر ہوتا ہے انسان کا، میرے دوست کا تو وہ بھی نہیں ہے۔

ایک گاؤں میں ایک حکیم صاحب رہتے تھے۔ صبح سے لے کر شام تک لوگوں کی بڑی تعداد ان کے پاس علاج کی غرض سے آتی تھی۔ ہر وقت رش لگا رہتا تھا۔ حکیم صاحب دنیا بھر کے لوگوں کے علاج کرتے تھے اور لوگوں کو شفاء بھی ہوتی تھی لیکن حکیم صاحب اپنا علاج ایک ڈاکٹر سے کرواتے تھے اور اس کے لیے انہیں شہر جانا پڑتا تھا۔ لیکن اپنے مریضوں سے یہ بات چھپاتے تھے کیونکہ ڈاکٹروں کی برائی اور انگریزی دواؤں کی برائی تو وہ اپنے ہر مریض سے تقریباً روز ہی کرتے تھے۔ اب کس منہ سے کہتے کہ میں اپنا علاج کروانے شہر جا رہا ہوں وہ بھی ڈاکٹر سے۔ انسان ایسی بات کرے ہی کیوں جسے وہ نبھا نہ سکے۔ اس طرح اپنی ہی نظر میں گر کر ساری کمیونٹی میں بدنام کیوں ہو۔

میرے دوست کی ایک عادت ہے کہ وہ دوسروں کی دیکھا دیکھی بہت سارے کام کرتا ہے۔ جیسے میں نے اخبار میں کالم لکھنے کے ساتھ ساتھ شاعری شروع کی خاص کر ایک نظم لکھی جو کہ ''اعتراف'' کے نام سے کئی اخباروں میں چھپی۔ ریڈیو سے نشر ہوئی اور مشاعرے میں سنائی گئی جو

میں نے اپنی بیگم کی خدمات کی اعتراف کے طور پر لکھی تھی۔اس نظم کی خاص بات یہ تھی کہ یہ ان کی زندگی میں لکھی گئی اور انہیں ان کی زندگی میں ہی سنا دی گئی۔ عام طور پر لوگ یہ کام بیگمات کے گزر جانے کے بعد کرتے ہیں اور لوگوں کی طرح اس دوست کو بھی میری یہ لکھی ہوئی نظم بہت پسند آئی اور مجھ سے کہنے لگا یار ایک نظم تم میرے لیے بھی لکھ دو جو میں اپنے نام سے چھپواؤں گا۔ میں نے اسے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ کیا یہ ضروری ہے کہ جو کام میں کروں وہ تم بھی کرو۔جس پر میرا یہ دوست ناراض ہو گیا۔لیکن پچھلے دنوں ایک اخبار میں اس کی ایک چھوٹی سی نظم چھپی ہوئی دیکھی تو مجھے یقین ہو گیا کہ کسی نہ کسی شاعر سے میرا یہ دوست نظم لکھوانے میں کامیاب ہو گیا لیکن یہ بھی سنا ہے کہ میرے اس دوست نے اپنے وطن سے ایک مرحوم شاعر کا شعری مجموعہ تخلص سمیت خرید کر منگوالیا ہے جو مرحوم شاعر کے تخلص کے ساتھ اپنے نام سے چھپوائے گا۔اللہ رے شوق!

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میرے ایک استاد ہوا کرتے تھے اسکول کے زمانے میں ماسٹر شعیب کہتے تھے کہ نقل کرنے کے لیے بھی عقل کی ضرورت ہوتی ہے لیکن میرے اس دوست کے پاس نقل کرنے کے لیے نہ تو عقل ہے اور نہ ہی شکل اللہ تعالیٰ دنیا میں ہی شکل ایسی کر دیتا ہے تا کہ قیامت کے دن ایک ہی طرح کے لوگوں کو جمع کرنے میں آسانی ہو۔میں اپنے اس دوست کے لیے ہمیشہ دعا گو رہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت دے کر وہ دوسروں کی عزت کرنا سیکھے اور دوسروں کی صلاحیتوں کا اعتراف کرے۔خودنمائی سے پرہیز کرے۔کیونکہ جب تک وہ دوسروں کی عزت نہیں کرے گا عزت نہیں پائے گا۔انگریزوں نے بڑی اچھی بات کہی ہے کہ:

Give respect, take respect

ایک اور بات:

First do, then deserve, and then desire.

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایک دوسرے کی عزت کرنے اور عزت کروانے کے قابل بنائے۔

آمین۔

......☆......

14 اگست یومِ آزادی

یوم آزادی کا مطلب کوئی بھی جانا نہیں
کون ہے مخلص یہاں پر کوئی پہچانا نہیں

پوری قوم پچھلے ۵۶ سالوں سے 14 اگست کو یومِ آزادی پاکستان مناتی چلی آ رہی ہے لیکن ہم میں سے کتنے لوگوں نے ایک بار بھی سنجیدگی سے سوچا ہوگا کہ آج کا دن کیوں اہم ہے اور ہمیں اس کو کس طرح منانا چاہیے۔

ہمیں اچھی طرح یاد ہے کہ جب ہم اسکول جایا کرتے تھے تو ۱۴ اگست کے دن ہمارے اسکول میں چھٹی ہوتی تھی۔ یقیناً پورے ملک میں ہی عام تعطیل ہوتی ہوگی لیکن ان دنوں تو ہمیں صرف اپنے اسکول کی چھٹی سے ہی غرض ہوا کرتی تھی' لیکن اس دن تمام اسکولوں کے بچوں کو ایک بڑے گراؤنڈ میں بلایا جاتا تھا پھر سب مل کر قومی ترانہ پڑھتے تھے اور سبز ہلالی پرچم لہرایا جاتا تھا۔

''سلام پرچم وطن سلام پرچم وطن''

اس کے بعد باقاعدہ تقریب کا آغاز تلاوت کلام سے' حمد و نعت کے بعد تقریری مقابلہ ہوتا تھا جس میں طلباء مسلمانوں کی جدوجہد اور قربانیوں کا ذکر کرتے تھے ان شہیدوں کا ذکر کرتے تھے کہ جنہوں نے اپنی جان کا نذرانہ دے کر اس ملک کو بنایا تھا ؂

اے راہِ حق کے شہیدو' وفا کی تصویرو
تمہیں وطن کی ہوائیں سلام کہتی ہیں

کہتے ہیں سبھی لوگوں میں نظر آتا تھا جب بچے گاتے تھے۔

یوں دی ہمیں آزادی کہ دنیا ہوئی حیران

اے قائد اعظم تیرا احسان ہے احسان

تقریری مقابلے کے بعد طلبا میں انعامات تقسیم کیے جاتے تھے' بچے ملّی نغمے گاتے تھے ان میں بھی مقابلہ ہوتا تھا ایک خاص جذبہ حب الوطنی اس کے بعد ہم بڑے ہو گئے لیکن جذبۂ حب الوطنی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ پہلے اسکولوں کی چھٹی پر ہم خوش ہوا کرتے تھے اب ملک میں عام تعطیل پر خوش ہونے لگے۔ ۱۴اگست کے دن ہونے والی تمام تقریبات کا پتہ کرنا ان میں شرکت معمول بن گیا تھا۔ رات کے وقت چراغاں کرنا اور دیکھنا ہماری کمزوری تھی۔ پورے ملک میں جگہ جگہ تقریبات ہوتی تھیں۔ جس طرف سے بھی گزریں رنگ برنگ کی جھنڈیاں لہرا رہی ہوتی تھیں۔ لاؤڈ اسپیکر سے ملی نغموں کی دھنیں سنائی دیتی تھیں۔

یہ وطن تمہارا ہے تم ہو پاسبان اس کے

یہ چمن تمہارا ہے تم ہو باغباں اس کے

تمام سرکاری اور غیر سرکاری عمارتوں پر سبز ہلالی پرچم لہرا رہے ہوتے تھے۔ شائد ہی کوئی ایسا گھر یا بلڈنگ ہو جس پر کہ سبز پرچم نہ لہرا رہا ہو اور ان پرچموں کو لہراتا دیکھ کر اور ان تمام لوگوں کو ایک ساتھ تقریبات میں بیٹھا ہوا دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ جیسے ہر ایک کی زبان پر بس یہی ملی نغمہ ہے۔

اس پرچم کے سائے تلے ہم ایک ہیں ہم ایک ہیں

ساجھی اپنی خوشیاں اور غم ایک ہیں ہم ایک ہیں

اخبارات خاص اشاعت چھاپتے' ریڈیو اور ٹیلی ویژن خاص پروگرام پیش کرتے تھے۔ بہت سے مقامات پر مٹھائیاں تقسیم ہو رہی ہوتی تھیں۔ کہیں کہیں پر تو دیگیں پکتی ہوتیں یا پھر غریبوں میں تقسیم ہوتی ہوئی نظر آتی تھیں۔

مسجدوں میں شکرانے ادا کیے جاتے تھے اور ہاں امام صاحب بھی آج کے اس دن کی اہمیت پر زور ڈالتے اور خاص خاص واقعات بیان کرتے تھے۔ اور آخر میں وطن عزیز کی سلامتی کے لیے اور اس کی ترقی کے لیے خصوصی دعائیں مانگی جاتی تھیں۔

یا رب میرے وطن کا پرچم بلند رکھنا

اپنے کرم کا یوں ہی احسان مند رکھنا

اس دن جو سرکاری تقریبات ہوتیں ان میں سربراہ مملکت ریڈیو' ٹیلی ویژن پر آ کر قوم سے خطاب کرتا۔ کچھ فوجی اعزازات دیے جاتے' کچھ قیدیوں کو رہا کیا جاتا اور وہ قیدی جیل سے رہا ہو کر اپنے گھر والوں سے ملتا تو اسے حقیقی آزادی کیا ہوتی ہے کا مطلب سمجھ میں آتا تو پھر وہ دوسروں کو سمجھاتا۔ کاش کسی کے سمجھانے سے ہمیں سمجھ میں ہی آ جاتا۔

کاش کوئی مجھ کو سمجھاتا

میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا

چونکہ ہم نے نا سمجھنے کی قسم جو کھا رکھی ہے۔ اب زمانہ بدل گیا۔ لوگ وطن سے نکل گئے۔ پوری دنیا میں پھیل گئے لیکن اپنی فطرت نہیں بدلی۔ شہر بدلا' ملک بدلا' حلیہ بدلا' بھیس بدلا' بس نہیں بدلی تو اپنی فطرت۔ دنیا میں جہاں کہیں بھی ہم گئے اپنی حرکت اور فطرت سے پہچانے گئے جو جگہ ہم چھوڑ آئے وہاں تو لوگ کہتے ہیں کہ۔

عزت اسے ملی جو وطن سے نکل گیا

فطرت وہی رہی تیری سب کچھ بدل گیا

کہتے ہیں کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ جاہلوں کے ہاتھ میں قیادت ہوگی اور عالم منہ چھپاتے پھریں گے۔ چونکہ جو اصل عالم ہیں وہ گوشہ نشینی اختیار کرتے جا رہے ہیں اور جو عالم منظر عام پر ہمیں نظر آتے ہیں وہ کیا عالم ہیں اور کیا علم سکھائیں گے یا بتائیں گے۔ طالب علم کو کہ جس کا خود مظاہرہ کر کے وہ نہیں دکھا سکتے کیونکہ ان کے قول اور فعل میں تضاد ہے جب ایک عالم دوسرے عالم کے پیچھے نماز تک ادا کرنے کا روادار نہیں۔ وہ کیسے دوسرے طالب علم کو ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے کی تلقین کر سکیں گے۔ لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ قیامت کے دن آپ سے اتنا ہی پوچھا جائے گا جتنے کہ آپ جواب دہ ہیں۔ بینک کے ایک ادنیٰ ملازم سے یہ کبھی نہیں پوچھا جا سکتا کہ ورلڈ بینک کی پالیسی اتنی غیر مؤثر کیوں ہوئی۔ یا پھر گلی

کے نکڑ پر بیٹھے ہوئے موچی سے یہ کبھی نہیں پوچھا جا سکتا کہ دنیا میں چمڑے کی تجارت کو فروغ دینے میں تم نے کیا کردار ادا کیا۔

جب سے میں کینیڈا میں مقیم ہوں ہر سال یوم آزادی کے موقع پر کچھ نہ کچھ نئی چیزیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ پہلے امیگرنٹس کی تعداد اتنی زیادہ نہیں تھی تو کم تقریبات ہوتی تھیں مگر ہوتی ضرور تھیں کمیونٹی لیول پر۔ پھر رفتہ رفتہ نئے امیگرنٹس آنے شروع ہوئے اور اس طرح رونق میلہ لگنے لگا اور اب تو چند سالوں سے میلے پہ میلہ لگنے لگا ہے۔ اب ان کی تعداد میں ہر سال اضافہ ہو بھی ہو رہا ہے۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ یہاں پر میں اس امر کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ۱۴ اگست یوم آزادی کی مناسبت سے جتنی بھی تقاریب یہاں ہوتی ہیں میں یہی دیکھنے میں آیا ہے کہ چند گلوکاروں اور گلوکاراؤں کو بلا کر ان سے فلمی نغمے سنے جاتے ہیں۔ ساتھ ساتھ چند رقاصائیں رقص پیش کر کے داد وصول کرتی ہیں جبکہ بہتر تو یہ ہوتا کہ پاکستان کے ملی نغمے سنوائے جاتے' قومی ترانے کا تقدس برقرار رکھا جاتا۔ کوئز مقابلے کرائے جاتے جس میں بچے اور بڑے سب ہی شریک ہوتے۔ اس طرح بچوں کو خاص کر جو کینیڈا میں پیدا ہوئے ہیں پاکستان کے بارے میں بہت کچھ جان سکتے۔ لیکن مشورہ بھی کس کو دیں کیونکہ ہر شخص ہی یہاں اپنے آپ میں ایک انجمن ہے۔ جاہل دو طرح کے ہوتے ہیں ایک ہوتا ہے صرف جاہل۔ اس کی تو اصلاح ہو جاتی ہے چونکہ وہ دوسروں سے پوچھ لیتا ہے۔ دوسرا ہوتا ہے جاہل مطلق۔ اسے آتا جاتا کچھ نہیں ہے بس کہتا ہے مجھے سب پتہ ہے۔

۱۴ اگست کے حوالے ے بے شمار چھوٹی چھوٹی تنظیمیں اپنے طور پر علیحدہ علیحدہ تقاریب کرتی ہیں جن میں فنڈ ریزنگ ڈنر کے ساتھ ساتھ میوزیکل پروگرام بھی ہوتا ہے۔ اس میں شرکت کی شرح فی ٹکٹ پچاس ڈالر سے لے کر سو ڈالر تک بھی ہوتی ہے۔ جو ایک عام پاکستانی آسانی سے نہیں خرید سکتا۔ خاص کر نئے امیگرنٹس جو حال ہی میں اپنے پیارے وطن سے آئے ہیں۔ کیسے بے وقوف بنا رہے ہیں یہ لوگ......؟

ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ ان چھوٹی چھوٹی تقاریب کے بجائے ایک شاندار بڑی تقریب منعقد

کی جاتی جس کو سرکاری سرپرستی حاصل ہوتی اور ایک عام پاکستانی اس تقریب میں بغیر کسی داخلہ ٹکٹ کے شرکت کر سکتا اور اپنے آپ کو اپنے وطن کے ماحول میں پاتا۔ اس ملک اور اس شہر میں نیا ہونے کے باوجود وہ اپنے آپ کو ہم وطنوں کے درمیان پا کر راحت محسوس کرتا۔

اس خیال سے کہ ایک پاکستانی ہونے کی حیثیت میں کینیڈا آ کر میں نے اپنے ملک کے یوم آزادی کو منانے کے لیے کیا سوچا کیا چاہا۔ میں ہر نئے آنے والے پاکستانی قونصل جنرل سے ایک بار ان کے دفتر میں جا کر ضرور ملتا ہوں اور انہیں اپنی ناچیز رائے سے آگاہ کرتا ہوں کہ اگر پاکستانی قونصلیٹ کا دفتر ہر سال ۱۴ اگست یوم آزادی کے موقع پر یہ ذمہ داری اٹھا لے کہ تمام پاکستانیوں کو ایک پروقار تقریب میں شرکت کی عام دعوت دے اور کوئی ٹکٹ نہ لگائے تو ایک بہت بڑی تعداد پاکستانیوں کی ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائے گی۔ لیکن افسوس کہ میں آج تک اپنی بات کسی بھی قونصل جنرل صاحب کو سمجھانے میں ناکام رہا ہوں۔

میں آج بھی اور آئندہ کل بھی ہر نئے قونصل جنرل صاحب کا منتظر رہوں گا کہ کوئی تو ہوگا جو میری بات کو سمجھے گا کہ اتفاق میں برکت ہے۔ یہ الگ الگ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانے سے بہتر ہے کہ ایک بڑی جامع مسجد بنا لی جائے۔ میری خدمات موجودہ اور آئندہ آنے والے ہر قونصل جنرل صاحب کو بلا معاوضہ آج بھی حاصل ہے اور آئندہ کل بھی رہیں گی۔

آخر میں میں اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گا کہ ؎

جگ جگ جیے میرا پیارا وطن
لب پہ دعا ہے دل میں لگن

......☆......

جو پیار میرا آ گیا
تو اک نشہ سا چھا گیا

جو کھویا تھا وہ پا گیا
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

جب کسی نے بھی کبھی اپنی پسند کی بات کی
ہر کسی نے ہی کہا کہ تم نے بھی کیا بات کی !

صاحب عام زندگی میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ اگر کسی شخص کو کوئی چیز مل جائے لیکن اسے وہ پسند نہ ہو تو اس کے لیے وہ چیز بیکار رہتی ہے اور ایک ایسی چیز جو دوسروں کے لیے بیکار ہو اور اسے اچھی لگتی ہو تو اس کے لیے اس سے بہتر اور کوئی چیز نہیں۔ کہتے ہیں نا کہ ؎

پسند اپنی اپنی نصیب اپنا اپنا

ایک صاحب کی شادی ایسی خاتون سے ہوگئی جو بہت ہی خوبصورت تھیں لیکن نصیب کے مارے کو کیا کہیے کہ ان کے شوہر کو وہ بالکل ایک آنکھ نہ بھاتی تھیں۔ انہیں بالکل پسند نہیں تھیں۔ دن بھر تو کام کاج کرتے رات کو گھر سے غائب رہتے پتہ کرنے پر معلوم ہوا کہ موصوف ایک کالی کلوٹی کے ساتھ گھومتے ہوئے دیکھے گئے، کبھی سینما دیکھ کر نکلتے ہوئے یا پھر کبھی کسی ریسٹورینٹ سے کھانا کھا کر گاڑی میں بیٹھتے ہوئے۔ آپ نے سنا ہوگا ؎

دل لگی دیوار سے تو پری کیا چیز ہے

ایک دن ان کے ایک بہت ہی بے تکلف دوست نے ان سے پوچھ ہی لیا کہ یار گھر میں تمہارے اتنی خوبصورت بیوی موجود ہے یہ تم کیا چیز ساتھ لیے پھرتے ہو پہلے تو ان صاحب نے ان کی سنی اَن سنی کر دی پھر کچھ اور دوستوں نے بھی اسی قسم کی بات کی تو وہ صاحب اپنے دوستوں سے خفا ہوتے ہوئے بولے کہ اگر یہ بات تم لوگوں کی سمجھ میں آ جاتی تو تم میری جگہ ہوتے۔ میری

جان یہ بات ہے ذرا سمجھنے والی اور سمجھ تم لوگوں میں سے کسی کے پاس ہے نہیں تو اب بھلا بتاؤ کہ ہم تمہیں سمجھائیں بھی تو کیسے۔اس لیے بہتر یہی ہے کہ تم سب اس پر بحث کرنا چھوڑ دو۔تم لوگ بھی خوش رہو اور ہمیں بھی خوش رہنے دو۔یعنی وہ صاحب ٹال گئے اصل وجہ نہیں بتائی۔بات پھر وہیں آ کر رکتی ہے کہ ؎

دل لگی دیوار سے تو پری کیا چیز ہے

اب انسان ہوش میں ہو تو کچھ بتائے بھی وہ تو دوسروں کو غلط اور خود کو درست سمجھ رہا ہے۔

ہماری کمیونٹی میں ایک برادری ہے ''میمن'' کی' جن کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ لوگ کنجوس ہوتے ہیں جبکہ یہ بات غلط ہے دراصل یہ لوگ بڑے آرگنائزڈ ہوتے ہیں۔وقت پر کھاتے ہیں وقت پر سوتے ہیں وقت پر اٹھتے ہیں کوئی وعدہ کر لیتے ہیں تو اسے ضرور نبھاتے ہیں بھلے جان چلی جائے جیسے راجپوت کہتے ہیں کہ جان جائے پر وچن نہ جائے۔

ایسے ہی ایک میمن بھائی کھانا کھا رہے تھے کہ ان کا ایک بڑا بے تکلف دوست آ گیا۔میمن دوست نے آنے والے دوست سے پوچھا کہ ''کھانا کھایا'' دوست نے کہا نہیں۔اس پر میمن دوست نے جواب دیا کہ ''وقت پر کھا لیا کرو''۔

جبکہ ایک اور جگہ ایک صاحب کھانے میں مشغول تھے کہ ان کا ایک دوست آیا تو انہوں نے اخلاقاً کہا کہ کھانا کھاؤ۔تو دوسرے دوست نے مذاقاً کہا کہ میں تو کھاتا ہی رہتا ہوں تم کھاؤ۔یہ سن کر پہلے دوست نے طنز کرتے ہوئے کہا کہ آج تازہ کھا لو اس پر دوسرے دوست نے کہا کہ اچھا ''تم اور تازہ''......؟ ارے بھائی تم تازہ ہضم کر بھی لیتے ہو۔ساری زندگی تو تم نے رات کا بچا صبح گرم کر کے کھایا ہے اب تازہ کھانے لگے ہو۔اللہ خیر کرے۔

مشہور واقعہ ہے کہ ایک بادشاہ اپنے وزیر کے ساتھ سیر پر نکلا۔کچھ ہی دور گیا تھا کہ اسے ایک لڑکی نظر آئی جو اسے بہت اچھی لگی۔معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ وہ کسی فقیر کی بیٹی ہے اس کے والدین سے رشتہ مانگا اور اس طرح بادشاہ کی اس فقیر کی بیٹی سے شادی ہو گئی۔ابھی شادی کو چند دن ہی گزرے تھے کہ وہ فقیر کی بیٹی جو اب ملکہ بن چکی تھی بیمار رہنے لگی۔محل میں عیش و عشرت کی

تمام سہولتوں کے باوجود اس کا محل میں دل نہیں لگتا تھا اور دن بدن وہ کمزور اور لاغر ہوتی جا رہی تھی۔بڑے بڑے طبیبوں کے علاج سے کوئی افاقہ نہ ہوا۔بادشاہ بھی اب اداس رہنے لگا۔اس نے پوری سلطنت داؤ پر لگا دی کہ کسی طرح ملکہ صحت یاب ہو جائے۔بڑی منتیں مانی' بڑے درگاہوں اور خانقاہوں کے چکر لگائے کہیں سے کوئی امید کی کرن نظر نہیں آئی۔ایک دن بادشاہ حسب معمول دربار میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ ایک فقیر کی صدا آئی۔دربار میں حاضری کی اجازت طلب کی جو اسے دے دی گئی۔دربار میں آتے ہی اس نے بادشاہ سلامت سے ان کی پریشانی کی وجہ پوچھی۔جب بادشاہ نے سارا ماجرا لفظ بہ لفظ بیان کر دیا تو اس فقیر نے کہا کہ ملکہ کو کوئی بیماری نہیں ہے وہ بالکل ٹھیک ہے۔بس صرف ان کے کھانے کے انداز کو بدلنا ہوگا۔بادشاہ کے پوچھنے پر فقیر نے بتایا کہ تمام کھانے پینے کی چیزیں جو محل میں پکائی جاتی ہیں محل کے تہہ خانے کی طاقوں پر رکھ دیے جائیں۔دوسرے دن وہ کھانا ملکہ کو کھلایا جائے چونکہ ساری زندگی ملکہ نے رات کے بچے ہوئے کھانے کو دوسرے دن گرم کر کے کھایا ہے اس لیے ان کا جسم اچھے کھانوں کو ہضم کرنے کے قابل نہیں۔فقیر کی باتوں پر عمل کر کے بادشاہ نے ملکہ کی نہ صرف صحت کو دوبارہ بحال کر لیا بلکہ ملکہ پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت اور خوش و خرم نظر آنے لگیں۔

شوز کرنے کے سلسلے میں ہمیں اکثر شہر سے باہر جانا پڑتا ہے اور شوز کے بعد اکثر رات بھی ہوٹلوں میں گزارنی پڑتی ہے جس کے لیے ہمیں کئی کمرے دیے جاتے ہیں۔فی میل آرٹسٹ اپنے اپنے کمروں میں چلی جاتی ہیں جبکہ مرد حضرات رات بھر گپ شپ کرتے گزارتے ہیں اور اس طرح صبح روانگی ہوتی ہے لیکن اس دوران بڑے مزے مزے کی باتیں بھی سننے اور دیکھنے کو ملتی ہیں۔میرے ایک آرٹسٹ دوست ہیں وہ بستر پر نہیں سو سکتے۔جب بھی ان کے کمرے میں جاؤ تو انہیں فرش پر ہی سوتا ہوا پایا ہے۔پوچھنے پر کہنے لگے کہ دراصل میں ایک غریب والدین کا بیٹا ہوں۔ساری زندگی میں نے منجھی (چارپائی) پر گزاری میں دراصل اس کا عادی ہو گیا ہوں اب یہاں کینیڈا میں وہ چارپائی (منجھی) تو ملتی نہیں اس لیے فرش پر ہی لیٹتا ہوں کیا کروں۔کتنے سادہ لوگ ہیں جو زبان پر بات آ گئی کہہ دی نہ کوئی تصنع نہ کوئی بناوٹ۔جو حقیقت ہے سو ہے۔اب ایک

شخص کو سکون فرش پر ملتا ہے تو وہ کیا کرے۔

کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کو اس کی خواہش کے مطابق وہ چیزیں مہیا کر دیتا ہے کہ جس کی وہ تمنا کرتا ہے۔ اگر وہ اللہ کا نیک بندہ ہے تو اسکی ہر خواہش ضرور پوری ہوتی ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ شکر خورے کو شکر اور چٹی خورے کو چٹی'' مل کر ہی رہتی ہے۔ چونکہ انسان خود ایک مٹی کا پتلا ہے اس لیے مرنے کے بعد بھی اسے مٹی میں ہی ملا دیا جاتا ہے۔

(اللہ کی قدرت)

......☆......

جو پوچھ لے کوئی پتہ
تو دے رہا ہوں میں جتا

نہ دینا تم کہیں بتا
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

شرم اس کو مگر نہیں آتی

ہم نے بے غیرت بہت دیکھے مگر اس کی طرح
بے شرم اور بے حیاء بھئی آج تک دیکھا نہیں

کہتے ہیں کہ اگر شکل اچھی نہ ہو تو انسان بات تو اچھی کر لیا کرے۔ میرا ایک بہت ہی اچھا دوست ہے جو کریلا ہے اس پر نیم چڑھا ہے۔ ایک نمبر کا خود غرض ہے اور دوسروں کا بدخواہ لیکن کیا کیجئے اس سے پیار بھی بہت ہے مجھے' چونکہ اُس جیسا مجھے کوئی دوسرا مل ہی نہیں سکتا ویسے بھی دوست کو اس کی اچھائیوں اور برائیوں سمیت اپنانا چاہیے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انسان اپنے دوستوں سے پہچانا جاتا ہے اس لیے میں کوشش کرتا ہوں کہ وہ اپنی ان عادتوں کو ترک کر دے اور ہر جگہ ذلیل ہونے سے بچ جائے لیکن یہ اس کے نصیب میں کہاں۔

اللہ تعالیٰ نے اسے سب چیزوں سے نوازا ہے بس اگر نہیں دی اسے تو ''عزت''۔ کہتے ہیں کہ بے عزتی اس کی ہوتی ہے جس کی کوئی عزت ہو۔ اس لیے اسے اس بات کی قطعی پرواہ نہیں ہوتی کہ ؎

کہتی ہے مجھے خلق خدا غائبانہ کیا

میرا ایک دوست جو خود ہے پچپن (۵۵) کا اور اس کا دماغ ہے بچپن کا۔ اس کے شوق اور خواہشوں نے اسے بھی منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا ہے ؎

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے میرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

ایک دن صبح سو کر اٹھا تو سوچا کہ چلو فلم بناتے ہیں۔اس خیال کے آتے ہی اس نے اخبار میں اشتہار دیا کہ تمام شوقین لڑکے اور لڑکیاں فلاں مقام پر آڈیشن کے لیے آجائیں۔ جب سب لوگ وہاں آ گئے تو ان سبھوں کو ایک ایک فارم پر کرنے کو دیا جس پر لکھا تھا کہ میں اس ویڈیو فلم میں مفت یعنی بلا معاوضہ کام کرنے کو تیار ہوں۔ جب سبھوں نے دستخط کر دیے تو پھر اس نے سبھوں سے کہا کہ تم میں سے کون ہے جو اپنے شوق کی تکمیل کے لیے میری مالی مدد کر سکتا ہے۔ ویڈیو فلم بکنے کے بعد پیسے واپس کر دیں گے۔ جو جتنی زیادہ رقم دے گا' اسے رول بھی اتنا ہی بڑا ملے گا۔ چونکہ ہیرو اس فلم کا میں خود ہوں اس لیے اسے چھوڑ کر باقی کے تمام کرداروں کے ریٹ یہ ہیں:

ولن کے لیے ڈھائی ہزار ڈالر

کامیڈین کے لیے دو ہزار ڈالر

نوکر کے لیے ایک ہزار ڈالر

اور ہیروئن کے لیے فری

چونکہ ہمیں ہیروئن چاہیے بھی فری۔فلم کے مکمل ہونے کے بعد۔

ایک رعایت یہ ہے کہ اگر آپ اپنے پاس سے رقم نہیں لگا سکتے تو اسپانسر سے لے آئیں' جیسے اگر ۵۰۰'۱ ڈالر آپ اپنے لگا سکتے ہیں تو ۰۰۰'۱ ڈالر آپ کسی اسپانسر سے لے لیں ہم ان کی دکان یا کاروبار کی جگہ پر شوٹنگ بھی کر لیں گے۔ خیر چند لوگ اس کی باتوں میں آ گئے اور کچھ رقم لے آئے اور کچھ اسپانسرز۔ ویڈیو فلم بن گئی۔تمام آرٹسٹوں کو اپنے گھر کے بیسمنٹ میں بلا کر دکھایا اور کہا کہ اسے بیچنے کی کوشش کر رہا ہوں' جیسے ہی فلم بکے گی آپ لوگوں کی رقم واپس کر دی جائے گی۔وہ دن ہے اور آج کا دن ہے نہ اس فلم کے بارے میں کسی نے سنا اور نہ دیکھا گیا۔ وہ فلم میرے اس دوست کے بیسمنٹ سے اوپر نہ آ سکی۔آخر ایسا کیوں نہ ہوتا۔جس فلم کا رائٹر' ڈائریکٹر' پروڈیوسر اور ہیرو وہ خود تھا اس کا انجام اس کے سوا اور کیا ہونا چاہیے تھا۔ مجھے تو ترس آتا ہے ان بھولے بھالے نوجوانوں پر جو میرے اس دوست کی باتوں میں آ کر اپنی رقم گنوا بیٹھے۔ نہ جانے ایسا کھیل یہ میرا دوست کب تک کھیلتا رہے گا۔اس نے یہ حرکت کئی بار کی۔ بات یہاں ختم ہو جاتی

تو اچھا تھا۔ میرا یہ دوست دل پھینک بھی واقع ہوا ہے۔ ویڈیو فلم کی تکمیل کے بعد اس فلم کی ہیروئن سے وہ یہ کہنا بھی نہیں بھولتا کہ اگر میں شادی شدہ نہ ہوتا تو تم سے شادی کر لیتا۔ وہ بے چاری بھولی بھالی لڑکیاں اس کی اس بات کو سچ سمجھتیں اور پھر یہ جو کہتا وہ وہی کرتیں۔ فلم کی شوٹنگ کے دوران اپنی پیٹھ سے ہیروئن کی پیٹھ ملا کر چند تصویریں بنواتا اور پھر بڑے سائز کا پوسٹر بنوا کر گھر کے بیسمنٹ میں لگاتا اور خوش ہوتا۔ وہ تو بھلا ہو ان لڑکیوں کا جو اس کی باتوں میں نہیں آئیں ورنہ یہ اپنا بھی گھر برباد کرتا اور انہیں بھی۔

میرا ایک دوست ہے اس کو بہت بڑی غلط فہمی یہ ہے کہ وہ دنیا کا سب سے عقل مند ترین انسان ہے جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ کالا ہونا کوئی جرم نہیں لیکن کالے ناگ جیسی حرکت کرنا جرم کے مترادف ہے۔ میں اور میرا یہ دوست ایک تقریب میں ساتھ ساتھ کھڑے تھے کہ ایک دل جلا آیا اور اس نے ازراہ مذاق میرے اس دوست کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا کہ اگر کہیں میرا یہ دوست نظر آئے اور کوئی کالا ناگ تو کالے ناگ کو چھوڑ دینا اس دوست کو مار دینا چاہیے کیونکہ کالے ناگ کا زہر اتنا زہریلا نہیں ہے جتنا کہ میرا یہ دوست ہے۔ یہ سن کر کبھی کبھی مجھے خود پر بھی بڑا غصہ آتا ہے کہ میں نے اسے اپنا دوست بنانے میں کوئی غلطی تو نہیں کی۔

ایک بہت ہی قریبی دوست ہے میرا جب بھی ملے گا دوسروں کی برائی کرنا شروع کر دے گا اور آخر میں یہ نصیحت کر کے اجازت چاہے گا کہ یار تم ہماری غیبت کسی سے نہ کرنا چونکہ اسلام میں اس کی اجازت نہیں۔ گویا کہ وہ جو دوسروں کی شکایت اور برائی بیان کر رہے تھے اس کی خاص اجازت انہوں نے اللہ میاں سے لے لی ہے شاید جس کی دوسروں کو اجازت نہیں۔ وہ جو کرتے ہیں دوسروں کی وہ برائی ہے ان میں۔ اس لیے وہ غیبت نہیں۔ان کی شکایت ہے اور جو لوگ ان کے بارے میں دوسروں سے کہتے ہیں وہ سو فیصد غیبت ہے۔ کاش وہ یہ جان سکتا کہ ۔

کہتی ہے اُس کو خلق خدا غائبانہ کیا

کہتے ہیں نا کہ اگر گڑ نہ دو تو گڑ جیسی بات تو کرو۔ لیکن یہ ساری باتیں مجھے ہی کیوں معلوم ہیں میرے اُس دوست کو کیوں نہیں۔ اور اگر میرے ان دوستوں کو یہ بات معلوم نہیں ہے تو پھر

انہیں کون بتلائے گا۔

میرا ایک اور قریبی دوست جو دنیا کا ہر وہ کام کر چکا ہے جس سے دوسروں کو نقصان اور اس کو فائدہ پہنچتا ہو۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اگر اس کو ایک ڈالر کا فائدہ ہو رہا ہو کسی کام کے کرنے میں اور اسی کام کے کرنے سے کسی دوسرے کا ہزار ڈالر کا نقصان ہو رہا ہو تو وہ اپنے ایک ڈالر منافع کی خاطر دوسرے کے ہزار ڈالر نقصان ہونے کی کوئی پرواہ نہیں کرے گا۔ اگر اس سے پوچھو کہ یار تم نے ایک ڈالر کی خاطر کسی کا ہزار ڈالر کا نقصان کروا دیا تو اس کے جواب میں وہ کہے گا کہ اس کا اگر ہزار ڈالر نقصان نہ ہوتا تو کیا وہ مجھے اس میں سے ۵۰۰ ڈالر دے دیتا۔ نہیں نا! تو پھر میں اپنے ایک ڈالر کی حفاظت کیوں نہ کروں۔ اس کے ہزار ڈالر جاتے ہیں تو جائیں۔ مجھے کیا۔ اللہ کی پناہ ہے میرا یہ دوست۔

میرا ایک دوست شوبزنس میں مجھ سے بہت سینئر ہے لیکن اپنی بدقسمتی کی وجہ سے آج تک اس کی کوئی پروڈکشن، ریڈیو، ٹیلی ویژن یا فلم کی زینت نہیں بن سکی۔ نہ اس کی شکل ٹیلی ویژن کے کسی ڈرامے میں کسی نے دیکھی اور نہ کسی فلم میں وہ کام کر سکا۔ جبکہ اس کے بعد آنے والے بہت سے فنکار، اسٹیج، ریڈیو، ٹیلی ویژن پر ڈرامے کرنے کے علاوہ بھارت سے ریلیز ہونے والی فلم میں بھی کام کر کے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا چکے ہیں۔ اب تو میں اس سے صرف یہی کہتا ہوں کہ

جا اپنی حماقتوں پر آنسو بہا کے سوجا

......☆......

اسٹیج شوز اور ہم

ہم نے دیکھے اور کیے ہیں شوز جس اسٹیج پر
اس کو جانے لوگ لے آئے ہیں کس اسٹیج پر

صاحب بچپن سے لے کر آج تک بے شمار شوز دیکھے، پھر کرائے اور اب چند سالوں سے شوز کر رہا ہوں۔ پہلے شوز دیکھ کر گھر چلے جایا کرتے تھے۔ لیکن اب شوز کر کے تمام آرٹسٹوں کو ان کے گھر بھیج کر اپنے گھر جانا پڑتا ہے۔ اس کی چند معقول وجوہات ہیں جن کا ذکر میں آگے چل کر کروں گا۔

اچھے اور برے لوگ ہر ملک، ہر شہر اور ہر گاؤں میں ہوتے ہیں۔ اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ لوگوں سے کس طرح ڈیل کرتے ہیں۔ اچھے سے اچھا شخص بھی آپ کی کسی بات سے ناراض ہوسکتا ہے اور برے سے برا شخص بھی آپ کی اچھی بات سے آپ کا گرویدہ ہوسکتا ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ 70s میں جب ہم اپنے محلے کے خالی پلاٹ پر ٹینٹ لگا کر شوز کیا کرتے تھے تو جہاں بہت سی دشواریاں پیش آتی تھیں وہاں کچھ دلچسپ واقعات بھی رونما ہوتے تھے۔ ان شوز میں جو فنکار حصہ لیتے تھے ان میں معین اختر، مجیب عالم، اسمٰعیل تارا، صلاح الدین صلو، روحانی بانو، سلوی اور فرید خان کے نام قابل ذکر ہیں۔

ایک شو جو ہم محلے میں ٹینٹ لگا کر کر رہے تھے شو شروع ہونے سے قبل جوں ہی فنکاراؤں کی آمد شروع ہوئی تو دوسرے محلے کچھ شریر لڑکے باہر جمع ہو گئے اور عجیب عجیب آوازیں نکالنے لگے۔ ان کا مطالبہ تھا کہ ان فنکاراؤں کو باہر نکالو ہم انہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ میں چونکہ آرگنائزنگ کمیٹی کا ممبر تھا اس لیے مجھ پر کچھ ذمہ داریاں بھی تھیں اس طرح میرا فرض بھی بنتا تھا میں ان شریر لڑکوں

کے پاس گیا اوران لوگوں کو اپنے ساتھ ٹینٹ کے اندر لے آیا۔ سب کو والنٹیئر بنا کر ان کے کالروں پر مختلف رنگ کے بیجز لگا دیے۔ اب چونکہ انہیں اتنی عزت دے دی جس کے وہ مستحق نہیں تھے ان کا رویہ ایک دم تبدیل ہو گیا۔ انہوں نے گیٹ کے اور مہمانوں کو بٹھانے کے انتظامات بھی سنبھال لیے۔ ان میں سے چند جو ذرا شوقین مزاج تھے انہوں نے فنکاراؤں کے ساتھ تصویریں کھنچوانے کی خواہش ظاہر کی جو میں نے فوراً پوری کر دی۔ اپنے فوٹو گرافر کو بلوا کر۔ شو بخیریت تمام اپنے اختتام کو پہنچا تو میرے محلے کے والنٹیئرز میں سے ایک نے آ کر مجھ سے سوال کیا کہ آپ نے ان ٹکے ٹکے کے لڑکوں کے ساتھ ان فنکاراؤں کی تصویریں بنوائیں اور ہم جو اس شو کو کامیاب بنانے میں شب و روز محنت کرتے رہے ان کی تصاویر آپ نے نہیں بنوائیں۔ یہ سن کر میں نے جواب دیا کہ دراصل مجھے تم سے کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا لیکن ان لوگوں سے تھا کیونکہ اگر ان میں سے کوئی بھی اپنی شرارت سے کسی بھی فنکارہ کو کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا تو میرے پاس ان کی تصویریں موجود ہونی چاہئے تھیں جو پولیس کے حوالے کی جا سکتیں۔ اب آئی بات سمجھ میں! میرا یہ والنٹیئر دوست ہنستا ہوا چلا گیا اور جاتے جاتے کہہ گیا کہ آپ صحیح جا رہے ہیں۔ مان گئے استاد مان گئے۔ پھر ہر سال شوز ہوتے رہے اور لوگوں کی دلچسپی بھی بڑھتی رہی۔ کچھ اور وقت گزرا اب 83 میں جب وحید مراد کا انتقال ہوا تو وحیدی کلب کے ساتھ آل پاکستان وحید مراد آرٹ سرکل کا قیام عمل میں آیا جس کا میں صدر منتخب ہوا۔ ہر سال وحید مراد ایوارڈ کی تقریب منعقد ہوتی جس میں فنکاروں کو ایوارڈز دیے جاتے۔ یہ تقریب بڑے آڈیٹوریم میں ہوا کرتی تھی۔ آخری ایوارڈ جو کہ نویں اور دسویں تقریب تھی میں میں موجود تھا جس میں آغا طالش اور حکیم سعید بھی موجود تھے۔ اداکار لہری اپنی علالت کے باوجود میرے ساتھ ہی تقریب میں شرکت کے لیے گئے تھے۔ بشریٰ انصاری اس پروگرام کی ایم سی تھیں اور اداکار ندیم، غلام محی الدین، عثمان پیرزادہ، ثمینہ پیرزادہ ، طاہرہ واسطی، رضوان واسطی، ہمایوں قریشی وغیرہ سب اس تقریب میں موجود تھے۔ ان پروفیشنلز کے ساتھ کام کرنے کا جو مزہ تھا وہ آج کہاں............؟

جب میں کینیڈا آیا تو کچھ عرصے کے بعد میں نے سوچا کہ یہاں کچھ کام کیا جائے۔ ہر

طرف نظر دوڑائی، ایک دو شوز دیکھنے گیا تو اندازہ ہوا کہ یہاں اگر میں اس سلسلے میں کوشش کروں تو لوگوں کو ایک دلچسپ اور پروفیشنل تبدیلی محسوس ہوگی۔ اس خیال سے پہلے شو میں جب میں نے پرفارم کیا تو بہت پذیرائی ملی جس سے اندازہ ہوا کہ لوگوں میں ''سینس آف ہیومر'' بہت ہے اور کافی عرصے سے لوگ اچھی کامیڈی کو ترس رہے تھے۔ پھر میں نے باقاعدہ ''جوکس'' لکھنے شروع کیے اور مختلف پروگراموں میں سنانے لگا۔ پھر جب کمپیئرنگ کی طرف توجہ دی تو محسوس ہوا کہ وہاں پر بھی اچھے جملے بولنے والوں کا فقدان ہے۔ پھر اس طرف بھی توجہ دی اور آج ساری صورتحال آپ کے سامنے ہے۔

ان ہی دنوں کے ایک بینکوئیٹ ہال کے شو کا حال سناؤں۔ ایک آرگنائزیشن نے مجھے ایک پاکستان ڈے کے شو میں کامیڈی کے لیے بک کیا اور اس پروگرام کے ایم سی ان کے داماد تھے۔ اس پروگرام میں سابق قونصل جنرل افتخار آرائیں اور پی آئی اے کے جنرل منیجر جاوید حکیم صاحب بھی موجود تھے۔ پروگرام کے آغاز میں اس پروگرام کے ایم سی مائیک پر جا کر کچھ اس طرح شروع ہوئے ''معزز خواتین و حضرات اب آپ کا قومی ترانہ بجایا جائے گا، آپ سب اس کے احترام میں ''بے ادب'' کھڑے ہو جائیں۔ سارے حال نے شور مچانا شروع کر دیا کہ ''با ادب، با ادب...... بے ادب نہیں ہے اور بے ادب......'' اب تو وہ صاحب بڑا جھینپے۔ جب کوئی کام نہیں آتا تو انسان پہلے سیکھے، پھر کرے یا پھر اسے کرنے دے جس کا یہ کام ہے۔ (شوق دا کوئی مول نہیں)۔ شوق ہے ذلیل ہونے کا تو انسان کیا کر سکتا ہے۔ ذلیل ہونا تھا سو ہو گئے۔ پھر بھاگے ہوئے آئے ان کے سسر جو اس پروگرام کے آرگنائزر تھے مجھ سے کہنے لگے کہ بیٹا اس کو ذرا لکھ دو صحیح جملے اور زیادہ تر تم اناؤنسمنٹ کرو۔ ان کی بزرگی کا خیال کرتے ہوئے مجھ سے جو کچھ بھی ہو سکا میں نے کیا۔ بات پاکستان ڈے کی مناسبت سے پاکستان کی عظمت کا بھی تو خیال تھا۔

ایک صاحب ہیں جو ریڈیو پروگرام کرتے ہیں۔ ایک گھنٹہ کے اس پروگرام کے بعد سارا دن ادھر ادھر مارے مارے پھرتے ہیں اسپانسرز کی تلاش میں۔ نہ معلوم وہ گھر کب پہنچتے ہیں اور رات سوتے بھی ہیں یا جاگتے ہی رہتے ہیں کہ کب صبح اور اسپانسرز کی تلاش میں پھر نکل کھڑے

ہوں۔ایک دن ملے تو کہنے لگے کہ کچھ اسپانسرز دلوائیں۔میں نے ان سے کہا کہ بھائی اسپانسرز دلوانے کا مطلب یہ ہوتا ہے میری نظر میں کہ پیسہ دلوائیں۔یعنی بھیک چاہیے آپ کو اس طرح کیوں نہیں کہتے۔تو کہنے لگے کہ میں سوچ رہا ہوں کہ ایک شو کروں۔میں نے کہا کہ آپ سے ریڈیو تو چلتا نہیں ہے ٹھیک سے اور نہ ہی گھر۔آپ یہ شو کا خیال دل سے نکال دیں آپ کے بس کا نہیں ہے۔کہنے لگے نہیں نہیں اگر آپ میرے ساتھ کو آپریٹ کریں تو یہ ہوسکتا ہے۔میں نے کہا کہ آپ مجھ سے کیا توقع کرتے ہیں۔کہنے لگے اسپانسرز دلوا دیں تو پھر آپ ہمارے پروگرام کے ایم سی ہوں گے۔میں نے کہا کہ اگر میں اسپانسرز ڈھونڈ لوں تو یہ شو میں خود ہی نہ کرلوں، آپ کو کیوں شامل کروں۔انہیں میں نے سمجھایا کہ میرے بہت سے دوست اسی شہر میں رہتے ہیں لیکن آج تک میں کسی کے پاس اسپانسرشپ کے لیے نہیں گیا۔مجھے ایسا لگتا ہے کہ جیسے انسان بھیک مانگ رہا ہو۔اگر نوبت بھیک مانگنے کی سی آجائے تو انسان کو دعا کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور کم از کم اس دنیا سے اٹھالے۔آمین۔چلتے چلتے ان سے میں نے کہا کہ میں آرٹسٹ ہوں اسٹیج کا کام میں سنبھال لوں گا لیکن یہ اسپانسر حاصل کرنا اور ٹکٹ بیچنا میرا کام نہیں ہے۔لیکن ان کے سمجھ میں میری بات شاید آئی نہیں۔ہر ماہ فلائر بناتے ہیں شو کرنے کا اعلان کرتے ہیں پھر منسوخ کردیتے ہیں۔اب لگتا ہے کہ جیسے وہ کہہ رہے ہوں ؂

ارادے باندھتا ہوں، سوچتا ہوں، توڑ دیتا ہوں
کہیں ایسا نہ ہوجائے کہیں ویسا نہ ہوجائے

فقیر بھی جب صبح صبح اپنے ٹھیئے پر بھیک مانگنا شروع کرتا ہے تو ایک رومال بچھا کر چند سکے اپنی جیب سے اس پر ڈال دیتا ہے تاکہ لوگوں کا موڈ بنے اور خیرات دیں۔ان کے پاس تو وہ بھی نہیں ہے شائد:

''ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے''
شوز جو کرتے نہیں وہ شور کرتے ہیں ضرور
بور جو ہوئے نہیں وہ بور کرتے ہیں ضرور

http://www.kitaabghar.com

پچھلے دنوں ایک اور دلچسپ تجربہ مجھے ہوا۔ایک شو کے سلسلے میں پروگرام آرگنائزرز نے مجھے بلایا۔دو میٹنگیں ہوئیں۔بات کچھ آگے بڑھی لیکن تیسری میٹنگ میں کینیڈا کے آرگنائزرز اپنی مصروفیات کا بہانہ کر کے کام پر چلے گئے اور مجھے جن دو افراد کے حوالے کر گئے انہوں نے اپنا تعارف کچھ اس طرح کرایا کہ جیسے وہ حال ہی میں اپنے وطن سے یہاں آئے ہیں۔خیر صاحب بات جب آگے بڑھی تو ایک صاحب نے کہا کہ جو فنکارائیں آپ کے پاس ہیں ان سے ہماری ملاقات کرائیں۔میں نے ان سے کہا کہ جس دن ریہرسل ہوگی اس دن آپ ان سے مل بھی لیجیے گا اور سن بھی لیجیے گا۔پھر دوسرا سوال انہوں نے مجھ سے یہ کیا کہ یہ فنکارائیں کتنے گھنٹے کے لیے میرے پاس آئیں گی۔میں نے وضاحت سے کہا کہ آپ کے پاس نہیں شو میں آئیں گی اسٹیج پر اور شو ختم ہونے کے بعد چلی جائیں گی۔اس پر وہ برہمی سے کہنے لگے کہ بھئی ہم تو جب اپنے وطن میں شوز کراتے ہیں تو فلمی اداکارائیں جن میں انہوں نے دو ایک کا نام بھی لیا اور کہا کہ وہ تو رات بھر ہمارے پاس مہمان رہتی ہیں۔یہ سن کر مجھ سے نہ رہا گیا۔میں نے کہا کہ ہمارے پاس سب آرٹسٹ گھر بار شوہر اور بال بچے دار ہوتی ہیں۔اپنے شوق اور ضرورت کی تکمیل کے لیے پروگراموں میں حصہ لیتی ہیں۔چونکہ ان کے اندر ٹیلنٹ ہے وہ اس ٹیلنٹ کو پیش کرتی ہیں۔آپ نے شاید غلط آدمی کو پروگرام کے لیے بلا لیا ہے۔میں اٹھ کر کھڑا ہوا تو کہنے لگے ارے بھئی میں تو مذاق کر رہا تھا آپ نے تو دل پر لے لیا۔میں نے کہا کہ ایسی باتیں میں مذاق میں بھی سننا پسند نہیں کرتا۔یہ کہہ کر میں جب باہر آیا تو میرے ذہن میں ایک بات آئی کہ یہی وجہ ہے کہ شریف خاندان کی بہت سی ٹیلنٹڈ لڑکیاں اپنی فنکارانہ صلاحیتوں کے باوجود میدان چھوڑ گئی ہیں کہ ان بھیڑیوں کے منہ کون لگے۔بعد میں پتہ چلا کہ ان کے اپنے قبیلے کے کسی صاحب نے اس شو کو کیا جو ان کے معیار پر پورا اترتے تھے۔اللہ تعالیٰ سب کے گھروں کو ان درندہ صفت بھیڑیوں سے محفوظ رکھے۔آمین۔

تم ہی کو مبارک میرے دوستو
مجھے ایسی دنیا نہیں چاہیے

جو پیار تو کرے صنم
تو ساتھ دوں جنم جنم

میں تیرا ہوں تیری قسم
مذاق ہی مذاق میں

○○○

خودساختہ ایوارڈ

پہلے جوخودساختہ فنکار کے، جھنکار تھے
اب وہی خودساختہ ایوارڈ بھی لینے لگے

میں اپنے بہت ہی اچھے دوست کے گھر جب پہلی بار گیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کے کمرے کی ایک دیوار پر اس قدر ایوارڈز، پلیگز اور سرٹیفیکٹس لگے تھے جو شاید ہی کسی کے حصے میں آئے ہوں۔ مجھ سے رہا نہیں گیا، پوچھ بیٹھا کہ یہ تمام ایوارڈز، پلیگز اور سرٹیفیکٹس تم نے خود حاصل کئے ہیں یا خاندان بھر کے اس دیوار پر لگا دیئے ہیں۔ میرا یہ دوست مسکرایا اور کہنے لگا تمہیں آم کھانے سے مطلب ہونا چاہئے پیڑ گننے سے نہیں۔ میں اس کے اس جواب سے مطمئن نہیں تھا۔ جیسے ہی وہ چائے وغیرہ لینے اندر کی طرف گیا میں نے اُٹھ کر تمام ایوارڈز، پلیگز اور سرٹیفیکٹس پر نظر ڈالی تو مجھے اندازہ ہوا کہ ان میں بیشتر تو نام نہاد ہیں۔ اس آرگنائزیشن کے نام ہیں جو سرے سے موجود ہی نہیں ہیں۔ نہ میں نے کبھی ان کا نام سنا۔

اتفاق سے میرے اس دوست کے بہنوئی سے کھانے کی میز پر بات ہوئی تو میں نے مذاق ہی مذاق میں ان سے اپنے دوست کے ان ایوارڈز کا ذکر کیا تو وہ مسکرائے اور کہنے لگے کہ ایک ہی تو شوق ہے میرے اس سالارِ اعظم کا۔ مختلف رنگ اور روپ کے پلیگز جمع کرنا، طرح طرح کے ایوارڈز خریدنا اور مختلف کمپنیوں کے نام سے سرٹیفیکٹ جمع کرنا۔ ہم لوگ بھی اس کے اس شوق کو انجوائے کرتے ہیں۔ اپنی اس حرکت کو وہ خود بھی انجوائے کرتا ہے کسی کا کیا بگاڑتا ہے۔ آپ بھی انجوائے کیجئے اور اس کا دل نہ دکھایئے۔

مجھے یاد ہے کہ جب میرے دوست معین اختر کو حکومت نے پرائیڈ آف پرفارمنس کا ایوارڈ دیا تھا تو اس پر تبصرہ کرتے ہوئے معین اختر نے کہا تھا کہ آج مجھے اس ایوارڈ کے ملنے کی خوشی بھی ہے اور دکھ بھی۔ خوشی اس بات کی ہے کہ آخر ان لوگوں نے اس بات کو مان ہی لیا کہ میں اس ایوارڈ کا واقعی حق دار ہوں لیکن دکھ اس بات کا ہے کہ جس بھاؤ سے یہ ایوارڈ دیئے جا رہے ہیں یہ عمل اس کی اہمیت کو کم کر دے گا۔ معین اختر کی اس بات میں بہت وزن ہے۔ کاش لوگ سمجھ سکتے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہر ورائٹی شو کے بعد پروگرام کے آرگنائزرز پروگرام میں پرفارم کرنے والے فنکاروں، والنٹیئرز تک کو سرٹیفیکیٹ اپنے دستخطوں سے دیتے ہیں۔ مجھے آج تک یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ ان کی کیا حیثیت ہے جو وہ اس قسم کے سرٹیفیکیٹ اپنے فنکاروں کو دیتے ہیں یا ان سرٹیفیکٹس کی اپنی کیا حیثیت ہے جو فنکار اپنے گھر کی دیوار پر فریم کر کے لگواتے ہیں۔ ان میں بعض آرگنائزر دوسرے آرگنائزر سے سبقت لے جانے کے لئے کسی منسٹر یا ایم پی کے دستخط کی مہر اس کے دفتر جا کر ان سرٹیفیکٹس پر لگواتے ہیں۔ اس منسٹر یا ایم پی کو پتہ بھی نہیں ہوتا کہ کسی کو میرے دستخط والی مہر سے APPRECIATION سرٹیفیکٹ جاری کیا گیا ہے۔ اور اگر اس کو بتا دیا گیا تو اسے اس بات کی قطعی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ ایسا کیوں کیا گیا چونکہ اسے معلوم ہے کہ اس سے کچھ ہونا ہوانا تو ہے نہیں۔ اگر لوگ اس طرح خوش ہو جاتے ہیں تو ہو لینے دو۔ میرا کیا جاتا ہے۔ آج کل P.O.P ایوارڈز کی وباء پھیلی ہوئی ہے۔ لوگ خود ایوارڈ بنوا لیتے ہیں۔ ایک تقریب جیسے تیسے منعقد کرتے ہیں اور کسی بڑے افسر کو بلوا کر اس کے ہاتھ سے ایوارڈ لے لیتے ہیں۔ اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوتی ہے۔ جب کہ کوئی بھی شخص جس کا تعلق کسی بھی ملک سے ہو اپنے ملک کے نام کے ساتھ کوئی بھی جملہ جوڑ لے اور اس کو اپنا ایوارڈ بنا لے اور اپنے آپ کو اس ایوارڈ کا جائز حق دار سمجھ لے اس سے کیا ہوتا ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہوتا ہے کہ اس کو علاج کی سخت ضرورت ہے۔

یہ P.O.P کا لفظ بھی عجیب ہے۔ جیسے PRINCE OF PAKISTAN یا پھر PILLAR OF PAKISTAN، یہ ایوارڈ حکومتی سطح پر دیئے جاتے ہیں نہ کہ عام گلیوں یا

بازاروں میں بکتے ہیں جو چاہے خرید لے اور اپنے گھر کی دیوار پر سجا لے۔ کل کلاں کو یہ بھی سننے کو ملے گا کہ کسی نے اپنے اپنے لئے ''نشانِ حیدر'' کا پلیگ بنوا لیا ہے۔ اور کسی تقریب میں کسی آفیسر کو بلا کر لے لیا۔ تصویر کھنچوالی اور تمام اخبارات میں شائع کروا دیا۔ اس قسم کے ایوارڈز لینے اور دینے والے دونوں کو یہ سوچنا چاہیئے کہ ہم کیا ریت ڈال رہے ہیں۔ اگر ایوارڈ اسی طرح لوگ لیتے اور دیتے رہے تو اصل حق دار تو میرے والدِ محترم ہوئے۔ چونکہ ان کا نام اسعد فخر الدین حیدر تھا۔ تو گویا وہ ''فخرِ پاکستان'' ہوئے۔ اور میرا نام چونکہ فیاض حیدر ہے اس لئے میں تو ''نشانِ حیدر'' کا مستحق ٹھہرا۔

ہمارے ایک دوست ہیں انہیں بھی عجیب وغریب شوق ہے، کبھی اداکاری کرتے ہیں، جب اس میں کوئی RESPONCE نہیں ملا تو سوچا چلو دلالی کرتے ہیں۔ اس سے دل بھر گیا تو اب سیاست میں کودنے کا شوق انہیں سونے نہیں دیتا۔ نہ جانے اور کیا کیا شوق ہیں ان کے دل میں جو رفتہ رفتہ پورے کرنا چاہتے ہیں۔ کہتے ہیں نا کہ

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے

اسی سیاست میں کودنے کے شوق نے انہیں ایک تقریب منعقد کرنے پر مجبور کر دیا۔ اپنے چند دوستوں کو تیار کیا کہ ساتھ دو گے نا۔ دوست بولے برے وقت میں اپنے ہی ساتھ دیتے ہیں۔ ایک دوست نے تقریب کو سجانے میں ان کی مالی مدد بھی کی اور دو ہزار ڈالر ان ہاتھ پر رکھے کہ چلو اپنا شوق پورا کر لو لیکن وہ دوست بڑا سچا نکلا۔ جب اسٹیج پر اس کے بولنے کی باری آئی تو سچ اس کے منہ سے نکل گیا اور اس نے اپنے دوست کی اصلیت حاضرین کو بتا دی۔ کہنے لگا کہ ایک سیاست دان کو چیٹر، جھوٹا اور لیس مین ہونا چاہیئے۔ یہ خصوصیت میرے اس دوست میں حد درجہ موجود ہیں۔ اس لئے اس کو ایک کامیاب سیاست دان سمجھتا ہوں۔

سچ بہت کڑوا ہوتا ہے۔ کاش ہمارے لوگ سچ کہنے اور سچ سننے کی عادت ڈالیں۔ کیوں کہ جھوٹ کی زندگی بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ آج نہیں تو کل حق کا ہی بول بالا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندے کے منہ سے بھری محفل میں سچ کہلوا کر اپنے بندوں کو پیغام دیتا

ہے کہ اب بھی وقت ہے سدھر جاؤ۔لیکن جس کے نصیب میں سدھرنا ہوگا وہ سدھر جائے گا ورنہ ذلیل وخوار ہوگا۔اس جہان میں بھی اور اُس جہان میں بھی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیکی کرنے اور نیکی پرعمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

سو برس کی زندگی میں ایک پل
تو اگر کر لے کوئی اچھا عمل
تجھ کو دنیا میں ملے گا اس کا پھل
آج جو کچھ بوئے گا کاٹے گا کل

......☆......

وہ آ گئے تھے رات کو
سمجھ گئے تھے بات کو

جگایا میری ذات کو
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

رشتہ لگانا

یوں تو ہے رشتہ لگانا خیر سے نیکی کا کام
بن کے پیشہ ہو گیا ہے کام اب اس کا تمام

ایک زمانہ تھا کہ جب کسی کے گھر لڑکی جوان ہونی شروع ہوتی تو جتنی فکر ان کے والدین کو ہوتی تھی اس سے کہیں زیادہ محلے والوں کو ہوتی تھی کہ غیر کی بچی ہے جتنی جلدی اپنے گھر آباد ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے۔بڑی بوڑھی عورتیں جب اُس گھر میں جاتیں تو بچی کو اچھی نصیحتیں کرتیں۔بچیاں بھی ان کی باتوں کو غور سے سنتیں جس کے بدلے میں وہ بوڑھی عورتیں اس کو ڈھیر ساری دعائیں دیتیں، کچھ اس طرح کہ ”دودھوں نہاؤ پوتوں پھلو“ وغیرہ وغیرہ۔یہ بات یہاں ختم نہیں ہو جاتی وہ عورتیں ان عورتوں سے ملتیں جن کے گھر لڑکے پروان چڑھ رہے ہوتے تھے۔ان لڑکوں کے والدین سے چند بچیوں کا ذکر کرتیں ان کی اچھائیاں بیان کرتیں پھر بات کچھ آگے بڑھتی تو پھر رشتہ طے کروا کر ان لوگوں کا گھر بسا دیتیں۔اور پھر اللہ تعالیٰ کے حضور سر بہ سجود ہوتیں۔شکرانہ ادا کرتیں۔انہیں خوشی اس بات کی ہوتی تھی کہ انہوں نے ایک لڑکی کا رشتہ کروا کر ایک والدین کی مدد کی اس طرح یہ نیکی کا کام ہوا۔اس کا اجر اللہ تعالیٰ انہیں اس جہاں میں بھی دیتا ہے اور اس جہاں میں بھی چونکہ انہوں نے مخلوقِ خدا کی خدمت کی ۔

یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

لیکن رفتہ رفتہ وہ لوگ اس دنیا سے کوچ کر گئے جن کی سوچ اس قدر مثبت تھی وہ دوسروں کی

بچیوں کو اپنی بچی ہی سمجھتے تھے۔ پھر ایک زمانہ ایسا آیا کہ لوگ اپنی بچیوں کے رشتے کو چھپانے لگے کیوں کہ لوگوں پر سے اعتبار اُٹھ گیا۔ لوگ کسی کی بچیوں کا رشتہ کیا لگاتے، لگے لگائے رشتے ختم کروانے لگے۔ اس میں کوئی دور کے رشتے دار نہیں ہوتے اپنے، بہت قریبی لوگ ہی ہوتے تھے جنہیں پتہ ہوتا تھا کہ رشتہ کہاں لگا ہے۔ بعض اوقات تو اپنے بھائی کی بچی کا رشتہ ختم کروا کر اپنی بچی سے رشتہ کر دیا۔ بعض اوقات رشتہ کہیں کروایا بھی نہیں لیکن وہاں سے ختم ضرور کروا دیا۔

یہ ان لوگوں کی فطرت تھی کہ دراصل کام خراب کرنا مقصود ہے۔ آخر جہنم کی لکڑیاں کن لوگوں کو جلانے کے کام آئیں گی۔ یہ لوگ اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکیں گے۔ کسی کا گھر بسنے سے پہلے اُجاڑ دیا۔ کہاں کی انسانیت ہے یہ بھلا بتلائیں تو سہی!۔

ایک صاحب نے اپنی بیٹی کا جب رشتہ اپنے دوست کے بیٹے سے طے کر دیا تو اپنے رشتہ داروں کو خبر کر دی اور منگنی کی تقریب میں سب لوگوں کو بلایا اور لڑکے والوں کے یہاں بھی سب کو لے گئے۔ اب دوسرے دن ان میں سے ایک رشتہ دار جو بہت ہی قریبی تھے لڑکے والوں کے گھر چلے گئے اور ان سے پوچھا کہ آپ لوگوں کو لڑکی والوں سے کچھ مل بھی رہا ہے یا نہیں۔ بھئی آج کل زمانہ صاف صاف بات کرنے کا ہے اگر لڑکی والوں کو یہ اندازہ ہو جائے کہ لڑکے والے شریف ہیں کچھ فرمائش نہیں ہے تو پھر سستے ہی چھوٹ جاتے ہیں۔ یعنی کچھ نہ مانگو تو کچھ ملتا بھی نہیں۔ بھئی ہم تو آپ کے بھلے کے لئے کہہ رہے ہیں آگے آپ کی مرضی۔ دلہن خالی ہاتھ گھر آئے تو رشتہ داروں اور دوستوں میں ناک کٹ جاتی ہے کہ کس جگہ شادی کر دی لوگ طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ بھئی ہم تو آپ کے بھلے کے لئے کہہ رہے ہیں آگے آپ کی مرضی۔ گویا کہ یہ لوگ آگ لگا چکے۔ اب ان لوگوں کے دل میں خواہ مخواہ یہ خیال آیا کہ بات کچھ بری بھی نہیں کہہ گئے یہ لوگ۔ پوچھ لینے میں کیا حرج ہے۔ غرض کہ دوسرے دن ہی لڑکے والے لڑکی والوں کے گھر گئے اور چند غیر ضروری بات کر آئے۔ یہ بات بڑھتے بڑھتے اتنی بڑھ گئی کہ رشتہ چھوڑنا پڑا۔ یعنی منگنی ٹوٹ گئی۔ اب اگر وہ صاحب اپنے رشتہ داروں کو اپنی بیٹی کی منگنی کی تقریب میں نہ بلاتے تو اچھا تھا کسی کو کیا معلوم ہوتا کہ انہوں نے اپنی بیٹی کی منگنی کہاں کی ہے۔ صرف منگنی کی مٹھائی بھیج دیتے

جو بعد میں لوگوں نے کرنا شروع کر دیا۔ اس طرح کے دو چار واقعات کے بعد......

ایک اور رشتہ کا واقعہ آپ کو سناؤں، ایک صاحب نے اپنی بیٹی کا رشتہ کسی جگہ طے کر دیا تو لڑکے والوں نے یہ محسوس کیا کہ منگنی کی تقریب میں سگے بھائی کو نہیں بلایا گیا۔ دوسرے دن ہی وہ لوگ ان کے بھائی کے گھر گئے ان سے پوچھا کہ آپ لوگ کل اپنے بھائی کی بیٹی کی منگنی میں موجود نہیں تھے۔ جواب میں انہوں نے کہا کہ جب دل میں کھوٹ ہو تو انسان انسان سے نظر چراتا ہے۔ یہی حال ہے میرے بھائی کا۔ اب جب ان لوگوں نے دریافت کیا کہ بھائی کی طبیعت اور آپ کی طبیعت میں تضاد تو ہو سکتا ہے آپ یہ بتائیں کہ آپ کے بھائی کی بیٹی کیسی ہے، میرا مطلب ہے مزاج کیسا ہے، اخلاق کیسا ہے، تو ان صاحب نے جواب میں کہا ارے وہ تو میرے بھائی کی بیٹی ہے گویا میری بیٹی کی طرح ہے میں تو تعریف ہی کروں گا اگر حقیقت پوچھنا ہے تو کسی غیر سے پوچھیں وہ آپ کو صحیح بتائیں گے۔ دیکھا آپ نے انہوں نے کچھ کہا بھی نہیں اور سب کچھ کہہ بھی گئے۔ یہ حال ہے اب ان لوگوں کا۔

ایک خاتون نے اپنی سگی بڑی بہن کو اپنی بیٹی کے رشتے کے سلسلے میں لڑکے والوں کے گھر بھیجا۔ منگنی اور پھر شادی کے معاملات طے کرنے کے لیے یہ خاتون اپنی سگی بہن کو اپنی ماں سے زیادہ درجہ دیتی تھیں۔ اس نام نہاد سگی بہن نے لڑکے والوں کے گھر جا کر اپنی بہن کی بیٹی کے بجائے اس لڑکے سے اپنی بیٹی کا رشتہ طے کر دیا اور واپس آ کر کہانی سنادی کہ لڑکے والوں نے تمہاری بیٹی سے زیادہ میری بیٹی کو پسند کیا میں نے یہ رشتہ ہاتھ سے جانے نہ دیا اور ہاں کہہ دی۔ اس پر خاتون نے بڑی بہن کا لحاظ کرتے ہوئے خاموشی اختیار کر لی اور اس شادی کی تقریب میں شرکت نہیں کی۔ صبر سے کام لیا۔ چند ماہ بعد میاں بیوی میں علیحدگی ہو گئی۔

ان اللہ مع الصابرین۔ (اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)

ان حالات میں رشتہ لگانے والے رشتہ لگانے والیاں بہت بڑی ذمہ داری نبھا رہے ہیں یا نبھا رہی ہیں۔ پھر باقاعدہ شادی دفتر یا میرج بیورو کھلنے لگے اور کام پروفیشنل طریقے سے ہونے لگا۔ ان میں چند رجسٹرڈ کمپنیاں بھی ہیں اور کچھ لوگ اپنے گھروں میں بھی یہ کام کرتے ہیں۔ اس

کی با قاعدہ فیس ہوتی ہے۔ جو ہزاروں ڈالروں میں ہے یا پھر لاکھوں روپے اپنے ملک کے۔ گویا اب رشتہ لگانا با قاعدہ پیشہ بن گیا ہے۔ اس طرح اب یہ نیکی کا کام نہیں رہا۔ آپ شادی کے دفتر جائیں با قاعدہ رجسٹریشن فارم پر کریں' لڑکے یا لڑکی سے متعلق تمام معلومات فراہم کریں' فیس ادا کریں' سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ لڑکے یا لڑکی نے اوسیپ (OSAP) لون تو نہیں لیا ہے اگر آپ کا جواب ہاں میں ہے تو یہ بھی بتائیں کہ اب کتنی رقم باقی بچی ہے ادا کرنے کو۔

شادی دفتر پہنچ کر ایک خاتون نے اپنے بیٹے کے رشتے کے لیے جو فرمائش نوٹ کروائی وہ یہ تھی کہ لڑکی کی عمر ۱۸ برس سے زیادہ نہ ہو۔ چونکہ میرا بیٹا ۳۸ برس کا ہے لڑکی کی آنکھیں غزالی' گردن صراحی دار' رنگ گورا' قد لامبا' بدن چھریرا' بال گھنے گھنگھریالے۔ جب وہ خاتون یہ فرمائش نوٹ کروا چکیں تو شادی کے دفتر سے انہیں یہ جواب ملا کہ ''ایسی کوئی چیز اس وقت ہمارے اسٹاک میں موجود نہیں ہے اگر تھوڑا وقت دیں تو ہم بنوا دیں گے۔ ویسے بھی ان تمام خصوصیات کا ایک لڑکی میں ہونا ذرا مشکل بات ہی ہے''۔ یہی خاتون اگر اپنی بیٹی کا رشتہ کسی کو دے رہی ہوں اور لڑکے والوں میں سے کسی نے ان کی بیٹی میں کوئی نقص نکال دیا تو فوراً کہنے لگیں کہ ارے کیا لڑکی کو نچوانا ہے۔ بھئی ہماری بیٹی لاکھوں میں ایک ہے۔ گھرداری میں تو اس کا جواب ہی نہیں ہے۔ کھانے تو ایسے بناتی ہے کہ بس انگلی چاٹتے رہ جاؤ۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ جہیز میں کیا دیں گی تو کہنے لگیں کہ بھیا شرافت دوں گی اس کے علاوہ تو ہمارے پاس کچھ نہیں ہے دینے کو۔ اور جب لڑکے کا رشتہ کرنے جائیں گی یہی خاتون' تو کہیں گی کہ شرافت ہمیں نہیں چاہیے بھلے بدمعاشی کرو جہیز تو میں گھر بھر لوں گی۔ خاندان میں نام اونچا ہوگا۔ اگر جہیز نہ ملے تو لوگ باتیں بناتے ہیں کہ لڑکے میں نقص ہوگا۔ جب ہی تو سسرال سے کچھ نہ ملا۔ شادی دفتر سے ملنے والے زیادہ تر رشتے ایسے ہوتے ہیں کہ جن کی فرمائش ہوتی ہے کہ لڑکی یا لڑکا امریکہ یا کینیڈا کا سٹیزن ہو جبکہ لڑکا یا لڑکی پاکستان یا ہندوستان کے شہری ہیں۔ ان میں سے بیشتر کی خواہش شادی کرنے سے زیادہ امریکہ یا کینیڈا پہنچنے کی ہوتی ہے۔ اکثر لوگ یہی کہتے ہیں کہ ابھی فون پر منگنی کرلیں نکاح یا رخصتی امریکہ یا کینیڈا میں سیٹ ہونے کے بعد کریں گے یہ زیادہ تر ان کے ساتھ ہوتا ہے جن کی لڑکی کا رشتہ

پاکستان یا ہندوستان کے لڑکے سے ہو۔ سال دو سال گزارنے کے بعد کہنا شروع کرتے ہیں کہ آپ سیٹ کروا دیں تو رخصتی بھی ہو۔ اگر آپ سیٹ کروانے میں میری کوئی مدد نہیں کر سکتے تو پھر رخصتی کیسی۔ گویا وہ ایک سال اور گزار کر سٹیزن شپ کے لیے درخواست دے کر لڑکی والوں سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ گویا امریکہ یا کینیڈا پہنچنے کی خواہش ان کی پوری ہوگئی تو بے چارے سادہ لوگوں کو تنگ کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ بات صاف صاف کی جائے اور لکھ کر تاکہ کوئی غلط فہمی میں نہ رہے۔ اور نہ خوش فہمی میں۔ شادی دفتر والوں کو تو اپنی فیس سے مطلب ہوتا ہے۔ ان پریشانیوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ادھر بات پکی ہوئی ادھر پیچ پلٹ دیا۔ اللہ اللہ خیر صلہ......!

پیسے پورے لے لئے اب تو وہ پہچانتے ہی نہیں ان کا کہنا بھی درست ہے کہ ہمارا کام تھا دو خاندان سے مذاکرات کروانا سو ہم نے کروا دیا۔ اب اگر کوئی دھوکہ دیتا ہے تو ہم اس کے دل کا حال کیا جانیں اور نہ ہم اس کے ذمہ دار ہیں۔

میرے ایک دوست نے بڑی اچھی بات اپنے ہونے والے ''داماد'' کو ان کے پورے گھر والوں کے سامنے کہی کہ کینیڈا پہنچ کر تم میرے ''داماد'' بن کر رہے تو ہم تمہارے لیے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ اور اگر تم نے ہماری بیٹی کے ساتھ زیادتی کے اور میرے ''داماد'' نہیں رہے تو پھر یاد رکھو کہ ''ہم تمہارے لیے کچھ بھی کر سکتے ہیں''۔ بات ہے ذرا غور طلب۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی پریشانیوں کو دور کرے۔ اور رشتہ وہیں لگے جہاں دونوں فریقین کے حق میں بہتر ہے۔

......☆......

تلخ حقیقت

کہتا ہوں سچ کے جھوٹ کی عادت نہیں مجھے
ہم بھائی ہیں، ہم دوست ہیں سمجھا کرو مجھے

کڑوا سچ کوئی بھی پسند نہیں کرتا، جس طرح تلخ حقیقت جاننے کے بعد لوگ اپنے آپ کو تبدیل کرنے کی بجائے دوسروں میں کیڑے نکالنے لگتے ہیں۔ میرا ایک بہت ہی پیارا دوست ہے جسے جب بھی میں اس کی خامیوں کے بارے میں بتاتا ہوں تو بجائے اس کے وہ میرا ممنون ہو، الٹا مجھے برا بھلا کہہ ڈالتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ تم میں بھی تو بہت سی خامیاں ہیں۔ میں نے مذاق ہی مذاق میں اس سے پوچھا کہ چلو میری کوئی ایک خامی بتاؤ تو کہنے لگا یہ تمہاری کیا کم خامی ہے کہ میری خامیوں پر نظر رکھتے ہو اور اسے گنواتے بھی ہو۔

ایک سرکاری آفیسر نے چند اخبار نویسوں کو اپنے دفتر میں بلا کر کچھ اس طرح خطاب کیا "ہم نے آج آپ لوگوں کو اس لئے زحمت دی ہے کہ ایک ایسے شخص کے بارے میں بات کروں گا جو دو ٹکے کا آدمی ہے اور چار صفحے کا اخبار نکالتا ہے۔ ان کا اشارہ میرے ایک بہت ہی اچھے دوست کی طرف تھا جو مجھے اس کی اچھائیوں اور برائیوں سمیت بہت عزیز ہے۔

میرا یہ دوست اپنے اس فلائر نما اخبار جسے اخبار کہنا اخبار کی توہین ہے میں ایک زمانے سے مختلف لوگوں کی پگڑیاں اچھالتا چلا آ رہا ہے۔ اور تو اور اس نے عالموں تک کے بارے میں نازیبا الفاظ استعمال کئے جن کے پیچھے ہم سب نماز پڑھتے ہیں اور وہ خود بھی ایک عرصے تک نماز پڑھتا رہا ہے۔ جب ہم اپنے بزرگوں کی عزت کرنا چھوڑ دیں گے تو اپنے چھوٹوں سے کیا توقع کر سکتے

ہیں اور پھر ہمارا انجام کیا ہوگا۔ میرا یہ دوست اپنے آپ کو عالم فاضل سمجھتا ہے اور عالم اسے سمجھتا ہے جیسے اس نے خود علم سکھایا ہو۔

من تُرا ملّا بگویَم تو مرا حاجی بگو

اسی خیال سے اس نے ایک ملا تلاش کر لیا جو اسے ''حاجی صاحب' حاجی صاحب'' کہتا ہے اور وہ اسی کے پیچھے نماز پڑھتا ہے۔ بات صرف اس کی نماز تک ہوتی تو کوئی بات نہ تھی۔ دوسروں کی نمازیں بھی خراب کر رہا ہے۔

پانچ وقت کی نمازیں تو کہیں بھی ادا کی جاسکتی ہیں لیکن جمعہ کی نماز کے لئے حکم ہے کہ جامع مسجد میں ادا کی جائے جہاں بڑا اجتماع ہو۔ لوگ مل جل کر جمعہ کی نماز پڑھیں تا کہ آپس میں میل جول اور محبت ہو۔ اسے چھوٹی عید کا درجہ دیا گیا ہے۔ جبکہ عید کی نماز بڑی اور کھلی جگہ پر پڑھنے کا حکم آیا ہے۔ لیکن میرا یہ دوست کبھی کسی بیسمنٹ میں یا پھر کسی بلڈنگ کے ایک کمرے میں جمعہ کی نماز کا اہتمام کر کے لوگوں کو جامع مسجد جانے سے روکتا ہے۔ اس طرح خود تو گنہگار ہوتا ہی ہے دوسروں کو بھی گنہگار کرتا ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ سموسہ اور چائے فری پیش کر کے لوگوں کو اس بیسمنٹ میں نماز پڑھنے پر راغب اور مجبور کرتا ہے۔ اس طرح اس نے ایک ڈیڑھ اینٹ کی مسجد کے محاورے کو سچ ثابت کر دکھایا ہے۔

جاہلوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک ہوتا ہے ''جاہل'' اس کی تو اصلاح ہو جاتی ہے چونکہ وہ لوگوں سے پوچھ لیتا ہے۔ دوسرا ہوتا ہے ''جاہل مطلق'' جسے آتا جاتا کچھ نہیں ہے لیکن ظاہر یہ کرتا ہے کہ اسے سب آتا ہے۔ اس کی اصلاح کبھی نہیں ہوتی اور وہی یہ میرا دوست ہے۔ کہتے ہیں نا کہ آج جو تم بوؤ گے وہی تو کل کاٹو گے۔ میرا یہ دوست سب کی پگڑیاں اچھال چکا اب اس کی باری ہے تو پریشانی کا ہے کی۔ اسی کا نام تو مکافات عمل ہے۔

ہمارے ملک کے ایک منسٹر صاحب تھے بھلا سا نام تھا ان کا۔ لوگوں نے انہیں بھاری اکثریت سے ووٹ دے کر الیکشن میں کامیاب کروایا تھا۔ جب وہ عہدے پر فائز ہو گئے تو ایک روایتی لیڈر کی طرح لوگوں سے منہ چھپانے لگے' ملنے سے کترانے لگے اور کسی نے کوئی کام کرنے

کو کہا تو ٹالنے لگے۔

جب ان کے پاس لوگ شکایت لے کر آتے تو بہت سرد مہری کا مظاہرہ کرتے۔ ایک دن ایک صاحب نے ان سے شکایت کی کہ ہمارے یہاں چوریاں بہت ہو رہی ہیں۔ ڈاکے بہت پڑنے لگے ہیں۔ جس پر منسٹر صاحب نے کہا کہ ہمارے یہاں امریکہ کے مقابلے میں ریٹ آف کرائم (Rate of Crime) بہت کم ہے۔ آپ اخبار اٹھا کر دیکھیں ہر تین منٹ میں ایک ڈاکہ پڑتا ہے امریکہ میں۔ ایک دن ایک اور صاحب آئے۔ انہوں نے کہا کہ صاحب ہمارے پڑوسی نے ہماری بچیوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا ہے اور وہ زبردستی رشتہ مانگ رہے ہیں۔ جبکہ ہم اپنی بچیاں غیروں میں نہیں دیتے' کچھ کیجئے۔ یہ سن کر منسٹر صاحب بولے بھائی آپ نے رشتہ کہیں نہ کہیں تو کرنا ہے ہی۔ دے دیں انہیں رشتہ' ختم کریں اس قصے کو۔ آپ لوگوں کی عادت ہے معاملات کو خود خراب کرتے ہیں اور بعد میں پچھتاتے ہیں۔ آپ امریکہ جا کر دیکھیں وہاں لوگ غیر مذہب میں شادی کر دیتے ہیں اپنے بچوں کی۔ خیر وہ صاحب یہ سن کر چلے گئے۔ ایک اور صاحب آئے کہنے لگے میری بیٹی دو دن سے گھر نہیں آئی ہے۔ میں نے اپنی بے عزتی کی وجہ سے پولیس میں رپورٹ درج نہیں کرائی ہے۔ آپ ہمارے لیڈر ہیں' ہم نے آپ کو ووٹ دیا ہے' خاموشی سے میری بیٹی کا پتہ کرا دیں۔ اللہ کرے وہ خیریت سے ہو۔ یہ سن کر منسٹر صاحب بولے کہ دیکھئے امریکہ میں ہر دو منٹ بعد ایک لڑکی اغوا ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے ہمارے ہاں ''کڈنیپنگ ریٹ'' (Kidnapping rate) بہت کم ہے۔ آپ جائیے ہم اس سلسلے میں کوشش کریں گے لیکن وعدہ نہیں کرتے۔ آپ پولیس میں رپورٹ درج کروا دیں آپ کی بچی کا اگر کچھ پتہ چلا تو آپ کو خبر کر دی جائے گی۔

ابھی یہ شکایت کا سلسلہ جاری تھا کہ اچانک ان کے اپنے گھر سے ان کی بیگم کا فون آیا اور انہیں اطلاع دی گئی کہ ان کی بیٹی کالج سے اغوا کر لی گئی ہے اور ان لوگوں نے دس لاکھ روپے تاوان مانگا ہے' تو فوراً حرکت میں آ گئے۔ ہر طرف ناکہ بندی کا حکم دے دیا گیا۔ پولیس فورس طلب کر لی گئی۔ ہنگامی اجلاس بلایا گیا اور ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا گیا اور منسٹر صاحب نے اخباری

نمائندوں کو بلا کر یہ بیان دیا کہ حکومت عوام کی جان و مال' عزت وآبرو کی حفاظت کرنے میں ناکام رہی ہے اس لیے اسے مستعفی ہو جانا چاہیے اور یہ کہ اب کسی کی عزت محفوظ نہیں رہی۔

دیکھا آپ نے جب تک بات دوسروں تک تھی تو احساس تک نہیں تھا۔ جب خود پر پڑی تو ''اب کسی کی عزت محفوظ نہیں رہی۔'' جیسا جملہ بولنے لگے۔

یہ ہیں وہ لوگ جن کے کاندھوں پر ہماری قوم کا بوجھ ہے۔ان کی سوچ اگر اس طرح ہی رہی تو کیا بنے گا ہماری قوم کا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اچھا بننے اور اچھے اچھے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

اسی طرح ہمارے ملک میں پولیس سے کریکٹر سرٹیفکیٹ لینا بھی بڑا مضحکہ خیز لگتا ہے جس کا کریکٹر خود مشکوک ہو وہ بھلا کیا دوسروں کو کریکٹر سرٹیفکیٹ دے سکتا ہے۔(اللہ معافی دے)۔

......☆......

آزمائے ہوئے کو آزمانا کیا

پھر وہی چہرہ کھڑا ہے مانگتا پھر ووٹ ہے
جس کو ٹھکرایا ہے سب نے دل میں جس کے کھوٹ ہے

صاحب الیکشن نہ ہوا مذاق ہو گیا۔ ہر آڑھا ترچھا اگر الیکشن میں کھڑا ہو جائے تو الیکشن کا تقدس پامال ہو کر رہ جاتا ہے۔انسان کو چاہیے کہ کوئی قدم اٹھانے سے پہلے کم از کم ایک بار صرف ایک بار سوچ لے کہ میں کیا' میری اوقات کیا' میری شہریت کیا اور میری شہرت کیا...... یا پھر کہتی ہے مجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا......؟

الیکشن میں کھڑے ہو کر کچھ لوگ اپنا وقت بھی برباد کرتے ہیں اور دوسروں کا بھی۔ان کے پاس تو کچھ کام نہیں کرنے کو لیکن دوسروں کے پاس تو ہے۔صرف یہ کہہ دینا کہ میں آپ کی زبان بولتا ہوں کافی نہیں ہے۔ چونکہ بعض اوقات آپ کی اپنی زبان بولنے والے ہی آپ کی زبان کاٹ دیتے ہیں۔

بدنام زمانہ اور خراب شہرت رکھنے والے لوگ اسمبلیوں میں چلے جائیں تو پھر اسمبلی کیا اور مچھلی بازار کیا۔اس سے تو بہتر ہے کہ اچھی شہرت رکھنے والے اسمبلیوں میں پہنچیں بھلے وہ گورا ہی کیوں نہ ہو۔کم از کم گورے آپ کو انسان تو سمجھتے ہیں۔

ایک صاحب جنہیں بھول جانے کی بیماری تھی الیکشن میں کھڑے ہو گئے۔جب کمپین شروع ہوئی تو بڑی دھواں دھار تقریر کرنے لگے۔ایک صاحب نے ان سے کہا کہ جناب منصوبہ بندی کے بارے میں بھی کچھ کہیں تو وہ صاحب بولے کہ میرے بھائیو' میری بہنوں اور میرے بزرگو' ہم سب کو

چاہیے کہ ہم کم بچے پیدا کریں تا کہ جو وسائل ہمارے پاس موجود ہیں اس میں ہمارا گزارا ہو اور ہمیں باہر کے ملکوں سے امداد نہ لینی پڑے۔ خیر صاحب تقریر وغیرہ ختم ہوئی' شام کے پانچ بجے آفس سے گھر آئے رات ہوئی اور وہ سب کہا سنا بھول گئے اور معمول کے کام میں مصروف ہو گئے۔

ایک اور صاحب انہیں بھی بھول جانے کی بیماری تھی۔ الیکشن میں جب کھڑے ہوئے تو تمام محلے والوں نے ان کی کمپین میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آخر کار وہ جیت گئے۔ اب محلے والے دوسرے دن ان کے گھر مٹھائی وغیرہ لے کر پہنچے کہ بھئی ہمارا کینڈیڈیٹ جیت گیا ہے مبارک باد ہی دے آتے ہیں چل کر۔ خیر صاحب جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو وہ صاحب گھر کے باہر آئے اور پوچھا کہ ''کون ہو بھئی تم لوگ''۔ یہ تو حال ہے ہمارے نام نہاد لیڈروں کا۔ الیکشن کے ایک اور امیدوار ایک محفل میں بیٹھے اپنی بڑائی میں خود قصیدے پڑھ رہے تھے۔ کہنے لگے کہ میں تیس سال سے اس شہر میں موجود ہوں جو بھی شخص پاس آیا میں نے اس کی مدد کی۔ یہاں تک کہ بہت سے غریب لوگ جن کے تن پر کپڑے نہیں تھے میں نے پہنائے۔ ساتھ ہی بیٹھے ایک دل جلے نے ان سے کہا کہ ''تو کیا تیری اوقات کیا۔ انسان جو خود ننگا پیدا ہوتا ہے اس کی کیا حیثیت کہ وہ دوسروں کو کپڑے پہنائے۔ یہ تو شان ہے میرے رب کی کہ جس نے ستر پوشی کے لیے تجھے کپڑے عطا کیے ہیں۔ تجھے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے' اس رب کا جس نے تجھ جیسوں کو بھی نوازا ہے۔ خدا کے قہر کو آواز نہ دو''۔ یہ سن کر الیکشن کے امیدوار کی سٹی گم ہو گئی اور ایک ضروری کام کا بہانہ کر کے وہاں سے نکل لیے۔ بے عزت ہونا اور کس کو کہتے ہیں لیکن شرم ان کو پھر بھی نہیں آتی ہو گی۔

الیکشن کے ایک اور امیدوار جو خیر سے ایک دو ورق کا اخبار نکالتے ہیں کبھی کبھی۔ ایک تقریب میں بیٹھے بڑے بڑے اخباروں پر ہونے والے تبصروں کو سن رہے تھے۔ ایڈیٹر صاحبان اپنا موقف بیان کر رہے تھے کہ ان کی شامت آئی اور یہ بول پڑے کہ یہ تمام اخبارات بند ہو جانے چاہئیں ان میں خبروں سے زیادہ اشتہارات ہوتے ہیں۔ میرا اخبار سب سے پرانا اخبار ہے۔ یہ سن کر ایک بڑے اخبار کے ایڈیٹر نے کہا کہ جب بڑے بڑے اخبارات کے ایڈیٹر صاحبان بحث ومباحثہ میں الجھے ہوئے ہیں تو آپ کو بیچ میں کودنے کی کیا ضرورت۔ کاروں کی ریس میں بھلا

سائیکل کا کیا کام......؟

الیکشن کے ایک اور امیدوار نے جب ایک تقریر میں بڑی اونچی اونچی اور لمبی لمبی باتیں کر لیں تو ایک شخص جو اسی کمیونٹی سے تعلق رکھتا تھا اور اس شخص کو ایک عرصے سے جانتا تھا' اس کے کالے کرتوتوں سے بھی واقف تھا کہنے لگا کہ جناب الیکشن لڑنا اور بات ہے الیکشن جیتنا اور بات۔ اتنی لمبی لمبی جو آپ ہانک رہے ہیں آپ کیا سمجھتے ہیں کہ لوگ آپ کو نہیں جانتے ہیں۔ آپ کی باتوں میں آجائیں گے۔ وہ زمانہ گیا اب لوگ سمجھدار ہو گئے ہیں۔ آپ جیسے لوگوں کی چکنی چپڑی باتوں میں نہیں آنے والے۔ یہ سن کر جناب امیدوار جھینپ سے گئے۔

ایک اور صاحب جو الیکشن کی تقریب میں اپنی تعریف خوب کرنے کے بعد جب فارغ ہوئے تو لوگوں کی برائیاں کرنا شروع کر دیں اور کہنے لگے کہ یہ سارے کے سارے لوگ جو یہاں موجود ہیں۔ میں ایک زمانے سے ان کی مدد کرتا چلا آرہا ہوں۔ لیکن یہ گند ہے جو ختم ہونے کا نام نہیں لیتا۔ یہ سن کر ان کے پاس بیٹھے ہوئے ایک صاحب بول پڑے کہ گویا آپ نے برائی پھیلانے میں بڑی مدد کی ہے۔ وہ صاحب پہلے تو خاموش رہے جب کچھ نہ بن پڑا تو خاموشی سے نکل گئے۔

کہتے ہیں اللہ تعالیٰ گنجے کو ناخن نہیں دیتا۔ اس قسم کے لوگ اگر اسمبلیوں میں پہنچ گئے تو میری بات یاد رکھیے بہت جلد جوتوں میں دال بٹے گی۔

اللہ نہ کرے کہ ہم سب پر ایسا وقت آئے کہ ہم ان جیسے منافقوں کو اسمبلیوں میں بیٹھا دیکھیں۔ ایسے ایک جذباتی موقع پر کسی نے دل سے دعا کی تھی ۔

الٰہی تو ہمیں زر دے یا زیر زمیں کر دے
بلبل کو خدایا پر دے یا پرد نشین کردے

صاحب الیکشن ایک مہذب فریضہ ہے اس میں ضرور حصہ لیجیے۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ آپ اچھی شہرت کے مالک ہیں اور آپ میں وہ تمام خصوصیات موجود ہیں جو کہ ایک اچھے لیڈر میں ہونی چاہئیں اور خاص کر یہ کہ آپ دوسرے کو بھی اپنے جیسا انسان سمجھتے ہیں یا پھر آپ کے اندر احساس برتری نہیں ہے تو پھر آپ دیر نہ کریں' بس ہمت کر لیں اللہ تعالیٰ نیت کا پھل ضرور دیتا ہے۔ نیت

صاف منزل آسان ۔لیکن اگر آپ کے اندر وہ خصوصیات موجود نہیں ہیں جو ایک اچھے لیڈر میں ہونی چاہئیں اور خاص کر یہ کہ آپ دوسرے کو اپنے جیسا انسان نہیں سمجھتے ہیں یا پھر یہ کہ آپ کے اندر احساس برتری ہے تو للہ اپنے ذہن سے الیکشن کا بھوت نکال پھینکیں اسی میں آپ کی بہتری ہے کیونکہ الیکشن میں کھڑے ہو کر آپ اپنا وقت ضائع کریں گے اور دوسروں کا بھی ۔ فائدہ کچھ نہیں حاصل ہونے والا ۔

ووٹ ایک مقدس امانت ہے ۔ اس امانت میں خیانت نا قابل معافی جرم ہے ۔ اس کا صحیح استعمال آپ کو ذہنی سکون اور تابناک مستقبل دیتا ہے ۔ جو لوگ الیکشن والے دن گھروں میں موجود رہتے ہیں، ووٹ نہیں ڈالنے جاتے وہ نہ صرف اپنے ساتھ زیادتی کرتے ہیں بلکہ اپنے بچوں کے مستقبل کو بھی داؤ پر لگا دیتے ہیں ۔ آپ کو اختیار حاصل ہے کہ الیکشن میں کھڑے ہونے والوں کے بارے میں آپ کو پوری معلومات حاصل ہوں ۔ ان کا نام کیا ہے، کام کیا ہے اور پروگرام کیا ہے ۔

آپ کو یہ بھی اختیار حاصل ہے کہ آپ ان لوگوں کے سامنے اپنا نقطۂ نظر ضرور بیان کریں لیکن یاد رکھیں کہ ایک نقطہ انسان کو خدا سے جدا کر دیتا ہے ۔ اس لیے نقطہ تک کے استعمال میں بھی محتاط رہنے کی ضرورت ہے ۔ یہاں تو لوگ پوری لکھی ہوئی تقریر بھی غلط پڑھ جاتے ہیں کیا کریں لکھنا جو نہیں آتا ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان نام نہاد لیڈروں کے عزائم سے محفوظ رکھے کیونکہ ہم ان منافقوں کے ہاتھوں حرام موت مرنا نہیں چاہتے ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرے گا ۔ آمین ۔

......☆......

بیگم عید پاکستان

جا چکیں کرنے کو بیگم عید پاکستان میں
ہو رہی ہو گی سبھی کی دید پاکستان میں

ماہ رمضان کے شروع ہونے کے ایک ہفتہ قبل ہی میری بیگم پاکستان روانہ ہو گئیں عید کرنے کی غرض سے ۔ سنا ہے کہ ان کی والدہ محترمہ کی طبیعت بھی ناساز ہے ۔ اللہ تعالیٰ انہیں صحت کاملہ نصیب فرمائے ۔ آمین......!

پاکستان جانے سے قبل وہ مجھے اور بچوں کو گھر سے متعلق کچھ باتیں اس طرح سمجھا رہی تھیں کہ جیسے وہ ''فار گڈ'' یعنی ہمیشہ کے لیے جا رہی ہوں ۔ مجھے تاکید کر رہی تھیں کہ بچوں کا خیال رکھئے گا ۔ گھر سے زیادہ باہر نہ رہیے گا ۔ رات کو سوتے وقت بچے دودھ کا گلاس پینا نہ بھولیں ۔ صبح اسکول کے لیے بچوں کو سات بجے ضرور جگا دیجئے گا ۔ چھوٹے بیٹے کی عادت ہے بستر سے اٹھ کر صوفے پر بیٹھتے ہی پھر سو جاتا ہے اس لیے اس کو دوبارہ ضرور چیک کر لیجئے گا ۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اسکول پہنچنے میں لیٹ ہو جائے ۔ ہفتے میں کم از کم ایک بار فریج کھول کر ضرور دیکھ لیجئے گا کہ کون کون سی چیزوں کی ضرورت ہے ۔ فروٹ باسکٹ پر روزانہ نظر ڈال لیجئے گا ۔ دودھ، ڈبل روٹی، مکھن، انڈے اور جیلی کا خیال رکھیے گا ختم ہونے سے قبل لا کر رکھ دیجئے گا وغیرہ وغیرہ ۔ لیکن اس بات کا ذکر ایک بار بھی نہیں کیا کہ جو کام وہ میرے لیے کرتی تھیں وہ کون کرے گا ؟

جیسے قمیض کے بٹن جو میرے کثرت سے ٹوٹتے ہیں کون ٹانکے گا ۔ کپڑے پر استری جو شائد میں زندگی بھر نہیں کر سکوں گا اس طرح کون کر کے دے گا ۔ ٹائی باندھنے میں جو پانچ منٹ میں لگاتا

ہوں تیس سیکنڈ میں کون باندھ کر دے گا۔ اتنے سوادی کھانے کون پکا کر دے گا۔ چائے جو میں اتنی کثرت سے پیتا ہوں ایک پیالی کے بعد دوسری کون بنا کر دے گا وغیرہ وغیرہ۔

اب جب گھر سے نکلتا ہوں ہر ایک سے یہی پوچھتا ہوں کہ کیا آپ میرا فلاں کام کر دیں گی ظاہر ہے خاتون کا کام خاتون ہی سے کروانا چاہیے۔ کچھ تو مسکرا کر کر دیتی ہیں کچھ منہ بنا کر اور کچھ صاف انکار۔ جو کام کر دیتی ہیں ان کا تو میں شکریہ اسی وقت ادا کر دیتا ہوں اور جو انکار کر دیتی ہیں ان کو قائل کرنے میں تھوڑا وقت تو لگتا ہی ہے۔ آخر انسان ہی انسان کے کام آتا ہے۔ آپ نے سنا نہیں ۔

یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

اب کسی سے کام لینے کا بھی طریقہ آپ کو آنا چاہیے۔ تھوڑی ان کی تعریف کریں تھوڑا ان کے کام کرنے کے انداز کو سراہیں جب جا کر منزل آسان ہوگی نا......!

آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہر شخص کے تعریف کرنے کا انداز بڑا مختلف ہوتا ہے۔ بظاہر تو محسوس ہوتا ہے کہ تعریف ہو رہی ہے لیکن غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ برائی بیان کر دی گئی بقول شاعر ۔

اپنی بیگم کے تعرف میں کہا ایک شخص نے
دل سے ان کا متعرف ہوں میں زبانی ہی نہیں
چائے بھی اچھی بناتی ہیں میری بیگم مگر
منہ بنانے میں تو ان کا کوئی ثانی ہی نہیں

کچھ کام ایسے ہوتے ہیں جو ہو کر ہی رہتے ہیں۔ آپ لاکھ کوشش کر لیں کوئی فرق نہیں پڑنے والا۔ آپ قمیض کے بٹن کا مسئلہ ہی لے لیجئے جو ہمیشہ سے میرے ساتھ ہے اور ہمیشہ ہی رہے گا۔ یا تو دھاگے آج کل اتنے مضبوط دستیاب نہیں ہیں یا پھر بٹن میں تیزابیت اتنی ہے کہ دھاگے کو کاٹ دیتا ہے۔

جب سے ہماری بیگم پاکستان گئی ہیں فون کارڈ کا خرچہ بڑھ گیا ہے پہلے تو مہینے میں ایک یا دو

کارڈ استعمال ہوتے تھے۔ رشتہ داروں کی خیریت معلوم کرنے کے لیے اب تو ہر دو دن بعد دو کارڈ استعمال ہو رہے ہیں۔ خیریت بتانے اور معلوم کرنے میں۔

کل رات جب میں اپنے بچوں کے ساتھ بیٹھا فون پر اپنی بیگم سے باتیں کر رہا تھا تو باتوں ہی باتوں میں انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا بات ہے آج کل آپ زیادہ تر گھر پر ہی ہوتے ہیں باہر کم رہتے ہیں...... خیر تو ہے؟ اس پر میں نے جواب میں کہا کہ اب تو تمہیں سمجھ میں آ گیا نا کہ میں کس کی وجہ سے گھر پر کم نظر آتا تھا۔ یہ سن کر میری بیگم نے زوردار قہقہہ لگایا تو وہاں ان کے گھر والوں نے پوچھا کہ کوئی لطیفہ سنا دیا گیا۔ میری بیگم کہنے لگیں کہ واقعی بہت مزیدار لطیفہ سنایا ہے۔ چونکہ ان کو یہ بات کہنے کے لیے کئی سال انتظار کرنا پڑا اور بڑا خرچہ بھی اٹھانا پڑا ہے اسی لیے اتنا حق تو بنتا ہے بے چارے کو کہ وہ یہ بات کریں۔

یہ تھی مذاق کی بات۔ سچی بات تو یہ ہے کہ جب سے بیگم گئی ہیں گھر میں سناٹا چھایا ہوا ہے اور دل بھی اداس رہتا ہے۔ گھر میں اگر بلی رہتی ہو اور وہ اچانک کہیں چلی جائے تو اس کی بھی کمی محسوس ہوتی ہے۔ یہ تو پھر میری بیگم ہیں۔ ۱۹۸۲ء سے آج تک میری بیگم ایک روز کے لیے بھی مجھ سے الگ نہیں ہوئیں۔ یہ ایک ریکارڈ ہے۔ لیکن زندگی کے سفر میں کبھی ایسا بھی موڑ آتا ہے کہ انسان بے بس ہو کر رہ جاتا ہے۔ والدین اللہ تعالیٰ کی طرف سے اولادوں کے لیے انمول تحفہ ہوتے ہیں۔ دنیا کی ہر چیز آپ کو دنیا کے ہر خطے میں مل جائے گی صرف آپ کے پاس پیسے ہونے چاہئیں لیکن والدین ایک بار گزر جائیں تو دوبارہ نہیں ملتے۔ خواہ آپ کے پاس کتنے ہی پیسے کیوں نہ ہوں۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنی زندگی میں اپنے والدین کی خدمت کی اور جنت بنائی۔ یہ بات میں بڑے فخر سے کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اپنے والدین کی بڑی خدمت کی۔ آج ان دونوں میں سے کوئی ہمارے درمیان موجود نہیں لیکن ان کی دعائیں ضرور ہمارے ساتھ ہیں۔ اور اب میری بیگم کی باری ہے وہ جتنی چاہیں اپنے والدین کی خدمت کر لیں کیا پتہ پھر کل کلاں کو موقع ملے نہ ملے۔ اللہ تعالیٰ سب کو اپنے والدین کی خدمت کرنے اور ان سے دعائیں لینے کا موقع عطا فرمائے۔ آمین۔

کینیڈا میں پہلی عید

دور ہوں اپنے وطن سے یاد سب آئے شدید
ان کی بھی کیا عید ہوگی کیا ہوئی ہے میری عید

صاحب عید منانے کا اصل مزہ تو اپنے وطن میں اپنے لوگوں میں تھا۔ اس بات کا احساس ان لوگوں کو شدت سے ہوگا جو اس بار کینیڈا میں پہلی عید منا رہے ہوں گے۔ انہیں ماہ رمضان کی خوشبو سونگھنے کو ملی ہوگی نہ افطار پارٹیاں' نہ ہی تراویح پڑھنے کا لطف (محلے کی مسجد میں) نہ عید کی شاپنگ کا مزہ آیا اور نہ ہی حقیقی چاند رات کا منظر دیکھنے کو ملا ہوگا۔ یہ وہ باتیں ہیں جو ہر محبّ وطن دیار غیر میں ضرور محسوس کرتا ہے بھلے وہ اس بات کا اظہار کرے یا نہ کرے۔ لیکن یہ احساس رفتہ رفتہ کم ہوتا جاتا ہے۔ جیسے جیسے وہ یہاں کے سسٹم میں ضم ہوتا جاتا ہے اور ایک دن انہیں یہ ساری چیزیں نارمل لگنے لگتی ہیں جس پر آج وہ حیران ہو رہے ہیں کہ اچھا یہاں یہ بھی ہوتا ہے اور پھر یہاں یہ کیوں نہیں ہوتا وغیرہ وغیر۔

ہمارے ایک دوست پچھلے برس ہی اپنے وطن سے آئے ہیں اپنی فیملی کے ساتھ عید کے دن ان کے چھوٹے بیٹے نے اپنے والدین سے پوچھا ڈیڈی بھائی کہاں ہیں؟۔ بیٹے اسکول گئے ہیں اور ڈیڈی آپی؟ بیٹے وہ کالج گئی ہیں۔ بیٹے نے والد سے پھر پوچھا کہ کیا آج عید کا دن نہیں ہے۔ والد نے جواب دیا ''ہے بیٹے بالکل ہے''۔ تو کیا ہم نماز پڑھنے نہیں جائیں گے۔ کیوں نہیں جائیں گے والد نے جواب دیا۔ بس جلدی سے تیار ہو جایئے دس بجے عید کی نماز ہوگی۔

ان کی بیگم نے ان کو یاد دلایا کہ نماز سے قبل فطرانے بھی ادا کرنے ہیں' پانچ ڈالر فی کس کے

حساب سے۔مسجد میں ہی ڈبہ پڑا ہوگا۔خیر نماز پڑھ کر جب گھر واپس آئے تو بیٹے نے پھر پوچھا ڈیڈی کیا آپ مجھے عیدی نہیں دیں گے۔والد نے کہا کیوں نہیں دیں گے ضرور دیں گے۔یہ لیجیے دس ڈالر آپ کی عیدی۔ڈیڈی آپ تو پہلے مجھے سو روپیہ دیا کرتے تھے۔بیٹے یہ چار سو ہیں اس لحاظ سے۔بیٹے نے پھر پوچھا کیا مطلب۔والد نے وضاحت سے سمجھانے کی کوشش کی لیکن بیٹے نے نہیں مانا کہنے لگا کہ جب آپ کینیڈا میں ہیں تو آپ کو کینیڈا کے حساب سے سو ڈالر دینے چاہئیں۔ آپ تو خود ہی مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں: جیسا دیس ویسا بھیس۔یا جب روم میں ہوں تو ویسا ہی کیجیے جیسا رومن کرتے ہیں۔والد نے جواب میں کہا کہ اس لیے یہاں عیدی لینے یا دینے کا رواج نہیں ہے۔اور یہ بات درست ثابت ہوئی چونکہ کوئی کسی کے گھر عین عید والے دن مشکل سے ہی جا پاتا ہے۔شام کو اچانک بیٹے نے اپنی والدہ سے پوچھا کہ ممی ڈیڈی کہاں ہیں۔بیٹے آپ کے ڈیڈی جاب پر گئے ہیں رات کے بارہ بجے کے بعد آئیں گے۔امی تو کیا ہم آج عید کے دن کہیں نہیں جائیں گے۔میرا مطلب ہے کسی سے ''عید'' ملنے یا پھر آج ہمارے گھر کون آئے گا۔ہم لوگوں سے عید ملنے۔والدہ نے جواب دیا بیٹے آج ورکنگ ڈے ہے سب لوگ اپنی اپنی جاب پر ہیں' بچے اپنے اپنے اسکول کالج میں۔اگلے ویک اینڈ پر ہم لوگ کہیں جائیں گے یا پھر کوئی ہمارے گھر آئے گا۔بیٹے نے پھر اپنی ممی سے سوال کیا کہ کیا میں یہ عید کے کپڑے تبدیل کر لوں جب کہیں جاؤں گا تو پہن لوں گا۔ہاں بیٹے آپ کپڑے تبدیل کر لیں۔رات ہوئی تو بچہ سو گیا۔شب بخیر کہہ کر۔اور اب یہ عید کا دوسرا دن تھا۔وہی روٹین۔بچے اسکول اور بڑے جاب پر اور یہ سلسلہ اگلے ویک اینڈ تک جاری رہا۔جب اگلا ویک اینڈ آیا تو اس وقت تک عید بھی پرانی ہو چکی تھی۔نہ وہ جوش نہ وہ جذبہ' پھیکی پھیکی عید گلے ملنے میں بھی وہ اسپرٹ نہیں۔بس عید مبارک کہتے ہوئے لوگ گھروں میں داخل ہوتے ہیں کچھ دیر ساتھ بیٹھے عید کے بدمزہ گزر جانے پر تھوڑی بات چیت کی' تھوڑی برائی یہاں کے سسٹم کے بارے میں کی' وقت گزر گیا۔کھانا کھایا اور پھر اپنے اپنے گھر کی راہ لی۔نہ بچوں کو مزہ آیا نہ بڑوں کو بس ایک گیٹ ٹو گیدر ہو گیا۔اللہ اللہ خیر سلا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے یہاں عید پر اس لیے کہ یہاں عام تعطیل نہیں

ہوتی عید کے دن۔اب یہ اسلامی ملک تو ہے نہیں کہ پانچ دن کی چھٹیوں کا اعلان کیا جائے۔لوگ اپنے اپنے گھروں پر عید کے سلسلے میں تقریبات منعقد کرتے اور عید ڈنر کا اہتمام کرتے۔لیکن یہاں اتنی سہولت ضرور موجود ہے کہ آپ چاہیں تو اس روز چھٹی لے سکتے ہیں۔لیکن وہ پیڈ چھٹی نہیں ہوگی۔بچے بھی اسکول کی انتظامیہ کو مطلع کر کے ڈے آف لے سکتے ہیں۔لیکن اس روز کا کام دوسرے دن پورا کرنا ہوگا۔پڑھائی میں کوئی سمجھوتہ نہیں کرتے ہیں اس کے برعکس اپنے وطن میں ماہ رمضان کے شروع ہوتے ہی ایک خاص قسم کی خوشبو فضا میں بکھر جاتی ہے۔ادھر رمضان کا چاند نظر آیا اور تراویح شروع ہو گئی۔سارے برے کام بند کر دیے گئے۔اللہ سے قریب ہونے کا اس سے بہتر موقع اور کیا ہو سکتا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ماہ رمضان میں جو کچھ مومن مجھ سے مانگتا ہے میں اسے دے دیتا ہوں۔بے شک اللہ کے خزانے میں کوئی کمی نہیں۔خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں یہ مہینہ ملا اس مہینے میں انہوں نے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے روزے رکھے۔تراویح پڑھی' قرآن پڑھا' غریبوں کو کھانا کھلایا یا فطرانے ادا کیے اور جب روزے پورے ہو گئے تو عید کی نماز عید گاہوں میں ادا کی۔شکرانے کے طور پر اور ہر اپنے پرائے سبھی سے گلے مل کر عید مبارک کہا۔رشتہ داروں کو بھی منا لیتے ہیں جو پچھلے برس آپ سے کسی بات پر خفا تھے۔اس میں جو پہل کر لے گا اللہ کے نزدیک وہ زیادہ پسندیدہ ہوگا۔کاش ہم اس رعایت سے فائدہ اٹھا سکتے۔بچپن سے سنتے چلے آ رہے ہیں کہ کینہ پرور لوگ بخشے نہیں جائیں گے۔دل صاف کر لینے میں ہی عظمت ہے۔ پہلے زمانے میں بڑے بوڑھے عید کے دن اپنے چھوٹوں سے پوچھتے تھے کہ تم میں سے کوئی کسی سے ناراض تو نہیں ہے۔کسی نے کسی کا دل تو نہیں دکھایا' دانستہ یا غیر دانستہ طور پر اور جب پتہ چل جاتا تو وہ دونوں فریق کو بلاتے' ان کا احترام اتنا ہوتا تھا کہ کوئی بھی عذر پیش نہیں کرتا تھا اور حاضر ہو جاتا تھا۔ اب دونوں فریق کی بات باری باری سنی جاتی تھی پھر جس کسی کی بھی زیادتی ہوتی اس سے کہا جاتا تھا کہ تم دوسرے فریق سے اس کے ساتھ ہونے والی زیادتی کی معافی مانگو اور جب وہ معافی مانگ لیتا تو وہ بزرگ دوسرے فریق کو مشورہ دیتے کہ اللہ تعالیٰ معاف کر دینے کے عمل کو بہت پسند کرتے ہیں۔اس طرح خدا کی خوشنودی حاصل کر لو اور اپنے فریق کو معاف کر دو اور جب وہ معاف کر دیتا تو

اس کی ترقی وصحت کے ساتھ درازیٔ عمر کیلئے دعا کرتے جواللہ کے دربار میں ضرور قبول ہوتی ہے۔ لیکن افسوس کہ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ بوڑھے بزرگ بھی گزر گئے اوران کے جانے سے جوخلا پیدا ہوا وہ آج کل کے بزرگ پُر نہ کر سکے۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اگر دو بھائیوں کے درمیان کسی بھی بات پر تکرار ہوجائے اور وہ تکرار بڑھتے بڑھتے اختلافات تک پہنچ جائے اور پھر یہ اختلافات آگے چل کر تعلقات تک کوخراب کر دیں تو یہ بزرگ اتنے مؤثر نہیں ہیں کہ وہ دو بھائیوں کو بٹھا کران کے درمیان صلح صفائی کرواسکیں کیونکہ ان کے قول اور فعل میں تضاد ہے۔وہ بولتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ۔توان کی زبان میں اثر کہاں سے پیدا ہوگا۔یہی وجہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں لوگ ایک دوسرے سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔نہ ان کا کوئی پرسان حال ہے نہ کوئی والی وارث۔تو پھر ہماری نہ کوئی عبادت عبادت ہے نہ کوئی نیکی نیکی۔تو پھر ہماری عید کہاں سے وہ والی ہوگی جس کی ہم اب تمنا کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہم سب کونیکی کرنے اور نیکی پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

......☆......

رشتے آسمانوں پر بنتے ہیں

ٹوٹ کے جڑنا ہے رشتہ، جڑ کے پھر ٹوٹے ہے کیوں
روٹھ کے مانے جو کوئی، مان کے روٹھے ہے کیوں

بچپن سے یہ بات سنتے چلے آرہے ہیں کہ رشتے آسمانوں پر بنتے ہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب رشتے آسمانوں پر بنتے ہیں تو پھر ٹوٹتے کیوں ہیں؟ میرا مطلب یہ ہے کہ ہر وہ کام جس میں اللہ کی رضا شامل ہوتو وہ کام اچھا ہوجاتا ہے۔تو پھر اسے خراب کون کرتا ہے......؟

دعا میں سب سے اچھی اور واضح دعا یہ ہے کہ ”اے اللہ اگر اس کام میں میرے لئے بہتری ہے تو یہ کام ضرور ہوجائے ورنہ میری کوشش کے باوجود بھی یہ کام نہ ہو۔چونکہ غیب کا علم صرف اللہ کو ہے اور آپ نے اللہ پر ہی چھوڑ دیا۔جو لوگ اس طرح دعا مانگتے ہیں ہمیشہ سکھی رہتے ہیں۔چونکہ ساری ذمہ داری تو وہ اللہ پر ڈال دیتے ہیں اس طرح لوگ بہت کامیاب رہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں سے بہت پیار کرتا ہے اور وہ ابھی تک ان سے مایوس نہیں ہوا جب ہی تو ہم آج زندہ ہیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ ایک زمانہ جہالت کا ایسا بھی آیا تھا کہ جب کسی کے گھر بیٹی پیدا ہوتی تھی تو اس گھر کو منحوس سمجھا جاتا تھا اور بچی کو زندہ دفن بھی کر دینے کے واقعات عام تھے۔پھر رفتہ رفتہ جب لوگوں میں شعور پیدا ہوتا گیا تو جہالت کے اندھیرے چھٹتے گئے اور پھر انہیں بیٹی کی قدر ومنزلت کا اندازا ہوا۔پھر وہی بیٹی جو کل تک نحوست کی منہ بولتی تصویر تھی لکشمی کہلانے لگی۔پھر بیٹیوں کی پیدائش پر جشن منایا جانے لگا۔

آپ نے نوٹ کیا ہوگا کہ جس گھر میں صرف مرد ہی مرد ہوں اس گھر کے اندر ایک الگ قسم

کی بو ہوتی ہے۔ پسینے کی بو۔ بنیان جرابوں کی بو، جوتوں کی بو، کپڑوں کی بو وغیرہ وغیرہ۔لیکن اگر اس گھر میں ایک بھی لڑکی رہتی ہوتو اس گھر کی بو خوشبو میں بدل جاتی ہے۔ یہ ایک قدرتی عمل ہے۔ لڑکی ان تمام مردوں کے کپڑے، جرابیں، بنیان اور دوسرے کپڑے واشنگ مشین میں دھوکر ہی دم لیتی ہے۔ کیونکہ وہ خود خوشبو ہے اس لئے اور کوئی بُو جواسے اچھی نہیں لگتی ہو، کیسے برداشت کر سکتی ہے اس لئے لڑکی کے بدولت گھر میں رونق ہو جاتی ہے۔ یہ بات تو طے ہے۔

اب یہی لڑکی جب بڑی ہو جاتی ہے اپنے ماں باپ کی خدمت کرتے بھائی بہنوں کے ساتھ کھیلتے کودتے تو اب آتی ہے بات رشتے کی کہ وہ اپنے گھر جائے اور بس جائے۔ ماں باپ کی یہی خواہش انہیں چین سے سونے بھی نہیں دیتی۔ ہر وقت انہیں اس بات کی فکر لگی رہتی ہے کہ میری بچی جوان ہوگئی ہے جتنی جلدی اس کا گھر بس جائے اس کے ہاتھ پیلے کروں تا کہ چین سے سو سکوں۔لیکن ہر چیز کا وقت مقرر ہے۔ کہتے ہیں نا کہ ؎

موت کا ایک دن معین ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

بڑے بوڑھوں کے منہ سے اکثر سنا ہے کہ رشتے آسمانوں پر بنتے ہیں جس کی شادی جس سے ہونی ہے ہو کر ہی رہے گی جب لوگ بچوں کے رشتے کے لئے پریشان ہوتے ہیں تو پھر بڑے بوڑھے ہی کہتے ہیں کہ کوئی بے جوڑ بھی پیدا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے حالات پیدا کر دیتا ہے کہ لڑکے والے لڑکی والوں سے یا پھر لڑکی والے لڑکے والوں کے قریب آ ہی جاتے ہیں، ذریعہ یا وسیلہ کوئی بھی بن جاتا ہے۔ کبھی کوئی بات چلتے ہی پکی ہو جاتی ہے اور پھر چٹ منگنی پٹ بیاہ۔

کچھ رشتے ایسے بھی طے ہو جاتے ہیں جو شادی یعنی رخصتی ہوئے بغیر ٹوٹ جاتے ہیں۔ اس کی وجہ بھی کوئی کچھ بتاتا ہے اور پھر کبھی کچھ پتہ لگتا ہے۔ بات کچھ بھی ہو اگر جوڑا ہے تو شادی ہو کر رہے گی اگر جوڑا نہیں ہے تو کوئی یہ شادی نہیں کروا سکتا۔ اتنا تو مجھے یقین ہے۔

آپ نے یہ بھی نوٹ کیا ہوگا کہ لڑکا لڑکی کے مقابلے میں زیادہ خوش شکل نہیں ہے۔ یعنی لڑکے کی رنگت کالی ہے جبکہ لڑکی کی رنگت بہت زیادہ صاف۔ خوبصورت ہے اس کے برعکس لڑکا

بہت حسین ہے جبکہ لڑکی کی رنگت صاف نہیں ہے یعنی کالی ہے۔ اب قسمت کو کیا کیجئے گا جولڑکی کالی ہے اور اس کا شوہر اس قدر حسین وہ اپنی بیوی کو ''حور'' کہتا ہے۔ اب وہ کالی لڑکی اپنے شوہر کے منہ سے اپنے بارے میں اتنی تعریفیں سن سن کر اس قدر پھیلنے لگی کہ اس کا وزن بھی بڑھنے لگا یہاں تک کہ کافی موٹی ہوگئی۔ ایک دن تو اس نے سبز رنگ کی ساڑھی پہنی تھی جو ایسا لگ رہا تھا کہ بھینس گندم کے کھیت میں اتر گئی ہو۔

ایک تقریب میں یہ صاحب بھی بیٹھے تھے اپنی حور کے ساتھ۔ میرے ہاتھ جب مائیک آیا تو میں نے ایک لطیفہ سنایا جو میرا کام ہے۔ صاحب پھر کیا ہونا تھا وہ تو ناراض ہوگئے۔ تقریب چھوڑ کر چلے گئے۔ تقریب میں بدمزگی ہوگئی۔ اب میری شامت آئی ہر شخص مجھ سے گلہ کر رہا تھا کہ یار آپ کو وہ لطیفہ نہیں سنانا چاہیے تھا۔ اب آپ ہی بتایئے کہ کیا لطیفے بھی لوگوں سے پوچھ پوچھ کر سنانا پڑیں گے۔ لطیفہ کیا تھا آپ بھی سنیئے:

ایک صاحب جو اپنی موٹی بیگم سے بہت پریشان تھے ایک پامسٹ یعنی جوتشی کے پاس چلے گئے جوتشی سے پوچھا کہ بھئی میرے ہاتھ کی لکیروں کو دیکھ کر یہ بتاؤ کہ کیا میرے ہاتھ میں شادی کی دوسری لکیر بھی ہے۔ پامسٹ نے بہت دیر تک ان کے ہاتھ کا مطالعہ کرنے کے بعد کہا کہ نہیں صاحب آپ کے ہاتھ میں شادی کی صرف ایک لکیر ہے وہ بھی بہت ''موٹی'' ہے۔

اب آپ بتایئے کہ بھلا اس میں ناراض ہونے والی کون سی بات تھی۔ سنا ہے کہ وہ صاحب بھی کہتے ہیں کہ بیوی اگر ہو تو موٹی ہو ورنہ نہ ہو۔ (ان کا علاج کیا ممکن ہے) (مشکل ہے نا)۔

ایک اور تقریب میں ایک لطیفہ سنایا کہ میاں بیوی گھر کے اندر روزانہ لڑتے تھے لیکن گھر سے آواز لڑائی کی بجائے ہنسنے کی آتی تھی۔ محلے کے لوگ بہت پریشان تھے کہ آخر یہ لوگ کس طرح لڑتے ہیں کہ آواز لڑائی کی بجائے ہنسنے کی آتی ہے۔ ایک دن محلے کے لوگوں نے ان صاحب کو پکڑ لیا کہ تم یہ بتاؤ کہ یہ سب کیا معاملہ ہے۔ ان صاحب نے کہا کہ بھائی یہ لڑائی تو حقیقی ہوتی ہے لیکن ایک بات ہے کہ جب میری بیوی برتن پھینک کر مجھے مارتی ہے جو مجھے لگ جاتا ہے تو وہ ہنستی ہے اور میں بچ جاتا ہوں تو میں ہنستا ہوں۔ سارا ہال قہقہوں سے گونج اٹھا۔ اب اگر اس بات پر اگر

کوئی صاحب ناراض ہوکر مجھ سے کہیں کہ میں نے ان کے گھر کی بات پبلک کو بتادی ہے تو اب میں کیا کروں۔ یہ کام ہی نہ چھوڑ دوں۔آپ ہی بتایئے کہ پھر میں کیا کروں۔لوگوں میں وسعت قلبی نہیں ہے۔آپ نے کیسے سمجھ لیا کہ یہ لطیفہ میں نے آپ پر بنایا ہے۔''چور کی داڑھی میں تنکا'' ایسے موقع پر کہا گیا ہے۔کیا پورے شہر میں آپ اکیلے شوہر اور بیوی ہیں جو گھر میں لڑتے ہیں۔ سروے کیا جائے تو ۹۰ فیصد لوگ ایسے ہی ملیں گے۔اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے جوڑے پر تو میرا اس قدر ایمان ہے کہ میں نے دیکھا ہے کہ ایک جگہ رشتہ طے ہوگیا، گیت رنگ بھی شروع ہوگئے کہ اچانک لڑکی کے دادا نے پنگا ڈال دیا کہ یہ رشتہ نہیں ہوسکتا۔نہ معلوم ان کو کسی نے کیا انفارمیشن فراہم کردی۔اب دادا کی مرضی کے خلاف شادی بھی نہیں ہوسکتی تھی۔خیر صاحب شادی اس وقت ملتوی کردی گئی اب لوگ اس انفارمیشن کی ویری فیکیشن میں لگ گئے کہ کہیں سے کوئی چیز کنفرم یعنی تصدیق نہ ہوسکی۔اسی دوران دادا کا انتقال ہوگیا۔دس دن کے بعد شادی بخیر وخوبی انجام پائی۔ آج تک دونوں میاں بیوی خوش ہیں اب تو خیر سے نواسہ نواسی والے ہیں۔کہتے ہیں کہ جوڑا مار ہٹاتا ہے۔اس لئے اگر کہیں کوئی رشتہ طے پا رہا ہو تو بیچ میں کسی کو پنگا لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس اللہ پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں جو وہ کرتا ہے بہتر کرتا ہے۔کہتے ہیں کہ لڑکی کے جنم سے نہیں اس کے کرم سے ڈرنا چاہیے۔اب ہمارے اس دوست جیسے شوہر اس زمین پر موجود ہوں تو پھر دکھ کس بات کا۔کالی کلوٹی بیوی کو حور کہہ رہے ہیں۔جنت کی۔اللہ ایسی قسمت ہر لڑکی کی بنائے۔

میرے ایک دوست ہیں خود بھی بہت خوبصورت بیگم بھی بہت حسین ہیں لیکن کیا ہے بدنصیبی کہ دونوں کی نہیں بنتی ہے۔دونوں دراصل پرلے درجے کے بے وقوف ہیں۔آپ حسن لے کر کیا کریں گے۔چاٹیں گے۔ان کے قریبی دوست ان کو مذاق میں کہتے ہیں۔

اللہ نے بنائی جوڑی
ایک اندھا ایک کوڑھی

......☆......

ماں باپ اور بیٹا

کر کے خدمت حق ادا کر دے اگر ماں باپ کا
پھر تو جنت میں ہی جائے گا وہ بیٹا باپ کا

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اسکول کے زمانے میں میرے ایک کلاس میٹ نے ماسٹر صاحب سے پوچھا کہ ماسٹر جی یہ تو پتہ ہے کہ ماں کے قدموں میں جنت ہے تو یہ بتایئے کہ باپ کے قدموں میں کیا ہے۔پہلے تو مذاق میں کہا ''پشاوری چپل'' پھر کہنے لگے ارے بے وقوف جنت کی کنجی۔اب تم خود سوچو کے بغیر جنت کی کنجی حاصل کئے تم جنت میں کیسے داخل ہوگے۔ اس لئے ماں کے ساتھ ساتھ باپ کو راضی رکھنا بھی بہت ضروری ہے۔کنجی کے لئے۔آج بھی اگر ہم سوچیں تو اس بات میں کتنا وزن ہے کہ آسمان پر بنی ماں باپ کی یہ جوڑی ایک جنت ،دوسرا کنجی (یعنی چابی)۔

ماں کا رتبہ نہ صرف ہمارے مذہب میں بلکہ دوسرے مذہبوں میں بھی بہت بلند رکھا گیا ہے۔اور کیوں نہ ہو''ماں'' ہے ہی ایسی چیز کہ جس کی جتنی بھی عزت کی جائے اپنی قدر و منزلت بڑھتی ہے۔کہتے ہیں کہ ماں کی دعا جنت کی ہوا ہوتی ہے۔جس نے ''ماں'' کی دعا لے لی تو گویا اس نے جنت بنالی۔

آنحضرت ﷺ سے جب کسی شخص نے پوچھا کہ میں اپنی کمائی کس کو دوں تو آپؐ نے فرمایا ''اپنی ماں کو''۔اس شخص نے جب دوسری مرتبہ پوچھا کہ ''پھر'' تو حضورؐ نے فرمایا کہ ''اپنی ماں کو''۔ آنحضرت ﷺ سے جب تیسری بار اس شخص کے پوچھنے پر کہ ''پھر'' تو آپؐ نے جواب دیا کہ

''اپنے باپ کو''۔ اس سے اندازہ ہوا کہ ماں اور باپ کے رتبے کو ہمارے نبی ﷺ نے کس طرح بیان فرمایا ہے۔ عقل مندوں کے لئے اشارہ ہی کافی ہے۔ کیونکہ سمجھ سمجھ کہ جو نا سمجھے میری سمجھ میں وہ نا سمجھ ہے۔ اور نا سمجھوں کو سمجھانا میری سمجھ سے باہر ہے۔

ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ یا رسول ﷺ میں نے اپنی معذور ماں کو اپنے کاندھوں پر بیٹھا کر پورا حج کروایا۔ میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا میں نے اپنی ماں کا حق ادا کر دیا۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''نہیں''۔ ابھی تو تم نے اس رات کا بھی حق ادا نہیں کیا کہ جب تم نے سوتے میں بستر گیلا کر دیا تھا اور تمہاری ماں نے تمہیں سوکھے بستر کی طرف کھسکا کر خود گیلے پر سو گئی تھی۔ چونکہ اس کے پاس دوسرا بستر نہیں تھا۔

ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے ماں باپ کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ جو اولاد اپنے بوڑھے والدین کی طرف صرف محبت کی نگاہ بھی ڈالے گا اللہ تعالیٰ اس کے اعمال میں کئی ہزار نیکیاں لکھ دے گا۔ اس بات سے اندازہ لگا لیں کہ ماں باپ اولاد سے کچھ لئے بغیر اللہ تعالیٰ سے ان کو نیکی لکھوا دیتے ہیں۔ کیا مرتبہ پایا ہے والدین نے اللہ کی نظر میں۔ کاش ہم ان باتوں کو سمجھ سکتے اولاد تو والدین سے بہت کچھ لے کر بھی انہیں کچھ دینا نہیں چاہتی۔ حالانکہ ان کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ والدین کی دعاؤں سے ہی اللہ کا دیا ہے وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ان کے مال میں والدین کا بھی حق ہے۔ جس طرح والدین کے مال میں ان کا حق تھا۔ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نبیوں میں موسیٰؑ واحد نبی تھے جو کوہ طور پر جا کر اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتے تھے۔ اور کبھی لہجہ سخت بھی کر دیتے تھے۔ یہ سلسلہ کافی دنوں تک چلتا رہا کہ اچانک موسیٰؑ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا۔ پھر چند دنوں کے بعد موسیٰؑ حسب عادت کوہ طور پر گئے اور اللہ سے ہم کلام ہوئے۔ کچھ دیر بعد جیسے ہی ان کے انداز میں سختی آئی تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کو وہیں روک دیا کہ بس کرو موسیٰؑ بس آج کے بعد سے اپنے لہجے کو دھیما رکھنا۔ موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ سے اس کی وجہ معلوم کی تو جواب ملا کہ اب تمہاری ماں زندہ نہیں ہے جو تمہاری گستاخیوں کی مجھ سے معافی مانگے۔ جانتے ہو موسیٰؑ جب جب تم نے مجھ سے تیز لہجے میں بات کی ہے تمہاری ماں تمہارے پیچھے جائے نماز پر بیٹھ کر تمہاری

طرف سے معافی مانگتی رہتی تھی کہ اللہ موسیٰ کو معاف کر دینا۔ بس ذرا لہجہ اس کا تیز ہو جاتا ہے دل کا اچھا ہے۔ دیکھا آپ نے ماں اپنے بیٹے کے لئے کیا کچھ کرتی ہے۔ کاش ہمیں یہ سمجھ ''ماں'' کی زندگی میں ہی آ جائے۔

مشہور واقعہ ہے کہ ایک شخص کا جب آخری وقت آیا تو تمام تیاریاں تدفین کی مکمل کر لی گئیں۔ لیکن اس کی روح تھی کہ جسم سے نکل نہیں پا رہی تھی۔ ہچکی بندھ گئی تھی پر روح اٹکی ہوئی تھی۔ وقت گزرتا جا رہا تھا۔ بہت انتظار کے بعد لوگوں نے آنحضرت ﷺ کو جب صورت حال سے آگاہ کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس شخص کی ماں کو تلاش کرو۔ جب معلوم کیا گیا تو پتہ چلا کہ اس شخص کی ماں اپنے بیٹے سے سخت ناراض ہے اور وہ معاف کرنا نہیں چاہتی۔ حضور ﷺ نے اس کو بلوا بھیجا۔ بڑھیا کسی بھی صورت اپنے بیٹے کو معاف کرنے کو تیار نہ تھی۔ نہ معلوم کیا دکھ دیا تھا اس نے اپنی ماں کو۔ جب ساری کوششیں ناکام ہو گئیں بڑھیا کو منانے کی تو آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ لکڑیاں جمع کرو اور اس میں آگ لگا دو۔ جب لکڑیاں جمع کر کے آگ لگا دی گئی تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اب اس شخص کو اس میں ڈال دو۔ جوں ہی لوگوں نے اس شخص کی ادھ مری لاش کو آگ میں ڈالنے کے لئے اٹھایا۔ بڑھیا نے زوردار چیخ ماری اور کہا کہ نہ ڈالو میرے بیٹے کو آگ میں۔ میں نے اسے معاف کر دیا۔ بڑھیا کا یہ کہنا تھا کہ روح جسم سے پرواز کر گئی۔ گویا کہ ماں کی صدا تو خدا بھی سنتا ہے۔

ایک موقع پر آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص کی ماں لامذہب ہو اور اپنے عقیدے کے مطابق اپنی عبادت گاہ تک جانا چاہتی ہو بوڑھی ہو چل نہیں سکتی ہو تو بیٹے پر فرض ہے کہ وہ اسے اپنے کاندھے پر بٹھا کر اسے اس کی عبادت گاہ تک لے جائے۔ باہر بیٹھا انتظار کرے اور جب وہ اپنی عبادت سے فارغ ہو جائے تو اسے پھر اپنے کاندھوں پر بٹھا کر گھر پہنچائے۔ اُف تک نہ کرے اور اسے یہ بھی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اسے اس کے لامذہب ہونے کا طعنہ دے۔ اپنے کام سے کام رکھے۔ یہ اس کی ماں اور اللہ کا معاملہ ہے وہ بیٹا ہے بیٹے کے رشتے سے باہر نہ آئے۔ گویا باپ نہ بنے۔ آپ نے دیکھا کہ ماں اور بیٹے میں کتنا قریبی رشتہ ہونے کے باوجود مذہب کے معاملے

میں کتنا دور رکھا گیا ہے۔''ماں'' پھر''ماں'' ہے۔اس کے رتبے کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ یہاں تک کہ باپ بھی نہیں۔

ایک واقعہ کے مطابق ایک شخص کو جو بہت ظالم تھا اور ہر کام کر گزرنے کی صلاحیت رکھتا تھا سے کسی نے کہا کہ اگر تم اپنی ''ماں'' کا کلیجہ نکال کر لے آؤ تو پھر ہم تم کو مان جائیں گے۔اس ظالم صفت انسان نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، سیدھا گھر گیا اور''ماں'' کا جسم چاک کر کے کلیجہ نکال لیا۔اب ایک پلیٹ میں رکھ کر اس شخص کو اپنی بہادری کا نتیجہ دکھانے جا رہا تھا کہ راستے میں اس کو ٹھوکر لگی تو ایسا لگ رہا تھا کہ اب گرا کہ تب گرا۔کہ اچانک اس ''کلیجے'' میں سے آواز آئی کہ میرے لعل تجھے چوٹ تو نہیں آئی۔اب اگر اس شخص کو ہوش آ بھی گیا تو بہت دیر ہو چکی تھی۔اولاد والدین کے ساتھ جو بھی سلوک کرے لیکن والدین اپنی اولاد کی خوشی کے لیے کیا کچھ جتن نہیں کرتے جب اولاد کی باری آتی ہے تو والدین کے لیے جتن کرنے کی بجائے منہ چھپاتے ہیں' ان کا سامنا نہیں کرنا چاہتے' دل میں چور ہوتا ہے۔خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں والدین کی خدمت کرنے کا موقع ملا اور انہوں نے ان کی بھرپور خدمت کی اور ان سے دعائیں لیں جو دعا والدین کے دل سے نکلتی ہے مقبول ہوتی ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو یہ سمجھنا چاہیے کہ ہم اگر آج اپنے والدین کی خدمت نہیں کریں گے تو کل کو ہماری اولاد ہماری خدمت نہیں کرے گی۔جو بوئیں گے وہیں کاٹیں گے نا......!

سو برس کی زندگی میں ایک پل
تو اگر کر لے کوئی اچھا عمل
اس کا دنیا میں ملے گا تجھ کو پھل
آج جو کچھ بوئے گا کاٹے گا کل

......☆......

رمضان کا مہینہ بڑی برکتوں کا ہے

مومن اٹھو کہ لُوٹ لو اب برکتِ رمضان
نازل کیا اس ماہ میں اللہ نے قرآن

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بار بار موقع دیتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو درست کر لیں' صراط مستقیم پکڑ لیں لیکن ہم ہیں کہ ہماری سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ ہم کیا کریں۔''انا'' اور''اکڑ'' میں ہم اتنے ''جکڑ'' گئے ہیں کہ ہمارا ٹھیک ہونا ناممکن تو نہیں مشکل ضرور ہے۔

رمضان کا مہینہ اصلاح نفس کا مہینہ ہے۔ اس مبارک مہینے میں عبادت کریں' قرآن پڑھیں اور سمجھیں۔تمام مسلمان اپنے دل میں سب بھائیوں کے لیے جگہ بنائیں' پیار و محبت بانٹیں اور خلوص دل سے نیک نیتی کے ساتھ شیر و شکر ہو جائیں۔جب ہم سب اس ماہ مبارک کی فضیلت کو سمجھیں گے اور اسکی برکتوں کو لوٹیں گے تو دوسرے بھی ہماری پیروی ضرور کریں گے اور ہم سب اللہ کے حضور سرخرو ہوں گے۔انشاءاللہ۔

ہمیں اچھی طرح یاد ہے کہ بچپن میں ہم روزہ رکھنے کے لیے لڑتے تھے اور گنتے تھے کہ ہمارا کون سا روزہ ہوا۔ چونکہ والدین پورے روزے رکھنے نہیں دیتے تھے کہ ابھی تم بچے ہو آہستہ آہستہ عادت ڈالو۔ پہلے پہل تو روزہ کشائی ہوئی جواب یاد نہیں ہے۔لیکن جوں جوں ہوش سنبھالا اس میں پختگی اور سنجیدگی آتی گئی۔گھر سے تربیت ہی کچھ اس قسم کی ملی کہ روزے کی اہمیت ایک بار جان لینے کے بعد اس کی فضیلت سے انسان اپنے آپ کو محروم رکھے یہ تو پھر اس کی بدنصیبی ہوگی۔

مجھے یاد ہے کہ ادھر رمضان مبارک کا چاند نظر آیا یا ریڈیو' ٹی وی پر خبر سننے کے بعد لوگ سیدھا

اپنے اپنے گھروں کی طرف رخ کرتے تھے کیونکہ آج ہی سے تراویح بھی تو پڑھنی ہے۔ لوگوں کا مسجدوں کی طرف جھنڈ کی صورت میں تیز تیز قدموں سے جانا' اگربتی کی خوشبو' گلیوں میں رش ایک عجیب سی فضا کی اہمیت کا آج بھی اندازہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ ہم اس دیارِ غیر میں ان نعمتوں سے محروم تو نہیں ہیں لیکن اس ماحول سے دور ضرور ہیں۔

مجھے یہ بھی یاد ہے کہ رات کے پچھلے پہر جب ہم سب سحری کھانے اٹھتے تھے تو ایک عجیب سی خوشبو ہوتی تھی۔ کچی نیند میں اٹھنے پر جو عام دنوں میں سر کا بوجھل پن محسوس ہوتا ہے وہ بالکل نہیں ہوتا تھا۔ شاید وہ اس بابرکت مہینے کی فضیلت کی وجہ سے۔ اب ہماری یہ کوشش ہوتی تھی کہ ہمارے اپنے بھائی بہنوں میں سے کوئی ایک یا دو سحری کھانے نہ اٹھے تو میرا ایک روزہ اس بھائی یا بہن سے زیادہ ہو جائے گا۔ اگرچہ یہ بچپنے کی سوچ تھی لیکن آج بھی سوچتا ہوں تو ہنسی آتی ہے۔ بچپن تو بچپن ہے۔ پھر شام کے وقت روزے کی حالت میں افطاری کا انتظام کرنا پھل فروٹ کاٹنا' پلیٹوں میں رکھنا۔ شربت بنانا' دسترخوان بچھانا گویا کہ یہ سب روزے کی اہمیت کو بڑھا دیتا تھا۔ دوستوں اور رشتہ داروں کے گھر افطاری کرنے جانا یا پھر ان لوگوں کو افطار پر بلانا۔ یہ سب میرے والدین کیا کرتے تھے (اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت کرے۔ آمین) اور ہم سیکھتے تھے۔ آج کل کے بچوں کو اس کی فرصت ہی نہیں ہے۔ چونکہ ماحول وہ نہیں ہے۔ حالات وہ نہیں ہیں۔ ہر شخص ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لیے بھاگ رہا ہے۔ لوگوں کو تو یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ آج رمضان کی کتنی تاریخ ہے یا کون سا روزہ ہے اور یہ کہ میں روزے سے کیوں نہیں ہوں۔ پوچھو تو ''ازراہ مذاق'' کہیں گے میں روزے سے تو نہیں ہوں پر روز جیسا ہوں۔

''عالم'' کہتے ہیں کہ روزہ جسم کی زکوٰۃ ہے۔ یقیناً ہوگی۔ آپ اگر غور کریں تو روزہ رکھنے سے انسان کے جسم کا سسٹم درست ہو جاتا ہے۔ جس طرح ایک مشین دن رات چلتی رہے اور دوسری مشین جسے رات کو بند کر دیا جائے تو کون سی مشین دیرپا ہوگی۔ اسی لیے اپنے معدے کو آرام دینا اسے مضبوط بنانے کے مترادف ہے۔

مسلمان رمضان کے مبارک مہینے میں جتنی بھی عبادت کریں گے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی

بہت اہمیت ہے۔ اسی مہینے میں اللہ اپنے نیک بندوں کے بہت قریب ہوتا ہے۔ بدنصیب ہے وہ شخص جو اس مہینے کو پائے اور اس کی رحمتوں سے محروم رہے۔ (اللہ معافی)

اس مہینے کے آخر میں مسلمان مسجد کے ایک حصے میں اعتکاف میں بیٹھتے ہیں۔ اللہ سے لو لگاتے ہیں' گڑگڑا کر روتے ہیں' اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں پھر جو دعا مانگتے ہیں اللہ رب العزت اسے قبول فرماتے ہیں۔

تمہیں سے مانگیں گے تمہی دو گے میرا تو بس آسرا یہی ہے
یہ سب تمہارا کرم ہے آقا کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے

رمضان المبارک کی ستائیسویں (۲۷ ویں) شب جو لوگ عمرہ کرتے گزارتے ہیں ان کی کیا بات ہے۔ اللہ کے وہ نیک بندے اللہ کے گھر میں اس شب موجود ہوں اور اللہ سے معافی مانگیں' مرادیں مانگیں اور اللہ اسے نامراد لوٹائے' ایسا ممکن ہی نہیں۔ وہ غفور الرحیم ہے' رحم نہ کرے ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ کریم ہے' کرم نہ کرے ایسا تو ممکن ہی نہیں ؎

تو کریم ہے تو رحیم ہے تیری شان جل جلالہ
تیرا رتبہ سب سے عظیم ہے تیری شان جل جلالہ

اب جب آپ پورے رمضان کے مہینے روزے رکھیں' تراویح پڑھیں' قرآن پڑھیں' اپنے نفس پر قابو رکھیں' فطرانہ ادا کریں' زکوٰۃ نکالیں' غریبوں یا مستحقین کو دیں اور پھر عید کی نماز ادا کریں تمام لوگوں سے گلے ملیں کہ ؎

جب گلے سے مل گئے سارا گلہ جاتا رہا

دل میں کوئی رنجش یا ملال کسی کی طرف سے کسی بھی بات پر رہا ہو ختم کر دیں۔ آپ اپنے آپ کو ہلکا سا محسوس کریں گے۔ ذہن کا بوجھ کم ہوتا نظر آئے گا۔ اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والوں کو اپنا دوست رکھتا ہے۔ مارنے والے سے بچانے والا بہت بڑا ہے۔ بدلہ لینے والے سے بہت بلند درجہ معاف کر دینے والے کا ہے۔ کاش ہم سب یہ سمجھ سکتے۔

ایک روایت ہے کہ ماہ رمضان میں اگر آپ سے کوئی اونچا بولے یا برا بھلا کہے تو آپ اس

سے صرف یہ کہہ دیں کہ ''بھائی میرا روزہ ہے'' اس کا بہت ثواب ہے۔

ہر سال کی طرح رمضان کا مہینہ اس بار بھی آیا ہے۔ مسجدوں' عبادت گاہوں میں نمازیں ادا کی جائیں گی۔ تراویح کا انتظام ہوگا۔ افطاریوں کے سلسلے ہوں گے۔ شبینہ کا انتظام کیا جائے گا۔ اعتکاف میں لوگ بیٹھیں گے اور عید کے اعلان کے ساتھ اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں گے۔ دوسرے دن صبح عید کی نماز پڑھیں گے۔ زکوٰۃ اور فطرانے ادا کریں گے۔ بچوں میں عیدی تقسیم کریں گے لیکن یہ سب کام کرنے کے بعد نہیں کریں گے تو اپنی غلطیوں پر نظر ثانی۔ کسی کو دل سے معاف نہیں کریں گے۔ گلے ملیں گے تو صرف اوپر سے دکھلاوے کے لیے۔ مصلحتوں کے شکار رہیں گے۔ دوسرے کے بہکاوے میں آ جائیں گے۔ اپنی عقل استعمال نہیں کریں گے۔ کسی بزرگ یا بڑے کی بات نہیں مانیں گے۔ دل میں بغض رکھیں گے۔ گویا کہ سارا مہینہ عبادت میں گزارا لیکن جب انعام لینے کا وقت آیا' دعا کی مقبولیت کا وقت آیا تو ایسی حرکت کر دیں گے کہ جس کی وجہ سے ساری عبادت دھری کی دھری رہ جائے گی۔ صرف عبادت کر کے الگ ہو جانے سے مسئلہ حل نہیں ہو جاتا۔ اس کی قبولیت بھی ضروری ہے۔

پہلے زمانے میں جو بزرگ ہوا کرتے تھے وہ بڑے عبادت گزار ہوتے تھے۔ ان کی زبان میں بڑا اثر ہوتا تھا۔ کسی سے کوئی بات کہہ دیں تو گویا وہ پتھر پر پڑی لکیر ہوتی تھی کیونکہ ان کے قول اور فعل میں تضاد نہیں تھا۔ آج کل کے زمانے میں نہ ان جیسے بڑے بڑے ہیں اور نہ ان جیسے بزرگ بزرگ۔ بس جیسے تیسے چل رہا ہے۔ نہ ان کی زبان میں اثر ہے نہ ان کی بات میں وزن۔

مشہور روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ جاؤ فلاں گاؤں پلٹ دو۔ وہاں کے لوگ گمراہ ہو گئے ہیں۔ فرشتے حکم پر عمل کرنے جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ گاؤں میں ایک نمازی پرہیزگار اور عبادت گزار اللہ کا بندہ موجود ہے۔ گاؤں کو کیسے پلٹ دیں۔ اللہ کے اس نیک بندے نے کیا بگاڑا ہے۔ فرشتے واپس اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچے ماجرہ بیان کیا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے کہا کہ میں پھر بھی تم سے یہی کہہ رہا ہوں کہ جاؤ گاؤں کو پلٹ دو۔ فرشتے گئے گاؤں پلٹ آئے۔ لیکن ایک فرشتے سے نہ رہا گیا پھر پوچھ بیٹھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی بات ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ اس نمازی کا

کیا قصور تھا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے فرشتے کو بتایا کہ بے شک وہ نمازی پرہیزگار عبادت گزار تھا لیکن بڑا خود غرض تھا۔ اس کے دل میں یہ بات تھی کہ اگر گاؤں والے لوگ نماز نہ پڑھیں' عبادت گزار نہ ہوں تو اچھا ہے جائیں جہنم میں۔ میں تو جنتی ہوں۔ اس کی سوچ غلط تھی۔ اس کا قصور یہ تھا کہ اس نے خود غرضی کی وجہ سے دوسروں کو نیک راہ پر چلنے کے لیے نہیں کہا۔ دو بھائی آپس میں لڑ پڑے تو صلح صفائی نہیں کرائی کہ مجھے کیا بھلے لوگ لڑتے رہیں میں تو اچھا ہوں نا...... کسی کو پریشانی میں دیکھا تو اس کی مدد نہیں کی' حالانکہ کر سکتا تھا۔ صرف عبادت کرتا رہا۔ اللہ کے بندوں کو اللہ کے بندوں سے دور رہنے میں ان کی مدد کرتا رہا۔ اس طرح وہ گناہ کا مرتکب ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک بننے' نیک کام کرنے' دوسروں کی عزت کرنے اور درگزر کرنے کے علاوہ رمضان کے مبارک مہینے کی برکتوں سے مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

......☆......

جو آ گئے ہو تم یہاں
تو جانا لوٹ کر کہاں

ختم کرو یہاں وہاں
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

اپنا ووٹ ہم کس کو دیں

دل میں اس کے کھوٹ ہے پر مانگتا وہ ووٹ ہے
سب کو ہے اس نے ستایا سب کے دل پہ چوٹ ہے

کہتے ہیں کہ انسان اپنی فطرت سے پہچانا جاتا ہے۔جس کی جیسی فطرت ہوگی ویسا ہی اس کا عمل ہوگا۔چونکہ عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی‘اس لیے اس کے عمل کا اس کی زندگی میں اور آخرت میں بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ بہت سے لوگ اپنی ذات سے اور اپنے عمل سے دوسروں کو لاکھوں کا نقصان پہنچانے سے دریغ نہیں کرتے چاہے اس میں ان کا ٹکے کا فائدہ ہی کیوں نہ ہو۔بس چونکہ فطرت میں ہے ان کی دوسروں کو نقصان پہنچانا سو پہنچائے جا رہے ہیں اور دل ہی دل میں مسرور ہوئے جا رہے ہیں‘اس بات سے بے خبر کہ ان کے اس عمل سے دوسروں کو کتنی تکلیف پہنچ رہی ہے۔”اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے“۔

ایک گاؤں میں ایک شخص رہتا تھا جو بڑا بدقماش تھا۔اپنی ذات سے ہر ایک نقصان پہنچاتا تھا۔گاؤں کا ہر فرد‘بچہ ہو یا بوڑھا‘اس کے نام سے بھی نفرت کرتا تھا۔شاید ہی کوئی شخص اس گاؤں میں ایسا بچا ہو کہ جس نے اس بدقماش شخص کے ہاتھوں کچھ نہ گنوایا ہو۔عزت آبرو‘مال و دولت سب اس شخص کے ہاتھوں غیر محفوظ تھا۔خیر صاحب دن گزرتا گئے جب وہ بوڑھا ہو گیا تو ایک دن اس نے اپنے قریبی دوستوں کو بلا کر تقریر کی اور کہا کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے دفن مت کرنا بلکہ گلی کے کسی نکڑ پر الٹا لٹکا دینا۔اسے میری آخری خواہش سمجھنا یعنی وصیت۔خیر صاحب جب اللہ اللہ

کر کے وہ دن آیا کہ اس شخص کا انتقال ہو گیا تو لوگوں نے اس کی وصیت کے مطابق گلی کے نکڑ یعنی چوک پر الٹا لٹکا دیا۔ شام تک پولیس کو خبر ہوئی آتے ہی اس نے لوگوں سے اس گھٹیا حرکت کی وجہ پوچھی اور ان تمام لوگوں کو ساتھ لے گئی اور تھانے میں بند کر دیا کہ صبح کورٹ میں پیشی ہو گی۔ لوگ رات بھر تھانے کی اس کوٹھری میں بیٹھے یہی تذکرہ کرتے رہے کہ اس شخص نے اپنی زندگی میں تو ہم سب کو پریشان کیا ہی تھا' مرنے کے بعد بھی ہم سب کی پریشانی ختم نہیں ہوئی۔

ایک بدنام تھانیدار جس گاؤں کے تھانے میں تعینات تھا اس گاؤں کے تقریباً ہر فرد کو وہ حوالات کی سیر کروا چکا تھا سوائے مسجد کے امام کے۔ جب ایک دن اس کو اس کے نئے شہر میں پوسٹنگ کے آرڈر ملے تو وہ پریشان ہو گیا چونکہ ان دنوں وہ مسجد کے امام صاحب کو کسی نہ کسی جرم میں حوالات میں بند کرنے کی سوچ رہا تھا۔ ادھر لوگوں کو جب خبر ملی کے موصوف کا تبادلہ کسی اور شہر میں ہو گیا ہے تو سبھی لوگوں کے گھر عید کا سا سماں ہو گیا۔ جیسے سبھی کو سچی خوشی ملی ہو۔

اب تھانیدار کا آخری دن گاؤں میں نہ معلوم وہ کیا کر جائے۔ ہر شخص محتاط محتاط پھر رہا تھا۔ سب سے زیادہ شامت مسجد کے امام کی تھی۔ کیونکہ وہ واحد شخص باقی بچے تھے اس تھانیدار کے ظالمانہ رویے سے۔ تھانیدار مسجد کے امام کی تلاش میں تھا کہ اچانک امام صاحب ایک سائیکل پر سوار گاؤں کی کسی گلی سے آ رہے تھے کہ تھانیدار ایک طرف دبک گیا جیسے ہی امام صاحب نکڑ پر پہنچے تھانیدار اچھل کر سامنے آ گیا تاکہ امام صاحب کی سائیکل سے اس کو ٹکر لگے اور اس طرح وہ ان کا چالان کاٹے۔ لیکن امام صاحب نے معاملات کو سنبھل کر سہل طریقے سے طے کر لیا۔ انہوں نے بریک بڑی احتیاط سے لگائی اور سائیکل روک لی اور تھانیدار کی پلاننگ کو ناکام بنا دیا۔ تھانیدار نے امام صاحب سے پوچھا کہ تمہیں یہ کیسے پتہ چلا کہ میں تمہاری سائیکل کے سامنے آنے والا ہوں۔ امام صاحب نے جواب دیا کہ میں جب سفر کرتا ہوں تو میں اکیلا نہیں ہوتا' میرے ساتھ میرا اللہ بھی ہوتا ہے۔ اس طرح مجھے اس سے ہدایت مل جاتی ہے اور میں سنبھل جاتا ہوں۔ یہ سن کر تھانیدار نے گرج دار آواز میں کہا ''اوئے! تم ڈبل سواری کر کے قانون توڑتے ہو' چلو تمہارا چالان کیا جاتا ہے'' اور ان کو بھی اندر کر دیا۔ اس طرح اس گاؤں کے تمام لوگ اس تھانیدار کے

ظلم کا شکار ہوئے۔

دیکھنے میں آیا ہے کہ جب الیکشن کا زمانہ آتا ہے تو بہت سے لوگ اپنی دکانداری چمکانے آ جاتے ہیں۔ پہلے ان کا کہیں نام و نشان نہیں ہوتا اب اپنی تقریروں میں ایسا ظاہر کی کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جیسے برس ہا برس سے وہ ہمارے ساتھ ساتھ تھے اور ہماری ہر خواہش کا انہیں پتہ ہے۔ بس بے چارے کے ہاتھ میں کچھ ہے نہیں تو ہمیں کیا دیں گے اس نقطۂ نظر سے وہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اگر آپ مجھے اپنا نمائندہ چن لیں تو میں آپ کی قسمت بدل دوں گا۔

اس کے برعکس کچھ ایسے بدنام زمانہ لوگ بھی الیکشن میں کھڑے ہو جاتے ہیں کہ جن کا ماضی داغ دار ہے۔ ہر برے کام انہوں نے کیے ہیں اور بڑے دھڑلے سے کیے ہیں۔ اب ٹوپی لگا کر اپنے آپ کو مسلمان ثابت کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑیں گے۔ لیکن سمجھداری اسی میں ہے کہ ایسے لوگوں کو منہ نہ لگایا جائے تاکہ اسمبلیاں پاک رہیں اور با کردار لوگ الیکٹ ہو کر اسمبلیوں میں جائیں تاکہ ایک صاف ستھرا معاشرہ وجود میں آئے۔

میرے ایک واقف کار ہیں بدنام زمانہ۔ الیکشن میں کھڑے ہو گئے۔ دوستوں سے کہا کہ بس مجھے یہ الیکشن جیتنے دو پھر تمہیں کسی بات کے لیے کبھی زحمت نہیں دوں گا۔ اب جہاں جہاں بھی ان کے دوست ان صاحب کا فلائر اور پوسٹر لے کر جاتے سب لوگ کہتے کہ نہیں بھئی یہ پوسٹر میں اپنی دکان میں نہیں لگانے دوں گا۔ پوچھنے پر چار اسٹوریز سُنا دیں اس دکاندار نے۔ اس طرح جس جس دکان پر سب گئے' نئی نئی کہانیاں ملتی گئیں۔ واپس آئے دوستوں نے ان صاحب کو بتایا کہ بھائی تمہاری ریپوٹیشن اس سوسائٹی میں ٹھیک نہیں ہے۔ پہلے اپنے کردار کو درست کرو پھر الیکشن لڑو۔ یہ پبلک ہے' سب جانتی ہے۔ وہ صاحب نہیں مانے الیکشن ہوا جب ان کے ووٹ کی گنتی ہوئی تو کل دس ووٹ ملے حساب لگایا گیا تو پتہ چلا کہ سات ووٹ تو ان کے بچوں کے' ایک ووٹ ان کی بیگم کا اور ایک ووٹ خود کا سب ملا کر نو ووٹ ہوئے۔ دسواں ووٹ کس نے ڈالا تھا آج تک پتہ نہیں چل سکا۔ اس بات پر ان صاحب کی بیگم سے ناراضگی بھی ہوئی کہ آخر یہ دسواں ووٹ کون

ڈال گیا۔ ہنوز تفتیش جاری ہے۔اور بیگم آج بھی ان کو شک کی نگاہ سے دیکھتی ہیں۔

الیکشن کا زمانہ جب بھی آتا ہے لوگوں میں یہ تاثر ضرور پایا جاتا ہے کہ صحیح نمائندہ کون ہے اور ووٹ کس کو دیا جائے۔ بات بھی درست ہے کہ غیب کا علم تو صرف خدا کو ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کو اتنی عقل سلیم دی ہے کہ اچھے اور برے کی تمیز کر سکے۔ اگر آپ اس ملک میں یا شہر میں نئے ہیں اور آپ کے علاقے سے کوئی شخص آپ سے آپ کا ووٹ مانگتا ہے تو آپ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ آپ اس شخص کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔ جو پرانے لوگ ہیں ان سے ملیں اور پوچھیں کہ یہ شخص کس قسم کی شہرت رکھتا ہے۔ یا اس کا ماضی داغدار تو نہیں۔ اگر ہے تو پھر دوسرے شخص کی طرف چلے جائیں۔ یہ مت دیکھیں کہ یہ آپ کی زبان بولتا ہے۔ بس یہ کافی نہیں ہے اچھے برے لوگ ہر زبان بولنے والوں میں ہوتے ہیں۔ اگر کوئی گورا ہے اور اچھی شہرت رکھتا ہے تو وہ آپ کی زبان بولنے والے سے بہتر ہے۔ صرف آپ کی زبان بولنے والا ہی مناسب امیدوار ہے ضروری نہیں۔

عقل استعمال کریں لوگوں سے معلومات حاصل کریں۔ یہ ایک ووٹ بھی بڑا قیمتی ہوتا ہے۔ آپ پر فرض ہے کہ آپ اپنے ووٹ کا صحیح استعمال کریں۔ کسی کی چکنی چپڑی باتوں میں نہ آئیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ جیسے ہزاروں لوگوں کو صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

''میرا ووٹ ہے کسی اور کا اسے مانگتا کوئی اور ہے''

......☆......

امیگریشن کنسلٹنٹ اور ہم

دردِ دل کے واسطے ہے چاہیے جن کو دوا
وہ یہاں پر بیچتے ہیں خود دوائے دردِ دل

ہمارے ایک دوست اپنے وطن سے دو سال قبل وزٹ پر یہاں آئے، کچھ دن ٹورانٹو میں رہنے کے بعد مونٹریال چلے گئے۔ وہاں سے سال بھر بعد لوٹے تو میری ملاقات ان سے اچانک ایک مال میں ہو گئی۔ میں نے پوچھا کہ کیوں حضرت واپس جانے کا ارادہ نہیں ہے کیا۔ کہنے لگے کہ سوچ رہا ہوں کہ نہ جاؤں بس یہیں ڈیرہ ڈال دوں۔ میرے پوچھنے پر کہ یہ کیسے ممکن ہے کہنے لگے کہ میں نے سب بندوبست کر لیا ہے۔ میں نے ان سے اتنا ہی پوچھا جتنا کہ وہ بتانا چاہتے تھے۔ خیر صاحب بات آئی گئی ہو گئی۔

کل وہ اچانک پھر مل گئے تو میں نے محسوس کیا کہ کچھ پریشان ہیں۔ پوچھا تو کہنے لگے کہ بھئی میں لُٹ گیا، برباد ہو گیا۔ میں نے پوچھا کہ بھئی کیا ہو گیا تو کہنے لگے کہ میرا امیگریشن کنسلٹنٹ ڈی پورٹ ہو گیا ہے میرا کیا بنے گا۔ میں نے مذاق میں جواب دیا ''ڈی پورٹ'' اور کیا۔ چونکہ دوست بے تکلف تھے کہنے لگے کہ ایک تو میں پریشان ہوں دوسرے تم مذاق کر رہے ہو۔ میں نے جواب میں کہا کہ مذاق نہیں کر رہا۔ بلکہ تمہاری حماقت پر ہنسی اڑا رہا ہوں۔ پچیس سال تم نے بنکنگ کی، بھانت بھانت کے لوگوں سے ملے بڑے بڑوں سے ملے، بڑے بڑوں کے مسائل حل کئے، آج تم اپنی تو اپنی پوری فیملی کی زندگی اور مستقبل کو داؤ پر لگا کر کیا چاہتے ہو میں تمہاری تعریف کروں۔ تمہارے اس عمل پر بغلیں بجاؤں۔ اتنے سمجھدار ہو کر تم نے ایسی غلطی کیسے کی۔ تم نے امیگریشن

کنسلٹنٹ سے معاملات طے کرتے وقت یہ کیوں نہیں پوچھا کہ تمہارا اپنا اسٹیٹس کیا ہے۔ کتنے سال سے اس ملک میں رہ رہے ہو۔ اس بزنس میں کتنا تجربہ ہے۔ یہ تمام چیزیں تو بنیادی ہوتی ہیں۔ کہنے لگے اب تو مجھے اپنی دنیا اندھیری اندھیری ہی لگ رہی ہے۔ پیسے بھی تقریباً لے چکا تھا وہ۔ اب کورٹ میں ہیئرنگ تھی کہ وہ رفیوجی ہونے کی وجہ اس کا کیس ریجیکٹ ہوگیا اور اس کے ڈی پورٹیشن آرڈر آ گئے۔ اس طرح وہ چلا گیا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ ایک کورٹ میں وہ اپنے کلائنٹس کو لے کر جاتا تھا اور دوسرے کورٹ میں خود اپنی تاریخیں نمٹاتا تھا۔ یہ تو ایسا ہی ہوا کہ ایک مریض جس مرض میں مبتلا ہو اسی مرض میں مبتلا دوسرے مریض کا علاج کر رہا ہو۔

کچھ اور کھلے تو کہنے لگے کہ اپنے ہی پھنسواتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ کیا مطلب تو کہنے لگے کہ بس یوں سمجھو کہ ایک عزیز نے مشورہ دیا تھا کہ اپنے وطن مت جاؤ، یہاں رک جاؤ میں تمہاری ملاقات ایک امیگریشن کنسلٹنٹ سے کروا دیتا ہوں جو اس کی فیس ہے وہ دے دینا وہ رفیوجی کلیم تمہارا داخل کر دے گا۔ بس اللہ اللہ خیر سلہ۔ دو چار سال تو تاریخ لینے میں گزر ہی جائیں گے۔ اس وقت تک تمہارے بچے اسکول میں بھی تعلیم حاصل کرتے رہیں گے۔ یہاں کے سسٹم کو بھی سمجھ لیں گے اور یہاں تو رفیوجی ہو یا لینڈڈ امیگرنٹ، سہولیات تو ایک ہی ہیں۔ وہی اسکول ہے، وہی مال ہے، وہی بسیں ہیں یا ٹرانزٹ، بس SIN کارڈ بنتے ہی جاب بھی کر سکو گے۔ یہ تمام باتیں سن کر میں اس کی باتوں میں آ گیا اور یہ فیصلہ کر بیٹھا۔ آج مجھے یہ احساس ہو رہا ہے کہ میں نے زندگی کا سب سے اہم اور غلط فیصلہ اپنے عزیز کے کہنے پر کر بیٹھا جس کے لیے میں عمر بھر اپنے آپ کو معاف نہیں کر سکوں گا۔ یہ سن کر میں نے کہا کہ بزرگوں نے ہمیشہ کہا ہے کہ سنو سب کی لیکن کرو اپنی بھلے فیصلہ غلط کرو لیکن خود کرو اگر غلط بھی ہوا تو تم کسی اور کو ذمہ دار نہیں ٹھہرا سکو گے کہ فلاں نے پھنسوا دیا کیونکہ فیصلہ تمہارا اپنا کیا ہوا ہوگا۔ یہ دوسروں کو ذمہ دار ٹھہرانے سے مسئلہ حل نہیں ہو جاتا بلکہ بڑھتا ہے۔ اور تم اپنی جھینپ بھی نہیں مٹا سکتے۔ کہتے ہیں کہ ہر شخص مشورہ دینے کے قابل بھی نہیں ہوتا۔ کسی سے مشورہ لینے سے پہلے یہ تو جائزہ لے لو کہ آیا وہ شخص مشورہ دینے کے قابل ہے بھی یا نہیں۔

ایک صاحب کی گائے بیمار ہوگئی تو انہوں نے اپنے دوست کو فون کر کے پوچھا کہ یار تمہاری

گائے جب بیمار ہوئی تھی تو تم نے اس کا کیا علاج کیا تھا۔ وہ صاحب بولے کہ بھئی میں نے تو اس کو مٹی کا تیل پلا دیا تھا۔ یہ سن کر ان صاحب نے فون بند کر دیا۔ اور اپنی گائے کو مٹی کا تیل پلانے چلے گئے۔ دوسرے دن جب وہ سو کر اٹھے تو دیکھا کہ گائے مری پڑی تھی۔ بہت پریشان ہوئے۔ اسی پریشانی میں اپنے دوست کو فون کیا اور کہا کہ یار تمہارے بتانے پر میں نے اپنی گائے کو مٹی کا تیل پلا دیا لیکن وہ مر گئی۔ دوست نے یہ سنتے ہی کہا کہ ”مر تو وہ بھی گئی تھی۔“

کیا آپ نے کبھی یہ سوچا ہے کہ لوگ اگر بیمار پڑتے ہیں تو فیملی ڈاکٹر سے ابتدائی علاج کروانے کے بعد اگر افاقہ نہ ہو تو فوراً اسپیشلسٹ کی طرف کیوں چلے جاتے ہیں تاکہ مرض کا جڑ سے خاتمہ کیا جا سکے۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ یہ معلوم کئے بغیر کہ یہ ”یورولوجسٹ“ ہے بھی یا نہیں لوگ اپنے گردے کا آپریشن کرانے ہسپتال میں داخل ہو جاتے ہیں۔ یہاں تو سننے میں آیا ہے کہ لوگ کسی بھی نام سے ایک کمپنی ۶۵ ڈالر دیکھ کر کھول لیتے ہیں۔ اسے (Inc) انکا پوریٹڈ بھی نہیں کراتے اور بس ایک سیل فون لے لیتے ہیں اور دھندہ شروع۔ اخبار میں اشتہار دیکھ کر بھولے بھالے لوگ اپنے عزیزوں کو اپنے وطن سے یہاں بلوانے کے خواہش مندان کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں۔ بعض نے اپنے گھر سے ہی کام شروع کر رکھا ہے۔ بعض نے سیل فون پر ہی سارا کاروبار چلا رکھا ہے۔ کسی نے اپنے بیسمنٹ سے یہ کام سجا رکھا ہے۔ جہاں اس کی اپنی فیملی کے علاوہ دو دو دوست بھی رہتے ہیں کہ نہ جانے کب کس رفیوجی کیس ریجیکٹ ہو، ڈی پورٹیشن آرڈر آ جائے اور اس ملک سے جانا پڑے۔ جو ہاتھ لگ جائے سمیٹ لو جانا تو ہے ہی۔

یہ ملک ترقی یافتہ ملک ہے۔ یہاں ہر کام طریقے سے اور قانون کے عین مطابق ہوتا ہے۔ ہم میں سے کوئی بھی اگر قانون کو ہاتھ میں لیتا ہے تو اس کو اس کے نقصانات کا بھی فوراً اندازہ ہو جاتا ہے۔ اس ملک میں اگر کوئی الیکٹریشن ہے یا کارپینٹر ہے تو اس کے پاس بھی باقاعدہ سرٹیفکیٹ ہیں۔ گویا کہ سرٹیفائیڈ الیکٹریشن یا پھر سرٹیفائیڈ کارپینٹر ہیں کسی شخص کو یہ اجازت نہیں ہے کہ صبح اٹھ کر یہ فیصلہ کرے کہ آج سے میں الیکٹریشن ہوں یا پھر کارپینٹر۔

اسی طرح یہ امیگریشن کنسلٹنٹ بھی باقاعدہ تعلیم یافتہ اور سرٹیفائیڈ ہوتے ہیں۔ اس کا کورس

ہوتا ہے نہ کہ بس صبح اٹھے اپنے نام کا بزنس کارڈ چھپوالیا کہ آج سے میں امیگریشن کنسلٹنٹ ہوں۔ اور جیسے چاہوں گا لوٹ لوں گا۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔

میں اپنے دوستوں کو یہ کہوں گا کہ خدارا ہوش سے کام لیں۔ ہمارے یہاں لیگل امیگریشن کنسلٹنٹ موجود ہیں۔ ان کو تلاش کریں دو چار سے بات کریں۔ جہاں آپ کی طبیعت بھرے وہاں سے آپ اپنے اس نازک معاملات کو طے کرائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کی مشکل آسان کرے۔ آمین۔ جس امیگریشن کنسلٹنٹ سے اپنے معاملات طے کریں اس سے پوچھیں کہ اس نے امیگریشن کنسلٹنٹ کا کورس کہاں سے کیا ہے۔ آپ اس سے اس کی سند دیکھنے کے لیے مانگ سکتے ہیں۔ یہ آپ کا قانونی حق ہے۔ آپ اس سے ڈرائیونگ لائسنس بھی مانگ کر اس کا پتہ ضرور معلوم کریں کیونکہ آپ کے پاس کچھ تو ہوا گر اس طرح کے امیگریشن کنسلٹنٹ کا سیل فون آف ہو جو کہ واحد ذریعہ ہوتا ہے آپ کے پاس اس تک پہنچنے کا۔

آپ یہ کہہ کر اپنی جان نہیں چھڑا سکتے کہ میرے دوست نے مجھے پھنسوادیا۔ آپ خود پڑھے لکھے انسان ہیں۔ اپنی عقل استعمال کریں۔ کوئی آپ کو دھوکہ دینے کی کوشش کرسکتا ہے لیکن دے نہیں سکتا جب تک کہ آپ خود اس کے لئے تیار نہ ہوں یا دوسرے کو موقع نہ دیں۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا

یاد رکھئے کہ اپنے معاملات تعلیم یافتہ لائسنس یافتہ، ٹرینڈ، تجربہ کار اور مددگار امیگرنٹس کنسلٹنٹ سے حل کرائیں کیونکہ نیم حکیم ہمیشہ خطرۂ جان ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا والی وارث ہے۔

......☆......

گڑ جیسی بات

رکھنا لگا کے دل سے چھوٹی سی میری بات
گر دے سکو نہ گڑ تو کرو گڑ ہی جیسی بات

صاحب بزرگوں نے کہا ہے کہ زباں شیریں ملک گیریں۔ یعنی اگر آپ کی زبان اچھی ہے تو پورا ملک آپ کا ہے۔ دنیا آپ کی ہے کیونکہ آپ اپنی زبان سے لوگوں کی دل جیت لیتے ہیں اور اس طرح پوری دنیا آپ کے گرد ہوتی ہے آپ کے پیچھے ہوتی ہے۔ کسی کو اپنا کرنا بڑا مشکل کام ہے لیکن کسی سے بگاڑنا دومنٹ کا کام ہے۔

بچپن سے ہمیں یہی سکھایا جاتا ہے کہ تمہاری زبان سے نکلی ہوئی بات پرائی ہو جاتی ہے اس لئے پہلے تولو پھر بولو۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ بولنے والے سے زیادہ ذہین سننے والے ہوتے ہیں لیکن اس بات سے سب متفق نہیں ہیں اور میں خود بھی۔ لیکن ہاں سوچ سمجھ کر بولنا اچھی بات ہے اور میٹھا میٹھا بولنا تو اس سے بھی زیادہ اچھی بات ہے۔

ایک صاحب جو شائد پہلی بار ہوائی جہاز سے سفر کر رہے بار بار ائیر ہوسٹس کو بلاتے کسی چیز کی فرمائش کرتے اور دل ہی دل میں اسے خوشگوار موڈ میں دیکھ کر خوش ہوتے۔ یہ سلسلہ دوران سفر جاری رکھا۔ جب جہاز سے اترنے کا وقت آیا تو بھی اس نے انہیں مسکرا کر ہی جہاز سے خدا حافظ کہا۔ تھوڑی دیر بعد جب یہ اپنے سامان کے انتظار میں لاؤنج میں کنوئیر بیلٹ کے پاس کھڑے تھے کہ اچانک ان کی نظر اس ائیر ہوسٹس پر پڑی جو دوران سفران کے ساتھ فلائٹ پر تھی اور مسکرا مسکرا کر ان کی ہر فرمائش پوری کررہی تھی یہ اس کے قریب چلے گئے اور بڑا ہنستے ہوئے ان سے گویا

ہوئے ''آپ یہاں کھڑی ہیں''۔ ائیر ہوسٹس نے ذرا کرخت لہجے میں جواب دیا کیوں یہاں کھڑے رہنے پر پابندی ہے۔ اب تو یہ صاحب بڑا سٹپٹائے کیونکہ ان کے خلاف توقع اس نے مسکرا کر جواب دینے کی بجائے تڑاخ کر جواب دیا۔ یہ دوسرے لمحے پوچھ بیٹھے کہ آپ وہی ہیں نا جو ابھی میرے ساتھ جہاز پر تھیں۔ اس بار ائیر ہوسٹس نے ذرا اور سخت لہجے میں کہا کہ ہاں میں ہی تھی۔ اس پر ان صاحب سے نہ رہا گیا پوچھ بیٹھے کہ آپ جہاز کے سفر کے دوران تو کچھ خوش مزاج تھیں یہ جہاز سے اترتے ہی آپ کو کیا ہو گیا۔ یہ سن کر ائیر ہوسٹس نے جواب دیا کہ جہاز پر میں ڈیوٹی پر تھی اور ان تمام مسکراہٹوں کے بدلے مجھے تنخواہ ملتی ہے لیکن اس وقت میں ڈیوٹی پر نہیں ہوں اس لئے میرا مسکرانا بھی ضروری نہیں ہے اور نہ ہی آپ سے بات کرنا۔ یہ سن کر وہ صاحب اچھا اچھا کہتے ہوئے اپنی ٹرالی کے پاس آ گئے اور آپ ہی آپ بڑ بڑانے لگے۔ اپنی جھینپ مٹانے کی غرض سے۔ یہ لوگ بھی کیا لوگ ہیں ذرا کسی خاتون کو مسکراتے ہوئے دیکھا تو فوراً کسی غلط فہمی کا شکار ہو گئے۔ اپنے آپ کو ہیرو سمجھنے لگے اور خاتون کو خیالوں ہی خیالوں میں ہی اپنی ہیروئن۔ لیکن اس قسم کی کہانی کا ڈراپ سین بہت ہی جلدی ہو جاتا ہے۔ اور لوگوں کو اپنی اوقات سمجھ میں آ جاتی ہے۔ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی۔

ہمارے ایک قریبی عزیز ہیں۔ ایک فضائی کمپنی میں ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز ہیں۔ ان کا ایک تکیہ کلام ہے کہ جب بھی وہ کسی سے ملتے ہیں بس تین موٹے موٹے سوالات کرتے ہیں: ''کیا حال ہے میاں''، ''ٹھیک ہو''، ''امی ابو ٹھیک ہیں''۔ ایک بات اور بتا دوں ذرا مغرور آدمی ہیں اور وہ کسی کو پہچانتے وہچانتے نہیں ہیں۔ جو کوئی بھی آگے بڑھ کر ان کو سلام کر دے گا تین سوالوں کا جواب دینا پڑے گا۔ بس اللہ اللہ خیر سلہ۔ ایک مرتبہ ائیر پورٹ پر کسی کی میت آنے والی تھی۔ اس موقعہ پر پورا خاندان جمع تھا۔ لوگ پانچ، پانچ دس دس کے گروپ میں کھڑے باتیں کر رہے تھے کہ اچانک میرے وہ عزیز (ڈائریکٹر) آ گئے۔ چونکہ رشتہ داری کا معاملہ جو تھا۔ خیر لوگ ان کے گرد بھی جمع ہو گئے۔ اب جو شخص بھی ان کو سلام کرتا وہ ہر ایک سے وہی گھسے پٹے سوالات کرتے۔ میرے ایک دوست جو میرے عزیز بھی ہیں شوق میں آگے بڑھے اور ان کو سلام کر کے ہاتھ ملایا۔

فوراً بولے ''کیا حال ہے میاں''، ''ٹھیک ہو''، ''امی ابو ٹھیک ہیں۔'' میرے اس دوست کے والدین کئی برس پہلے فوت ہو چکے ہیں، نے جب ان صاحب کے منہ سے الفاظ سنے تو اسے میری بات کا یقین آ گیا جو میں نے اسے سلام کرنے سے پہلے بتائی تھی۔ جواب میں اس نے ڈائریکٹر صاحب سے کہا کہ آپ میرے عزیز ہیں نہ معلوم کس دنیا میں رہتے ہیں۔ آپ کو اتنا بھی ہوش نہیں کہ میرے والدین کا آج سے دس برس پہلے انتقال ہو چکا ہے۔ تو صاحب کچھ لوگوں نے انداز اس طرح کا بنا لیا ہے۔ انہیں فرصت ہی نہیں ہے ان سب باتوں کے لئے یا کاموں کے لئے۔ وہ تو آج کے اس میت میں شرکت کے بعد بھی بھول جائیں گے کہ میت میں آج گئے تھے۔ اور یہ میت کس کی تھی بس خوش گفتار ہیں تو خوش رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اوروں کو اور بس۔

سیلز کی ہر جاب میں ٹریننگ کے دوران خوش گفتاری پر بڑا زور دیا جاتا ہے اور سیلز پرسن کو تاکید کی جاتی ہے کہ اگر گُڑ نہ دے سکو تو گڑ جیسی بات ضرور کرنا۔ اور یہی وجہ ہے کہ ایک اچھا سیلز پرسن وہی ہوتا ہے جو اپنی خوش گفتاری سے اپنے مقابل کو قائل کر دے اور محفل لوٹ لے۔ بعض اوقات یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ لفظ ''نہیں''، یعنی "NO" کا استعمال کم سے کم کریں یا پھر نا ہی کریں تو اچھا ہے۔ اس سے دراصل دل آزاری ہوتی ہے۔ اگر وہ کام کرنا ناممکن نہ ہو تو جملے کا چناؤ اس قدر بہتر ہو کہ سننے والا واپنی ہتک محسوس نہ کرے۔

آپ نے نوٹ کیا ہوگا کہ ہمارے ملکوں میں جب کوئی بچہ اپنے اسکول کے نصاب کے کسی مضمون میں کمزور ہونے کی وجہ سے کم نمبر حاصل کرتا ہے تو ٹیچر اس کے رپورٹ کارڈ پر سرخ روشنائی سے ''فیل'' لکھ دیتے ہیں۔ جو یقیناً بچوں نے محسوس کیا ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ وہ وہاں کے سسٹم کا ایک حصہ ہے اس لئے بچے اور والدین سب ہی اس بات کی عادی ہو گئے ہیں۔ اس کے برعکس یہاں کینیڈا کے سسٹم کے مطابق جب کوئی بچہ اپنے اسکول کے نصاب کے کسی مضمون میں کمزور ہونے کی وجہ سے کم نمبر حاصل کرتا ہے تو ٹیچر اس کے رپورٹ کارڈ پر کبھی سرخ روشنائی سے فیل نہیں لکھتے بلکہ لکھتے ہیں Needs Improvment یعنی کہ محنت کی ضرورت ہے۔ بہتری کی ضرورت ہے۔ یہ لکھ کر کسی کے دل خراب نہیں کرتے کہ تم ''فیل'' ہو گئے ہو۔

ہمارے اپنے گھروں میں بھی آپ غور کریں کہ بچے اپنے بڑوں سے وہی سیکھتے ہیں جو گھر کے بڑے اور دوسروں کے ساتھ رویہ رکھتے ہیں۔ اگر تربیت دی گئی ہے کہ لہجہ دھیما رکھو۔ پہلے دوسرے کی بات غور سے سنو اس کے بعد اگر تمہیں کچھ پوچھنا ہے تو ضرور پوچھو پھر اپنا جواب مکمل دو لیکن یاد رہے کہ تمہارا لہجہ دھیما اور الفاظ مناسب ہونے چاہئیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایک دوسرے سے میٹھے بول بولنے اور سننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

......☆......

یہ بات میری مان لے
یہ دل میں اپنے ٹھان لے

تو جان دے یا جان لے
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

ماہِ رمضان اور ہم

اے مومنو! سنو یہ میری بات کام کی
سنتا ہے رب اس ماہ میں ہر خاص و عام کی

کہتے ہیں کہ رمضان کا مہینہ جب آتا ہے تو شیطان بند کر دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے بہت قریب ہوتا ہے۔ اب یہ بندے بندے پر منحصر ہے کہ وہ اپنے رب کو راضی کر لے اور جو جی چاہے اس سے مانگ لے۔ سب دعاؤں سے بڑی یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا محتاج رکھے کسی بندے کا محتاج نہ کرے۔ آمین۔ ایمان پر زندگی بسر ہو اور ایمان پر خاتمہ ہو۔ آمین۔

ہم اگر اپنی روزمرہ کی زندگی پر نظر دوڑائیں تو ہمیں یہ اندازہ ہوگا کہ ہم اپنی ڈگر سے کتنا ہٹ کر چل رہے ہیں۔ نہ وقت پر سو کر اٹھتے ہیں نہ وقت پر سوتے ہیں نہ وقت پر نماز پڑھتے ہیں اور نہ ہی وقت پر کھاتے ہیں۔ اس سے ہمارا نظام درہم برہم ہو کر رہ گیا ہے جس سے ہمارے مزاج بھی ٹھکانے پر نہیں ہوتے جب سارا نظام ہی گڑ بڑ ہے تو ہم کیا اور ہمارا مزاج کیا۔

ہمارے ملکوں میں اس مہینے کی آمد سے قبل ہی اس بابرکت مہینے کا استقبال بڑے شاندار طریقے سے کیا جاتا ہے۔ اخبارات، ریڈیو اور ٹیلی ویژن مخصوص ایڈیشن، نشریات، اور پروگرام پیش کرنے شروع کر دیتے ہیں۔ تلاوت کلام پاک، حمد و نعت ایک خاص سماں باندھ دیتے ہیں۔ بازاروں میں رونقیں بڑھنی شروع ہو جاتی ہیں۔ دوکاندار اپنی چیزوں کے نرخ یا تو کم کر دیتے ہیں یا پھر اتنا بڑھا دیتے ہیں کہ خریدار منہ دیکھتا ہی رہ جاتا ہے۔ حکومت تمام خورد و نوش کی چیزوں کے نرخ کنٹرول کرنے میں لگی رہتی ہے تاکہ ایک عام آدمی پر اس کا اثر نہ پڑے۔ اسی طرح جیسے جیسے

رمضان کا مہینہ اپنے اختتام کو پہنچنے لگتا ہے عید بازار اس کی جگہ لے لیتے ہیں عید شاپنگ میں لوگ اس قدر مصروف ہو جاتے ہیں کہ انہیں یہ احساس ہی نہیں رہتا کہ ہم کتنا آگے نکل گئے ہیں۔

حکومت وقت رمضان کی پہلی تاریخ کو تمام قومی بچت اسکیموں بینکوں کے کھاتہ داروں سے زکوٰۃ کی کٹوتی کرتی ہے اور ایک زکوٰۃ کمیٹی غریبوں تک ان پیسوں کو پہنچاتی ہے تاکہ غریب، بیوہ، یتیم، بے کس لوگ بھی عید مناسکیں اور عید کی خوشیوں میں شریک ہوسکیں۔لوگ اپنے طور پر بھی جو غریب ہیں ان تک رقم پہنچاتے ہیں جس سے حکومت کا کام بھی آسان ہو جاتا ہے۔دلوں کا حال تو اللہ کو معلوم ہے۔خلوص دل سے کیا ہوا کام اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت قدر ومنزلت سے دیکھا جاتا ہے۔اور اس کا اجر خود اللہ تعالیٰ اسی مہینے میں دے دیتا ہے کسی کی روزی میں برکت فرما کر یا پھر کسی کی صحت بہتر کر کے یا پھر عمر میں اضافہ کر کے۔

رمضان کے مہینے میں روزہ رکھنا تو ضروری ہے ہی افطار کرنے اور کروانے کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔لوگ اپنے دوستوں، عزیزوں، واقف کاروں کو افطار پر بلاتے ہیں۔اور سب لوگوں کے مل جل کر افطار کرنے پر بڑا ثواب اور اجر اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے۔بدنصیب ہے وہ شخص جو اس مہینے کو پائے اور اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں سے محروم رہے۔(اللہ نہ کرے)۔

رمضان کا چاند ادھر نظر آیا اور ادھر عشاء کی نماز کے ساتھ ساتھ تراویح شروع ہوگئی۔لوگ جوق در جوق مسجدوں میں جمع ہونے لگے جسے میں شائد زندگی بھر نہیں بھول سکتا۔پھر سحری میں اٹھنا اور فجر کی نماز پڑھ کر سونا۔پھر اٹھنا پھر دفتر جانا گویا کہ ایک خاص قسم کی روٹین بن جاتی ہے۔رمضان میں جسے ہم پورے سال یاد کرتے ہیں۔

ابھی تک شیطان کا ذکر کہیں نہیں آیا۔اس کے بارے میں تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ یکم رمضان سے ہی بند کر دیا جاتا ہے لیکن شیطانیت تو کسی کے دل میں بھی ہوسکتی ہے جو لوگ انسان ہو کر شیطان کا کام آسان کر دیتے ہیں ان کو کیا کہیئے۔ہمارے ملک میں بھی بعض دکاندار ایسے بھی ہیں جو رمضان کے مہینے کو اپنی آمدنی کا ذریعہ سمجھ کر قیمتوں کو کم کرنے کی بجائے بڑھا دیتے ہیں اور یہ سوچ لیتے ہیں کہ بس یہی ایک مہینہ ایسا ہے جو کما سکو کما لو ورنہ کل کس نے دیکھی ہے۔یہ موقع

پرست دکاندار نہ صرف اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں بلکہ جو لوگ ان کی دیکھا دیکھی ان کی پیروی کرتے ہیں وہ بھی اس مہینہ کی برکت سے محروم ہو جاتے ہیں۔

اللہ کے نیک بندے پورے مہینے روزے رکھتے ہیں' نماز پڑھتے ہیں، تلاوت کرتے ہیں، اور اللہ کے حضور سربسجود دعا مانگتے ہیں اور اللہ رب العزت اسے قبول فرماتا ہے۔چونکہ اللہ اپنے نیک بندوں کو مایوس نہیں کرتا۔بس لگن سچی ہونی چاہیے:

نیت صاف منزل آسان

رمضان کے مہینے میں ہی نئے کپڑے سلوانے کو کہا گیا ہے جسے آپ عید پر زیب تن کرتے ہیں۔ان کپڑوں کے بارے میں پرسش نہیں ہوگی چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس خاص مہینے میں رعایت دی ہے کہ جو چاہو کپڑے بنوالو پہن لو اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اپنے گردان ضرورت مندوں کے جسم پر بھی کپڑے ڈالو جو اس حیثیت میں نہیں ہیں۔اس کا بھی بڑا ثواب ہے۔جو لوگ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں اللہ کے نیک اور غریب بندوں سے دعا لے لیتے ہیں اپنے لئے بہتری پیدا کر لیتے ہیں۔

رمضان کے مہینے میں حکم ہے کہ زیادہ سے زیادہ عبادت کرو۔جو وقت بچے اِدھر اُدھر غیر ضروری کاموں اور باتوں سے پرہیز کرتے ہوئے اللہ کی راہ میں گزارو۔اللہ تعالیٰ اس کا اجر خود دے گا۔

رمضان میں ہی فطرانہ نکالنے کا بھی حکم ہے تاکہ غریب اس سے استفادہ کرسکیں۔اللہ کے دیئے ہوئے مال میں غریبوں کا بھی حصہ ہوتا ہے۔فطرانہ کے بارے میں یہ بھی حکم ہے کہ عید کی نماز ادا کرنے سے قبل دینا افضل ہے۔

عید کی نماز میں جب سب ایک صف میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں تو اللہ کے نزدیک یہ بہت پیارا منظر ہوتا ہے اور اس عمل کو اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ عمل قرار دیا گیا ہے۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

نمازِ عید ادا کرنے کے بعد یہ حکم ہے کہ آپس میں لوگوں سے ملوجلو ایک دوسرے سے بغل گیر ہوتا کہ آپس میں قربت بڑھے اور نفرتیں دور ہوں۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں گویا وہ رمضان کے مہینے کی فضیلت کا خوب فائدہ اٹھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نظر میں نہ صرف سرخرو ہوتے ہیں بلکہ اس کی خوشنودی حاصل کر کے اس کے نیک بندے بن جاتے ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو اپنے قریب رکھتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اچھے اچھے کام کر کے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کریں اور اپنے اس عمل سے نہ صرف اس دنیا میں بلکہ اس جہاں میں بھی بلند درجات پائیں۔ آمین۔

......☆......

مجھے تو بس یہ کہنا ہے
کہ ساتھ تیرے رہنا ہے

ملے جو دکھ وہ سہنا ہے
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

ایک اور اخبار

اب تو پاکستان انٹرنیشنل بھی آ گیا
تھے یہاں اخبار ڈھیروں پر یہ سب پر چھا گیا

کہتے ہیں کہ انسان کے دنیا میں آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ اس کے رزق کا بندوبست کر دیتا ہے اور جس کے نصیب میں جتنا رزق لکھا ہے وہ اسے مل کر ہی رہتا ہے۔ ایک سینٹ زیادہ نہ ایک سینٹ کم۔ اب ہم اگر کسی نئے شخص کے آنے سے گھبرا جائیں کہ ہمارا رزق نہ کم ہو جائے یہ تو پھر ہمارے ایمان کی کمزوری ہوئی نہ کہ نئے آنے والے کا قصور۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں چھوٹا تھا یعنی اسکول جاتا تھا اس زمانے میں ہمارے گھر کھانا دستر خوان بچھا کر کھایا جاتا تھا، ڈائننگ ٹیبل کا رواج عام نہیں تھا۔ جب بھی کوئی مہمان ہمارے گھر آتا ہمارے گھر میں عید کا سماں ہوتا تھا چونکہ ہمیں شروع سے یہ تربیت دی گئی تھی کہ مہمان جب بھی کسی کے گھر آتا ہے تو اللہ کی رحمت بھی ساتھ آتی ہے۔ اس لئے ہم بھی خوش خوش مہمانوں کی خاطر تواضع میں گھر والوں کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ جب کھانا تیار ہو جاتا تو مجھے ہی دستر خوان بچھانے کو کہا جاتا تھا۔ ایک خاص قسم کے کپڑے کا بنا ہوا یہ دستر خوان میں جب بچھاتا تھا تو اس پر لکھا یہ شعر بار بار پڑھتا تھا جو مجھے آج بھی یاد ہے ۔

شکر کر رزاق کا بددل نہ ہو مہمان سے
رزق کھاتا ہے وہ اپنا تیرے دستر خوان سے

مشہور واقعہ ہے کہ ایک شخص نے جو کسی دفتر میں ملازم تھا اور تنخواہ تین ہزار ماہانہ تھی، سوچا کہ

کیوں نہ ہم پارس کے پہاڑ پر جائیں اور وہاں سے سونا حاصل کر کے امیر بن جائیں۔اس خیال کے آتے ہی اس نے اپنے دفتر کو ایک ماہ کی چھٹی کی درخواست دی تو وہاں سے جواب ملا کہ چونکہ آپ کی چھٹی باقی نہیں ہے اس لئے چھٹی ''لیو وِدتھ آؤٹ پے'' منظور کی جاتی ہے۔گویا کہ چھٹی بغیر تنخواہ کے مل گئی۔وہ شخص ایک چرواہے کے پاس گیا، وہاں سے دس بکریاں ادھار لیں واپس کر دیں گے کے ارادے سے، پھر ایک لوہار کے پاس گیا اور تمام بکریوں کے گلے میں موٹی موٹی زنجیریں پہنائیں، واپس کر دینے کے ارادے سے۔اب پارس کے پہاڑ پر پہنچا، ایک مہینہ تک وہاں قیام کیا اس دوران بکریوں کو لے کر اِدھر اُدھر مارا مارا پھرا اس امید کے ساتھ کہ یہ تمام زنجیریں جو اس نے بکریوں کے گلے میں پہنائی تھیں سونے کی بن جائیں گی۔تو اس کے دن پھر جائیں گے۔جب ایک ماہ کا عرصہ گزر گیا چھٹیاں ختم ہو گئیں' لوہے کی انجیریں لوہے کی ہی رہیں تو مایوس ہو کر گھر کی طرف چل پڑا۔بکریاں چرواہے کو واپس دیں۔زنجیریں لوہار کو واپس کر کے گھر آیا۔دوسرے دن جب وہ اپنے دفتر جانے کے لیے تیار ہونے لگا اور اپنے جوتے صاف کرنے کے لیے جوتا اٹھایا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ دونوں جوتوں کی تلووں کی تمام کیلیں سونے کی ہو گئی تھیں۔سیدھا ایک موچی کے پاس گیا وہ تمام سونے کی کیلیں نکالیں اس کی جگہ لوہے کی ڈلوائیں اور پھر سنار کی دکان پہنچا۔اسے بیچ کر جو رقم ملی وہ تین ہزار تھی۔آپ نے دیکھا اللہ تعالیٰ نے اسے تین ہزار کس طرح دلوائے۔اس لئے اس بارے میں ہمارا ایمان بہت پختہ ہونا چاہیے کہ جو رزق اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے لکھ دیا ہے اتنا ہی ہمیں مل کر رہے گا۔

میرے ایک بہت ہی اچھے دوست ہیں جو ایک جعلی مقدمے میں پھنسا دیے گئے تھے، نے ایک شام بڑی اچھی بات کہی کہنے لگے کہ میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ اوپر والے نے جتنی سانسیں میری اس زمین پر لکھی ہیں وہ میں نے پوری کرنی ہیں اور جو رات میری قبر میں گزرنی ہے وہ میں زمین پر گزار نہیں سکتا۔''اللہ رے ایمان''۔

جب میں نیا نیا کینیڈا آیا تو میں نہیں جانتا تھا کہ میرے جاننے والے بھی یہاں رہتے ہیں۔رفتہ رفتہ وہ لوگ میرے قریب آتے گئے اور پھر آہستہ آہستہ کھلتے گئے اور پھر دھیرے

دھیرے دور ہوتے چلے گئے۔چونکہ میں نے سبھوں کو ناپنے میں تاخیر نہیں کی۔ان میں کچھ لوگ تو یہ معلوم کرنے آئے تھے کہ میں کتنے پیسے لے کر آیا ہوں۔جب انہیں یقین ہو گیا کہ میرے پاس تو پیسے ہیں ہی نہیں تو وہ چھوڑ گئے، کچھ لوگ تو بلاوجہ کا مشورہ دینے آئے تھے جب انہوں نے دیکھا کہ میں سنتا سب کی ہوں اور کرتا اپنی ہی ہوں تو وہ بھی چلے گئے۔کچھ لوگ ڈرانے آتے تھے کہ یہ ہمارا ملک نہیں ہے کینیڈا ہے یہاں یہ کرو گے تو وہ ہو جائے گا اور وہ کرو گے تو یہ ہو جائے گا۔میں سب کی سنتا رہا اور اپنے ذہن میں سبھوں کے لئے جگہ بناتا گیا۔کچھ جگہوں پر بحث بھی ہوئی وہ لوگ اپنا موقف مجھ پر مسلط کرنا چاہتے تھے جو میں ماننے کو تیار نہیں تھا۔میں نے ان لوگوں سے ہر بار یہی کہا کہ یا تو قائل ہو جائیں یا پھر قائل کر دیں۔بیچ کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔لیکن ان لوگوں کا موقف سن کر مجھے آج بھی ہنسی آتی ہے۔ایک صاحب ہیں کہنے لگے کہ جب ہم 60s میں یہاں آ رہے تھے تو تمام لوگوں نے مخالفت کی تھی کی کینیڈا نہ جاؤ آج کیوں سب منہ اٹھا کر چلے آ رہے ہیں۔جس پر میں نے جواب دیا کہ اب اپنے ملک کے حالات پہلے جیسے نہیں رہے۔ہر شخص کو اپنے بچوں کے مستقبل کی فکر ہے اور یہ اس کا پیدائشی حق بھی۔جان مال عزت آبرو محفوظ نہیں ہے اس لئے آ رہے ہیں اور اگر آ رہے ہیں تو آپ کو کیوں تکلیف ہے۔کہنے لگے کہ پہلے بسوں میں بیٹھنے کی جگہ مل جاتی تھی اب تو کھڑے ہونے کی جگہ نہیں ہوتی۔پہلے گیس اسٹیشن خالی پڑے رہتے تھے اب وہاں بھی گاڑیوں کی لائن لگی ہوتی ہے۔جب سے یہ امیگرنٹس آئے ہیں مال میں جاؤ تو وہاں رش کوئی، کوئی جگہ سکون کی نہیں رہی۔یہی حال پارکوں کا بھی ہے۔میں نے ان لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کی کہ جو شخص بھی یہاں آیا ہے حکومت کینیڈا کی منظوری سے آیا ہے آپ کا کیا لیتا ہے۔وہ حکومت کینیڈا کی تمام تر شرائط پوری کر کے وہاں کے امیگریشن قوانین کے عین مطابق آیا ہے آپ کا کیا جاتا ہے۔لیکن تکلیف انہیں اندرونی تھی۔ان میں سے چند تو آج کل بہت بیمار بھی ہیں۔اللہ تعالیٰ انہیں صحت کے ساتھ زندگی دے تا کہ وہ اپنی زندگی میں دیکھیں کہ جو سہولیات ان کے بچوں کو عرصے دراز سے حاصل تھیں ان کا انہوں نے کیا فائدہ اٹھایا اور جو بچے اب آئے ہیں اپنی ذہانت سے عقلمندی سے اور اپنی قسمت سے کس

طرح ہر محکمے میں اپنے لئے جگہ بنا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نئے امیگرنٹس کے بچوں کو بھی ان کے جائز مقام پر پہنچنے میں ان کی مدد فرمائے۔ آمین۔

میری عادت ہے کہ جب بھی میں کوئی اسٹیج شو کرتا ہوں تو پرانے فنکاروں کے ساتھ ساتھ چند نئے فنکاروں کو بھی ضرور اسٹیج پر پرفارم کرواتا ہوں۔ اس طرح نئے پرانے مل کر پروگرام کو دلچسپ بنا دیتے ہیں اور پروگرام اچھا ہونے کے ساتھ ساتھ نئے چہرے بھی متعارف ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے اگلے پروگرام کی تیاری میں مجھے بہت مدد ملتی ہے۔ اس طرح سینئر آرٹسٹ کے نخرے سہنے سے بھی میں بچ جاتا ہوں۔ اور نئے آرٹسٹوں کی بھی مجھے دعا مل جاتی ہے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک پروگرام میں، میں نے ایک نئے گلوکار کو پہلی بار متعارف کرانا تھا۔ پروگرام ایک گھنٹہ تاخیر سے شروع ہوا تو ایک سینئر گلوکار نے آ کر مجھے کہا کہ ہمارے کچھ گانے کٹ جائیں گے چونکہ وقت کم رہ گیا ہے سب سے پہلے تو اس نئے سنگر کو نکال دیں۔ مجھے اپنے اس سینئر گلوکار کی بات اچھی نہیں لگی میں چونکہ اس پروگرام کا ماسٹر آف سیریمنی تھا اپنے اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے میں نے اس نئے فنکار سے ایک کی بجائے دو گانے سنوائے جسے پورے ہال نے کھڑے ہو کر تالیاں بجائیں اور ''ونس مور، ونس مور'' کے نعرے لگائے۔ دراصل یہ سینئر فنکار عدم تحفظ کا شکار ہو جاتے ہیں کہ اگر نئے فنکار اچھا فن پیش کریں گے تو ہمارا کیا ہو گا ہمیں کون تک کرے گا۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ میں اپنے پروگرام میں خود کامیڈین ہونے کے باوجود دوسرے کامیڈین کو بھی متعارف کرواتا ہوں تا کہ نئے کامیڈین بھی سامنے آئیں۔ اور جس طرح میرے لئے مجھ سے سینئر فنکاروں نے جگہ بنائی ہے اسی طرح میرے جونیئر فنکاروں کو میری جگہ لینی ہے۔ زندگی ایک سائیکل ہے جو سدا چلتا رہا ہے اور سدا چلتا رہے گا۔

کل کھیل میں ہم ہوں نہ ہوں
گردش میں تارے رہیں گے سدا

اس طرح اگر کوئی نیا اخبار ہمارے ہاں آتا ہے تو بجائے اس کے کہ ہم اس کی مخالفت شروع کر دیں ہم اسے خوش آمدید کہیں، یہ سوچتے ہوئے کہ آخر کبھی ہم نے بھی اپنا کام یہاں سے شروع

کیا تھا۔ دوسرے کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا کہ ہمارا۔ جس کو جتنا کام آتا ہے کرے اور اپنے حصے کی روزی کما لے۔ آپ کو جتنا ملنا ہے اتنا مل جائے گا۔ یہ کیوں سوچتے ہیں۔ اللہ کے خزانے میں کمی ہے کیا کہ آپ کا کاٹ کر دوسروں کو دے گا۔

یہ چمن یونہی رہے گا اور سارے جانور
اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گے

......☆......

نہ کر تو اور اب ستم
کہ اب نکل چلا ہے دم

یہ کہہ رہے ہیں تم سے ہم
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

مذاق مجھ سے نا کرو
کہ جس پہ مرنا ہے مرو

یہاں پہ دھرنا نا دھرو
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

اپنے منہ میاں مٹھو

اپنی ہی تعریف میں تھکتی نہیں ان کی زبان
ہم نے گر ٹوکا انہیں تو پھر خفا ہو جائیں گے

آپ نے نوٹ کیا ہوگا کہ لوگوں کو بڑائی مارنے کی عادت ہوتی ہے۔ میں یہ ہوں‘ میں وہ ہوں، میں نے یہ کیا، میں نے وہ کیا، میں نہ ہوتا تو نہ جانے کیا ہوجاتا۔

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

ایک صاحب مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے ٹھیک ان کے پیچھے والی صف میں بیٹھے کچھ لوگ دھیمے لہجے میں ان کی تعریف کر رہے تھے کہ یہ صاحب جو نماز پڑھ رہے ہیں بہت شریف آدمی ہیں‘ ہماری ہی گلی میں رہتے ہیں۔ پانچ وقتی نمازی ہیں، روزہ بھی رکھتے ہیں اور سب سے بڑھ کر دوستوں کے دوست ہیں۔ جب یہ لوگ ان کی تعریف کر چکے تو ان صاحب سے نہ رہا گیا۔ انہوں نے نماز کے دوران گردن گھمائی، پھر بولے ”اور میں حاجی بھی ہوں“......

میرے ایک دوست ہیں جو کسی اسلامی تنظیم کے اہم رکن بھی ہیں۔ اپنے آپ کو کچھ زیادہ ہی سمجھتے ہیں کہ جیسے اسلام کے ٹھیکہ دار ہیں۔ جو انہوں نے کہہ دیا تو بس وہ پتھر پر پڑی لکیر ہے۔ ایک دن اپنے ہاتھ میں کچھ لٹریچر اٹھائے کہیں جا رہے تھے کہ میری ان سے ملاقات ہوگئی۔ میں نے ان سے پوچھا کہ کیا کچھ لے جا رہے ہیں، ہمیں بھی تو دیکھائیں۔ کہنے لگے یہ آپ کے کام کی چیز نہیں ہے۔

تو میں نے کہا کہ میں مسلمان ہوں، ظاہر یہ چیزیں میرے کس کام کی ہوں گی۔ اس پر وہ چونکے پھر بولے کہ بھائی دراصل آپ کے بارے میں مجھے علم نہیں ہے کہ آپ کس مکتب فکر کے ہیں۔ اس لئے میں احتیاط برت رہا تھا۔ میں نے کہا میں آپ کو بتا دیتا ہوں کہ کس مکتب فکر کا ہوں، سنئے:

میں سب سے بزرگ و برتر ذات خدا کو مانتا ہوں، اس کے بعد رسول ﷺ کو پھر چاروں خلیفاؤں کو، پھر تمام انبیاء کرام، تمام بزرگان دین، اپنے والدین، پڑوسیوں کو اور پھر اپنے بیوی بچوں کو۔ اس پر وہ صاحب کہنے لگے کہ آپ سچے مسلمان ہیں تو میں نے کہا کہ آپ میری طرح کیوں نہیں بن جاتے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ آپ دعا کیجئے جس پر میں نے کہا کہ میں آپ کے لئے دعا نہیں کروں گا۔ تو وہ صاحب بولے آخر کیوں؟ میں نے جواب دیا کہ ''اس جہاں میں تو آپ کو بھگت رہا ہوں اُس جہاں میں بھی بھگتوں......!''

میرے بڑے اچھے دوست ہیں، ریڈیو پروگرام کرتے ہیں ایک گھنٹے کا۔ جب ملیں گے پہلا سوال کریں گے آج صبح کا پروگرام سنا میرا۔ میں نے جواب میں کہا نہیں بھائی میں اس وقت سو رہا تھا۔ یار تم نے اتنا اچھا پروگرام مس کر دیا۔ میں نے کہا کہ اب کیا کروں، اپنا سر دھنوں یا پھر اپنی قسمت پر روؤں۔ دوست پوچھنے لگے کہ کس بات پر سر دُھننے یا قسمت پر رونے کی بات کر رہے ہو۔ اس بات پر کہ میری آج تم سے ملاقات کیوں ہوئی۔ یار اور بھی غم ہیں زمانے میں اس ریڈیو پروگرام کے علاوہ۔

ایک اور دوست ہیں' ایک اخبار میں کالم لکھتے ہیں۔ جب بھی ملاقات ہوگی یا فون کر کے بھی پوچھیں گے ''یار تم نے اس ہفتے کا میرا کالم پڑھا''۔ میں نے ازراہ مذاق ان سے کہہ دیا کہ نہیں۔ فوراً فون کر دیا۔ پھر دوسرے دن فون کیا۔ وہی سوال دوبارہ کیا۔ ابھی میں بولنے کے لیے منہ کھول ہی رہا تھا کہ بولے ''تم پہلے میرا کالم پڑھو پھر بات ہوگی''۔ ان کے فون کا یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک میں ان کو یقین نہ دلا دوں کہ میں نے ان کا کالم پڑھ لیا ہے۔

اب مجھے سمجھ میں آیا کہ ہر سال پاگل خانے سے جو دس افراد فارغ کئے جاتے ہیں وہ کون

لوگ ہیں، اور کہاں جاتے ہیں۔

آپ جب کسی کو اپنا دوست کہتے ہیں تو اس کی خوبیوں اور خامیوں سمیت اس کو اپناتے ہیں۔ میرا بھی ایک پیارا سا دوست ہے۔ بہت بڑی غلط فہمی ہے اس کو اپنے بارے میں۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اگر وہ پیدا نہ ہوتا تو شائد دنیا میں ایک خلاء سا رہتا۔ یہ دنیا ادھوری سی لگتی جس کی کمی مادھوری بھی پورا نہیں کر سکتی۔

کل اچانک ایک تقریب میں ملاقات ہوگئی۔ ملتے ہی کہنے لگا اس بار الیکشن میں کھڑا ہو رہا ہوں ''ایم۔پی'' کے لیے۔ کیوں ساتھ دو گئے نا......؟ میں نے کہا ارے یار اپنے ہی ساتھ دیتے ہیں برے وقت میں۔ گویا کہ تمہارا اب براوقت آ گیا۔ کہنے لگا مذاق چھوڑ یار یہ بتا میں ''ایم۔پی'' لگتا ہوں یا نہیں۔ دوسرے ہی لمحے ذرا جذباتی انداز میں بولا:

Do I Look Like "MP" or Not?

میں نے کہا تم بالکل سو فیصد ''ایم۔پی'' لگتے ہو Unless You Don't Talk۔ کیونکہ جب تم بولتے ہو Then you loose your personality۔ اب جب لوگوں کے نصیب میں تم جیسا ''ایم۔پی'' لکھا ہے تو میں کون ہوتا ہوں روکنے ٹوکنے والا۔ Go Try Your Luck۔ انسان پر براوقت کہہ کر نہیں آتا......!

ایک اور صاحب پچھلے سال کونسلر کے الیکشن کے لئے کھڑے ہوئے۔ بڑی دھواں دار تقریریں کیں۔ بہت ساری میٹنگیں کیں، سارے دوست احباب ہر میٹنگ میں موجود تھے۔ خوب لوگوں نے کھایا پیا موج اڑایا۔ اب الیکشن کے جب نتائج آئے تو کل چھ ووٹ پڑے تھے ان کو۔ جب حساب لگایا تو پتہ چلا کہ تین تو ان کے اپنے بچوں نے ووٹ دیئے۔ ایک ان کی بیگم صاحب نے، ایک ان کا خود کا ووٹ۔ کل پانچ ہوئے۔ اب سارے گھر والے مل کر ڈھونڈ رہے ہیں کہ چھٹا ووٹ کس نے ڈالا۔ آج تک ان کی بیگم سے ان کے تعلقات الیکشن سے پہلے والے بحال نہیں ہو سکے کہ جب تک وہ یہ شک دور نہیں کریں گی کہ چھٹا ووٹ کس نے ڈالا چین سے نہیں بیٹھیں گی۔

ذرا سوچئے کی الیکشن کا تو ٹینشن ہوتا ہی ہے اب الیکشن کے بعد لوگ ٹینشن سے لوگ کیسے نمٹیں۔

جب بھی لڑتا ہوں الیکشن ہوتا ہے ٹینشن مجھے
ہار جانے پر بھی رہتا ہے وہی ٹینشن مجھے

......☆......

تجھے نہ کوئی درد ہو
نہ چہرہ تیرا زرد ہو

نگاہیں تیری سرد ہو
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

پاکستانی کمیونٹی

آیئے کچھ بات مطلب کی کریں سب کے لئے
اپنی بھی کرلیں مگر زیادہ کریں سب کے لئے

صاحب فرد سے افراد افراد سے خاندان یوں خاندان سے کمیونٹی اور پھر کمیونٹی سے معاشرہ بنتا ہے۔ ہر معاشرے میں کئی کمیونٹیز ہوتی ہیں جو بوقت ضرورت اپنے ان افراد کی مدد کرتی ہیں جو مدد کے طلبگار ہوتے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے ہماری کمیونٹی میں ایسے افراد بستے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کسی پریشانی میں کسی ہم عصر سے کسی بھی قسم کی مدد مانگی تو وہ شخص بجائے اس کے کہ اس کی مدد کو پہنچتا دس لوگوں کو فون پر بتانے بیٹھ جائے گا کہ فلاں شخص مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہے اور مجھ سے مدد مانگ رہا ہے۔ اب تم بتاؤ کہ اس کی مدد کروں یا نہ کروں۔

ذرا غور کریں کہ اس شخص نے اس پہلو پر تو غور ہی نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ایک نیکی کرنے کا موقع دیا اسے اس قابل بنایا کہ وہ کسی کی مدد کر سکے، اپنا نام بنانے کے چکر میں وہ اپنا کام خراب کر لیتا ہے۔ یہ تو تھی ہماری کمیونٹی میں بسنے والے لوگوں کی بات۔ اس کے برعکس دوسری کمیونٹی کے لوگ اپنے لوگوں کی اس طرح مدد کرتے ہیں کہ جیسے یہ ان کا دینی فریضہ ہو۔ اب بتایئے جنت میں وہ جائیں گے یا ہم؟

ہماری کمیونٹی میں بسنے والے لوگ یہ بھی کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ترقی کی راہ پر گامزن ہے تو بجائے اس کے کہ اس کی ترقی پر خوش ہوں اس کی ٹانگ کھینچنے بیٹھ جاتے ہیں۔ جگہ جگہ پر اس کی برائی کریں گے۔ اس سے اس شخص کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچتا لیکن ہاں برائی کرنے والے شخص کی

پہچان ضرور ہو جاتی ہے۔

ان باتوں اور حرکتوں سے تو یوں لگتا ہے کہ ہمارے لوگوں نے طے کر لیا ہے کہ ایک دوسرے سے مل کر نہیں رہیں گے۔ کھنچے کھنچے رہیں گے۔ اپنی ذات سے کسی کو فائدہ نہیں پہنچائیں گے اور کوشش کریں کہ اس کو ان کی جانب سے نقصان ہو۔

مشہور واقعہ ہے کہ ایک لکڑ ہارا جس کے پانچ بیٹے تھے آپس میں بہت لڑتے تھے۔ ان کی لڑائی سے پریشان ہو کر لکڑ ہارے نے ایک دن پانچوں بیٹوں کو اپنے پاس بلایا اور انہیں سمجھایا کہ تم لوگ آپس میں لڑنا جھگڑنا چھوڑ دو ورنہ تمہارے دشمن تم کو بہت آسانی سے نقصان پہنچا سکیں گے۔ جب لکڑ ہارے نے محسوس کیا کہ اتنی نصیحتوں کے بعد بھی وہ لوگ نہ سدھر سکے تو اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ اس نے پھر پانچوں بیٹوں کو بیٹھا کر ان کے سامنے لکڑیوں کا ایک گٹھا رکھ دیا اور کہا کہ تم سب باری باری اس بنڈل کو توڑو۔ سب نے ایک ایک کر کے لکڑی کے گٹھے کو توڑنے کی کوشش کی لیکن ان میں سے کوئی بھی کامیاب نہ ہو سکا تو لکڑ ہارے نے گٹھا کھول دیا اور تمام لکڑیاں الگ الگ ہو گئیں۔ اب لکڑ ہارے نے پھر اپنے ہر ایک بیٹے سے کہا کہ ان لکڑیوں کو توڑو۔ اب باری باری لڑکے اٹھے اور لکڑیوں کو آسانی سے توڑتے گئے۔ جب ساری لکڑیاں ٹوٹ گئیں تو لکڑ ہارے نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ دیکھا تم لوگوں نے جب تک لکڑیاں آپس میں گٹھے کی شکل میں تھیں تو تم میں سے کوئی بھی انہیں توڑنے میں کامیاب نہ ہوا لیکن جیسے ہی علیحدہ علیحدہ ہوئیں ہر ایک نے آسانی سے توڑ دیا۔ اب خود غور کرو کہ تم لوگ کیا کر رہے ہو اور تمہیں کیا کرنا چاہیے۔ میں تو آج ہوں تمہیں سمجھانے کے لئے کل کلاں جب میں نہیں ہوں گا تو تم لوگوں کو کون سمجھائے گا۔ ہماری کمیونٹی کا بھی حال اسی لکڑ ہارے کے بیٹوں والا ہی ہے۔ سب آپس میں لڑے لڑے سے ہیں جیسے کسی نے کسی کا بیل چرا لیا ہو۔

پچھلے الیکشن کی ہی مثال لے لیجئے۔ کمیونٹی کی چند شخصیتوں نے ہمت کر کے اپنے اپنے علاقے سے کاغذات نامزدگی داخل کئے اور اپنے بل بوتے پر جتنا بھی ہو سکا کیا۔ اور کیا کرتے جان دیتے کیا؟ لیکن سوائے ایک دو کے سب ہار گئے۔ یہ نا سمجھئے کہ یہ ہار صرف ان امیدواروں کی

ہار ہے، یہ ہم سب کی ہار ہے، پاکستانی کمیونٹی کی ہار ہے۔ اگر خاص حکمت عملی سے کام لیتے تو صورت مختلف ہوتی۔

ان ہی دنوں الیکشن کی ایک کارنر میٹنگ میں چند لوگ موجود تھے میں بھی وہاں موجود تھا۔ زیادہ تر اخبار والے، ریڈیو اور ٹی وی والے ہی تھے۔ عام ووٹر بہت کم تھے، نہ ہونے کے برابر۔ جب میری باری آئی اور اسٹیج پر بلایا گیا تو میں نے جاتے ہی کہا ؎

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا

آسمان سے فرشتے ہماری قیادت کے لیے نہیں آئیں گے۔ ہم میں سے ہی کچھ لوگ آگے بڑھیں گے اور قیادت سنبھالیں گے۔ جو لوگ آج منظر عام پر آئے ہیں کمیونٹی کی خدمت کے جذبے کے تحت ہی آئے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ان کا بھرپور ساتھ دیں اور ان کو کامیاب بنائیں کیونکہ اب وقت آ گیا ہے کہ ہماری آواز کمیونٹی کی سطح سے نکل کر اسمبلی تک جائے۔ یاد رکھئے کہ اگر آپ نے آج ان کا ساتھ نہیں دیا تو کل کو یہ کہنے کا حق آپ کو نہیں ہو گا کہ اس ملک میں ہماری کوئی شنوائی نہیں ہے۔ جو چاہتے ہیں کہ ان کی شنوائی ہو تو ان کے طریقے کچھ اور ہوتے ہیں۔ ان کا ہوم ورک بہت مضبوط ہوتا ہے، وہ ایک ایک پہلو پر غور کرتے ہیں۔ فیزی بیلٹی Feasibility رپورٹ بناتے ہیں۔ اپنی کارنر میٹنگ میں ووٹر کو بلاتے ہیں۔ ان سے پوچھتے ہیں کہ کوئی مشورہ آپ اگر دینا چاہتے ہیں تو ضرور دیں۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کے ذہن میں کوئی ایسی بات آئے جو ہمارے ذہن میں نہ آئی ہو۔ کسی سے رائے مشورہ لے لینے میں کوئی بے عزتی نہیں ہوتی بلکہ فائدہ ہی ہوتا ہے۔

ان ہی دنوں یہ بھی سنا کہ فنڈ ریزنگ ڈنر کا بھی اہتمام کیا گیا لیکن اس کا بھی کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکل پایا۔ ریڈیو پر اعلان بھی سنا گیا کہ الیکشن کے دن والنٹیئرز کی سخت ضرورت ہے۔ خواہشمند خواتین و حضرات اس نمبر پر رابطہ کریں۔ نہیں معلوم کیا ہوا۔ لوگوں نے فون کیا بھی یا نہیں۔ اعلان ہوتا رہا لوگ ریڈیو سنتے رہے۔ ہو سکتا ہے لوگوں کو ان الیکشن سے دلچسپی نہ ہو لیکن

اپنے اور اپنے بچوں کے مستقبل سے تو دلچسپی ہونی چاہیے۔کل کو اگر آپ کی آواز اسمبلی تک نہیں پہنچی تو کون سنے گا آپ کی، کسی سے کریں گے اپنے لئے کوئی بات ۔ یہ وقت تھا جو ہاتھ سے نکل گیا ۔

اب پچھتاوت کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

آخر میں ایک مشورہ۔ ہماری پاکستان کمیونٹی کو چاہیے کہ اس گزشتہ الیکشن کے نتیجے سے سبق حاصل کریں اور اگلے الیکشن کے لیے آج سے کام شروع کر دیں تا کہ جب الیکشن کے دن قریب ہوں تو ہماری تیاری مکمل ہو اور کامیابی یقینی۔ اس کے لئے بہتر تو یہی ہو گا کہ پاکستانی کمیونٹی سے چیدہ چیدہ لوگوں کو جمع کریں۔ ایک کمیٹی بنائیں۔ اس میں نئے اور پرانے تمام لوگوں کی نمائندگی ہو۔ اور پھر صاف شفاف لوگوں کو ان کی مدد سے سامنے لائیں۔ کمیٹی خود اتفاق رائے سے ہر علاقے سے اپنے اپنے نمائندے چن کر ووٹرز تک پہنچائے تا کہ لوگوں کو معلوم ہو سکے کہ ہمیں کس کو ووٹ دینا ہے تا کہ فیصلہ کرنے میں ووٹر کوئی دقت محسوس نہ کرے۔ کمیٹی کی سفارشات حتمی ہوں۔ اس طرح ہر جگہ سے اپنے نمائندے اسمبلی میں پہنچ سکیں۔ اور پھر ہماری پاکستانی کمیونٹی کسی اور کمیونٹی سے پیچھے نہیں رہے گی۔ انشاءاللہ۔

......☆......

بیگم کی واپسی

آ گئیں بیگم ہماری جا کے پاکستان سے

چاہتے ہیں ہم جنہیں واللہ دل اور جان سے

پچھلے دنوں میری بیگم کیا لوٹ آئیں کہ جیسے گھر کی رونق لوٹ آئی۔ کہتے ہیں کہ عورت کے دم سے ہی گھر میں رونق ہوتی ہے۔ یہ بات بھی سو فیصد صحیح ہے۔ عورت سے ہی مرد کو سکون ملتا ہے۔ عورت ہی مردوں میں جنون بھی پیدا کرتی ہے۔ یہ مرد جنونی عورتوں کی وجہ سے ہی تو بنتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ اگر کسی مرد کو کوئی عورت پسند آ گئی اور وہ اسے جنون کی حد تک چاہنے لگا تو جب تک وہ اسے حاصل نہیں کر لیتا چین سے نہیں بیٹھتا ہے۔ اور نہ کسی کو چین سے بیٹھنے دیتا ہے۔ یہ عورت ہی تو ہے جس کی وجہ سے بہت سے خاندان آباد ہوئے تو بہت سے برباد بھی۔ اگر عورت سمجھدار ہو تو گھر آباد ہو جاتا ہے اور اگر نہیں تو برباد ہو جاتا ہے۔ اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ کہتے ہیں نا کہ فساد کی جڑ ہیں یہ ''زر''، ''زمین'' اور ''زن''۔

جب سے بیگم آئی ہیں گھر کی صفائی، ستھرائی میں لگی ہوئی ہیں۔ سب سے زیادہ شامت آئی ہے میرے اخباروں کے انبار کی۔ ان کی شروع سے عادت ہے ہر ہفتے اخبار گاربیج کر دیتی ہیں۔ اگر مصروفیت کے باعث ہفتہ بھر میں نہ کر سکیں تو دوسرے ہفتہ ضرور اخبار گھر کے باہر ڈال آتی ہیں۔ میں انہیں گھر کے اندر لے آتا ہوں۔ یہ سلسلہ مہینے بھر چلتا رہتا ہے اور کبھی کبھار تو اس سے بھی زیادہ۔ ان کا کہنا ہے کہ آپ اخبار میں سے اپنے کالم یا پھر جس کا کالم آپ کو پسند ہے تراش لیں اور اسکی ایک فائل بنا لیں لیکن میرا مؤقف یہ ہے کہ کالم اخبار سمیت ہی رکھے جائیں کہ اس کا

لطف ہی کچھ اور ہے۔ آج تک نہ وہ میری بات سمجھ پائی ہیں اور نہ ہی میں ان کے مؤقف کو سمجھ سکا ہوں۔ ہماری جب لڑائی ہوتی ہے اخبار پر ہی ہوتی ہے۔ کبھی میں سوچتا ہوں کہ یہ لڑائی موروثی تو نہیں چونکہ میرے والد کی لڑائی بھی میری والدہ سے اخبار کے سلسلے میں ہی ہوتی تھی۔ میرے والد کو اچھے کالم پڑھنے کا شوق تو تھا ہی اس کالم کو ہمیں پڑھوانے کا شوق بھی انہیں کم نہ تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ ہم بھائی بہنیں ان کالموں کو پڑھ کر کچھ سیکھیں۔ کچھ معلومات میں اضافہ کریں۔ لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ ان کی اولاد کو کالم پڑھنے سے زیادہ کالم لکھنے کا شوق ہے۔

میری والدہ کی دوسری لڑائی میرے والد سے سگریٹ نوشی پر ہوتی تھی۔ وہ اکثر کہا کرتی تھیں کہ آپ سگریٹ پینا چھوڑ دیں ورنہ ہم کو چھوڑ جائیں گے۔ ایک دن میرے والد صاحب نے تنگ آ کر والدہ کو کہا کہ میں تم کو چھوڑ سکتا ہوں لیکن سگریٹ نہیں چھوڑ سکتا تو یہ سن کر میری والدہ نے کہنا چھوڑ دیا۔

میرے والد صاحب جب از راہ مذاق یہ کہتے تھے کہ ارے سگریٹ پینے والا کبھی بوڑھا نہیں ہوتا تو والدہ فوراً کہتیں تھیں ظاہر ہے وہ جوانی میں ہی جو مر جاتا ہے۔ یہ میاں بیوی کی نوک جھونک بھی بڑے مزے کی ہوتی ہے۔ اس میں بھی ایک زندگی پنہاں ہوتی ہے۔ وہ میاں بیوی ہی کیا جو کسی بات پر لڑے نہ۔ لڑ کر ملنے میں جو مزہ ہے یہ وہی جانتے ہیں جو ایسا کرتے ہیں۔

ایک بات مزے کی بتاؤں کہ میرے والد چین اسموکر تھے لیکن ہم تمام بھائیوں میں سے کوئی سگریٹ نوشی نہیں کرتا۔ یہ ایک ریکارڈ بات ہے اور دلچسپ بھی۔

میری بیگم نے جہاں اور بہت سی باتیں بتائیں۔ پاکستان میں مہنگائی کا ذکر بطور خاص کیا کہ ایک انڈا اگر چار روپے کا ملتا ہو تو بقیہ چیزوں کا آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں......اللہ پاکستان پر اپنا کرم خاص فرمائے۔ آمین۔

اس کے برعکس ایک دلچسپ واقعہ بھی پیش آیا۔ ہماری ایک بہت پرانی ملازمہ جس سے ہمارا تعلق بارہ سال سے بھی زیادہ تھا کے بے حد اصرار پر میری بیگم اس کے گھر آنے کا وعدہ کر بیٹھیں۔ جانے سے قبل اس کے بچوں کے لیے کچھ کپڑے، پھل، ٹافیاں او بسکٹ وغیرہ کے پیکٹ خرید

لئے۔ اس کے بتائے ہوئے پتہ پر جب پہنچیں تو پہلے یقین نہیں آیا کہ یہ ہماری ملازمہ کا مکان ہو سکتا ہے۔ خیر بار بار پتہ پڑھ کر اس کے گھر پر لگی ہوئی تختی سے ملانے کے بعد ہمت کر کے گھنٹی بجائی تو ملازمہ اپنی ایک بیٹی کے ہمراہ دروازے پر میری بیگم کو لینے آئی۔ گھر کے اندر داخل ہوئی، ڈرائنگ روم میں لے جا کر بیٹھنے کا کہہ کر ملازمہ کچن کی طرف چلی گئی۔ بیگم حیران ہو رہی تھیں دل ہی دل میں یہ سوچ رہیں تھیں کہ یا اللہ یہ گھر کس کا ہے۔ کسی نے اس کو یہاں رہنے کو دیا ہے یا گھر کے مکین ملک سے باہر چلے گئے ہیں۔ ابھی اسی سوچ میں تھیں کہ وہ ملازمہ ٹرالی میں چائے ناشتہ لے آئی اور یہ کہتے ہوئے بیٹھنے لگی کہ میری بیٹیاں آپ کا صبح سے انتظار کر رہی تھیں اب آپ کھانا وغیرہ کھا کر جائیں گی۔ یہ سن کر میری بیگم نے کہا کہ نہیں نہیں میں تو صرف تمہارا دل رکھنے کے لیے آ گئی ہوں میرے پاس وقت بالکل نہیں ہے، دو چار دن میرے پاس ہیں بہت سے کام ادھورے ہیں انہیں مکمل کر کے جانا ہے ورنہ بڑی مشکل ہو جائے گی۔ یہ سن کر ملازمہ کہنے لگی کہ آپ کسی بھی صورت نہیں جائیں گی۔ میرے بچے اسی دن کا تو انتظار کر رہے تھے کہ ساری زندگی جس گھر میں میری والدہ نے کام کاج کیا ہے آج جب وہ ہمارے گھر آئیں گی تو ان کی خوب خاطر مدارت کریں گے۔ یہ حق ان کا آپ مت چھینیں۔

یہ سن کر میری بیگم نے اس شرط پر حامی بھر لی کہ جو کچھ بھی کرنا ہے ذرا جلدی کر لو میں تمہاری بچیوں کا دل نہیں توڑنا چاہتی۔ یہ سن کر ملازمہ خوش ہو گئی اور اس کے بچے بھی۔

جب اس ملازمہ کو اطمینان ہو گیا تو میری بیگم سے نہ رہا گیا۔ پوچھا کہ یہ مکان کس کا ہے کہنے لگی کہ چھوٹا بیٹا دبئی چلا گیا ہے، اس سے بڑا سعودی عرب میں ہے، باقی جو دو لڑکے ہیں وہ یہاں کام کاج کرتے ہیں لیکن مرا دل تو دونوں بیٹوں سے پھر گیا ہے گھر خریدا، گھر کی تمام چیزیں خریدیں، اب کام کاج نہیں کرتی ہوں۔ بیٹوں نے سختی سے منع کر دیا ہے۔ خیر کچھ دیر کے بعد جب میری بیگم چلنے لگیں تو اب اس شش و پنج میں تھیں کہ جو سوغات میں اس کے بچوں کے لیے لائی ہوں وہ اسے دوں یا واپس لے جاؤں اور کسی ضرورت مند کو دے دوں۔ پھر بھی ہمت کر کے ہماری بیگم وہ چیزیں صوفے پر چھوڑ آئیں اور گاڑی میں بیٹھتے وقت صرف کہہ دیا کہ تمہارے بچوں کے

لیے کچھ چیزیں لائی تھی وہ وہاں صوفے پر چھوڑ دی ہیں اگر برا نہ لگے تو رکھ لینا ورنہ کسی ضرورت مند کو دے دینا۔

وہاں سے نکلنے کے بعد راستے بھر میری بیگم اس ملازمہ کی وہ پرانی شکل وہ حلیہ اور موجودہ شکل اور حلیہ کا موازنہ کرتی رہی اور خدا کی قدرت اور شان پر رشک کرتی رہی کہ خدا چاہے تو صحراء کو بھی سیراب کر دے اور چاہے تو سمندر کو بھی خشک۔ اللہ کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔

میری بیگم دراصل بہت رحم دل واقع ہوئی ہیں۔ کم از کم بیسیوں گھرانوں کو یہ تسلی دے آئی ہیں کہ ہم کینیڈا پہنچ کر آپ لوگوں کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور کریں گے۔ اب جب سے یہاں آئی ہیں ہر روز صبح اٹھ کر یہی پوچھتی ہیں کہ ہم لوگ کتنے لوگوں کو اسپانسر کر سکتے ہیں۔ وہاں لوگوں کا برا حال ہے۔ اگر فلاں کا بچہ یہاں آ جائے تو پڑھ لکھ کر اپنے والدین کے لیے کچھ کر سکے گا۔ میں انہیں یہ کہہ کر تسلی دے دیتا ہوں کہ ہمارے چار بچے ہیں کم از کم چار فیملیز کے لیے تو کچھ نہ کچھ کر ہی سکیں گے۔ اب پوری کمیونٹی کی ذمہ داری ہماری گردن پر تو آنے سے رہی۔

پھر جب میری بیگم نے تفصیل سے لوگوں کے بارے میں بتایا جن میں جان پہچان کے علاوہ رشتہ داروں کے بھی نام آئے تو میں نے اپنی بیگم کو ماضی کی چند باتیں یاد دلائیں کہ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے ہمارے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا تھا۔ تم ان لوگوں کے لیے بہتری چاہتی ہو جنہوں نے ہمیشہ ہمارا برا چاہا۔ اس پر میری بیگم نے کہا کہ جانے دیجئے ان پرانی باتوں کو۔ اب ان لوگوں کی حالت وہ نہیں ہے۔ حالات بدل گئے ہیں اور وہ لوگ اب ہمدردی کے لائق ہیں۔ یہ سن کر میرے دل میں بس ایک ہی بات آتی ہے کہ:

''بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے''

......☆......

نیا سال مبارک ہو

کوئی خوشی کی خبر مجھ کو نہ ملی تاحال
مرے خدا یہ تو اب آ گیا ہے دوجا سال

ہر سال کی طرح ۲۰۰۴ء بھی اب رواں دواں ہے۔ پچھلے سال کئی بچے پیدا ہوئے اور کئی لوگ ہم سے بچھڑ گئے۔ یہ دنیا کا چکر ہے۔ یہاں لوگ آتے اور جاتے رہیں گے۔ اور یہ عمل رہتی دنیا تک جاری رہے گا۔ بقول شاعر ؎

یہ چمن یوں ہی رہے گا اور سارے جانور
اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اُڑ جائیں گے

میرے ایک دوست ہیں جو میرے اسکول کے ساتھی بھی ہیں۔ چند سال قبل حج کر آئے ہیں۔ اس کے بعد سے بڑے مذہبی ہو گئے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ جیسے اپنی پچھلی ساری غلطیاں معاف کروا آئے ہیں۔ جب جنوری کی پہلی تاریخ آئی تو ہم نے رسم نبھانے کے لیے ان کو بھی فون کیا اور میسیج چھوڑ دیا کہ بھئی ''نیا سال مبارک ہو''۔ شام ہوتے ہی ان کا فون آ گیا کہ اپنے الفاظ واپس لو۔ میں نے پوچھا کہ ایسی کون سی بات میں نے کہہ دی ہے جو الفاظ واپس لینے پڑ رہے ہیں۔ مجھے کہنے لگے اتنے بڑے ہو گئے ہو تمہیں آج تک کسی نے یہ نہیں بتایا کہ مسلمانوں کا سال محرم کے مہینے سے شروع ہوتا ہے' جنوری کے مہینے سے نہیں۔ میں نے دوسرے ہی لمحے یہ پوچھ لیا کہ تمہاری پیدائش کس مہینے کی ہے تو ذرا سنبھل کر کہنے لگے ''رجب المرجب''۔ پھر میں نے پوچھا اور ''بیٹا'' تو جواب ملا ''شعبان المعظم'' اور ''بیٹی'' تو کہنے لگے کہ رمضان المبارک۔ تو مجھ سے

کچھ نہ بن پڑا تو میں نے کہا اچھا بھئی اب تو فون رکھ دو۔

بات صحیح ہے ہم جب اپنے وطن میں تھے تب تو ان چیزوں کا بہت خیال رکھتے تھے لیکن جب سے وطن چھوڑا ہے ذرا ملا جلا رجحان ہو گیا ہے۔ اب بچوں کو انگریزی تاریخ کی عادت اتنی پڑ گئی ہے کہ اگر ان سے پوچھو کہ بتاؤ کہ جس تاریخ کو تم پیدا ہوئے تھے وہ تو مجھے معلوم ہے اب یہ بتلاؤ کہ اس دن اسلامی تاریخ کیا تھی تو شاید اس کے والد کو بھی یاد نہ ہو۔ اب اس بحث میں پڑنے کا بظاہر کوئی فائدہ نظر نہیں آ رہا ہے۔ بڑے بوڑھے اکثر کہتے ہیں کہ جب نیا سال آئے تو اچھی اچھی چیزوں سے اس کا آغاز کرو مجھے یاد ہے کہ میرے ایک استاد بھی ۳۱ دسمبر کی درمیانی شب کے بارے میں ہم سب سے کہتے تھے کہ نماز پڑھو اپنی کوتاہیوں پر نظر ڈالو اپنی غلطیوں کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو اگر کسی کو ناراض کیا ہے تو صبح کا آغاز اس کو منا کر کرو۔ غرض کہ ہر اچھی اچھی باتوں سے اور کاموں سے دن کا آغاز کرو۔ تو پورا سال اچھا گزرے گا۔

اب نہ وہ بوڑھے لوگ رہے اور نہ اس قسم کا مشورہ دینے والے لوگ۔ اگر فی زمانہ کوئی ایسا کہے گا تو بچے اسے کیا سمجھیں گے اور سمجھیں گے اس وقت نا جب گھر پر موجود ہوں گے وہ تو شام سے ہی ''نیوایئر'' کی پارٹیوں میں مصروف ہوں گے یا Countdown Celebration میں۔ اب ان کے والد سے کہا جائے کہ بچے کس رخ جا رہے ہیں تو وہ یہ کہہ کر اپنے بزرگوں کو ٹال دیں گے کہ حضور اب زمانہ ترقی کر گیا ہے بچوں نے اس دور میں آنکھ کھولی ہے۔ میں تو بس یہ جانتا ہوں کہ جو لہروں کی مخالف سمت چلتے ہیں وہ گم ہو جاتے ہیں۔ اس لیے ان کو لائف انجوائے کرنے دیں۔

ہمارے ملکوں میں بھی نئے سال کا استقبال کیا جاتا ہے لیکن اس کا طریقہ مغربی ملکوں سے جدا ہوتا ہے۔ بڑے بڑے ہوٹلوں میں نیوایئر کی تقاریب ہوتی ہیں چونکہ ہمارے ملکوں میں جو اقلیت رہتی ہے اسے مکمل آزادی ہے کہ وہ اس تقریب کو منائے۔ اس کے لیے سیکورٹی کے تمام انتظامات کیے جاتے ہیں تاکہ کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آئے۔ اس کے باوجود بھی اکا دکا واقعات ہو ہی جاتے ہیں۔ ہماری نئی پود Young generation ہر Attractive چیز کی طرف

بہت جلدی راغب ہو جاتی ہے اس کے لیے مناسب حکمت عملی کی ضرورت ہے نہ کہ سختی کی۔ یہاں کینیڈا اور دوسرے یورپی ممالک میں بھی ایسے خاندان موجود ہیں جو اس نئے سال کا استقبال بہت سادگی سے کرتے ہیں اور کسی کو پتہ بھی چلنے نہیں دیتے۔ ان کے نزدیک جنوری کا مہینہ اور فروری کے مہینے میں کوئی فرق نہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اگر آپ اپنے گھر سے نکلتے ہیں یا کسی دفتر میں جاتے ہیں کوئی آپ سے کہے کہ ہیپی نیو ایئر تو جواب میں آپ کو کچھ نہ کچھ تو کہنا ہی ہوگا کہ Same to You یا پھر ہیپی نیوایئر۔ اب دفتر میں' بازار میں' پارٹی میں آپ کھڑے تو نہیں ہو جائیں گے بحث کرنے یا نصیحت کرنے اور پھر آپ کی سنے گا بھی کون۔ اس لیے جو لوگ مسئلہ بنا دیتے ہیں انہیں مسئلہ بنانے سے بہتر ہے کہ کوئی ایسا طریقہ نکالیں کہ جس سے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

اس طرح ہم اپنے یا ایسے بچوں کی پیدائش کی سالگرہ مناتے ہیں یا پھر اپنی شادی کی سالگرہ مناتے ہیں اسی طرح نئے سال کی آمد کو منالیں' مسئلہ نہ بنائیں۔ آخر اپنے والدین یا بزرگوں کی برسی بھی تو ہم مناتے ہی ہیں نا۔ بھئی کسی کو اس بات سے انکار تو ہو ہی نہیں سکتا نا کہ ۲۰۰۳ء اب ختم ہو گیا۔ ۲۰۰۴ء شروع ہے۔ اسے اتنی ہی اہمیت دے دیجئے بس اللہ اللہ خیر سلہ۔

اب آپ کے والدین کی برسی سے جتنا تعلق آپ کا ہے آپ کے پڑوسی کا تو ہو نہیں سکتا۔ لیکن برسی کے موقع پر آپ کے دوست اور پڑوسی بھی تو آخر شریک ہوتے ہی ہیں نا۔ اسی طرح ''نیا سال مبارک ہو'' کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے میرے خیال میں۔

میرے ایک بہت اچھے دوست ہیں' انہوں نے ایک کاروبار شروع کیا۔ ماشاء اللہ جب ان کا کاروبار بہت چل پڑا تو انہوں نے اپنے کاروبار کی سالگرہ منانی شروع کی۔ اتفاق سے ان کے کاروبار کا معاہدہ جنوری کی پہلی تاریخ کو ہی ہوا تھا۔ اور ان کے ایک بیٹے کی تاریخ پیدائش بھی یکم جنوری ہے اس لیے وہ اپنے بیٹے کو بہت لکی اور اپنی بیگم کو لکشمی سمجھتے ہیں۔ ہر سال جنوری کی پہلی تاریخ کو بڑے دھوم دھام سے سالگرہ مناتے ہیں اپنے کاروبار اور اپنے لکی بیٹے کی۔ اس تقریب میں تمام دوست احباب رشتہ دار سبھی آتے ہیں۔ گزشتہ دنوں حسب سابق تقریب رواں دواں تھی

کہ کیک کٹنے کے بعد کیک کھانے بھی لگے۔ اسی دوران ایک صاحب آگے بڑھے اور میرے دوست سے کہنے لگے کہ میاں اگلے برس کاروبار کی سالگرہ اور اپنے بیٹے کی سالگرہ کا کیک الگ الگ بنانا کیونکہ ہمارے اسلام میں بچوں کی پیدائش کی سالگرہ منانا جائز نہیں۔ یہ کہہ کر وہ تقریب سے چلے گئے کہ میں یہ کیک نہیں کھا سکتا۔ اب آپ ہی بتایئے کہ کس کس کی کیا بات رکھی جائے اور کیا بات نظر انداز کی جائے۔ ہر شخص کو یہاں اپنے طریقے سے زندگی گزارنے کا حق حاصل ہے کیونکہ جو آج یہاں بوئے گا کل وہ وہی کاٹے گا۔

کوئی دکھ نہ کوئی غم کسی کے پاس آئے
یہ نیا سال ہے سب کو راس آئے

......☆......

جو آپ ہم مل گئے
تو ہونٹ سب کے سل گئے

خوشی کے پھول کھل گئے
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

کیا صحیح ہے کیا غلط

تھا کٹھن یہ فیصلہ کہ کیا صحیح ہے کیا غلط
ہم نے تو سوچا صحیح تھا ہو گیا بالکل غلط

صاحب ہم میں سے بیشتر لوگوں نے اپنے ملک کی غیر یقینی صورتحال اور اپنے بچوں کے مستقبل کی خاطر اپنے ملک کو چھوڑا۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ ہمیں اپنے ملک سے محبت نہیں یا پھر ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ آج بھی وطن کے نام پر کوئی تقریب ہوتی ہے اور جب سبز ہلالی پرچم لہرایا جاتا ہے تو کون محبّ وطن اس پرچم تلے جمع نہیں ہوتا اور عملی یکجہتی کا مظاہرہ نہیں کرتا۔ یقیناً دیارِ غیر میں وطن کی باتیں وہی لوگ کرتے اور سنتے ہیں جنہیں وطن سے حقیقی لگاؤ اور محبت ہو۔ مجھے یاد ہے کہ ''سلام سرزمین پاکستان'' نامی ڈاکومنٹری فلم بنانے کے دوران اپنے تاثرات ریکارڈ کراتے ہوئے جیراڈاسٹریٹ پر ایک نوجوان اتنا جذباتی ہو گیا تھا اور اپنے جذبات پر قابو نہ پاتے ہوئے رو پڑا۔ اسی دوران اس نے کہا کہ میں اپنے گھر والوں کی ضد پر یہاں آیا ہوں۔ اپنے ملک کی مٹی کی خوشبو کی قسم میرا دل یہاں بالکل نہیں لگتا اور جیسے ہی میری دو بہنوں کی شادی اور گھر کے حالات صحیح ہو جائیں بھلے ملک کے حالات جو بھی ہوں میں اپنے وطن واپس چلا جاؤں گا۔ اگر مر بھی گیا تو اپنے وطن کی مٹی تو ملے گی ایسا نہ ہو کہ میں یہاں مر جاؤں اور مجھے کوئی یہاں دفن کر دے۔ (اللہ رے جذبات)۔

90s کا واقعہ ہے کہ میرے ایک دوست اپنی اچھی سی ملازمت سے چھٹی لے کر تین مہینے کے لیے امیگریشن پر کینیڈا آئے کہ حالات دیکھیں گے اگر اپنی فیلڈ کی جاب مل گئی تو ٹھہر جائیں

گے ورنہ واپس چلے جائیں گے۔ وہاں تو نوکری ہے پکی۔ یہاں آمد کے دو مہینے بعد ان سے میری ملاقات ہوگئی۔ سخت پریشان تھے کہ کوئی ملازمت ان کو ملی نہیں تھی۔ میں نے ان سے پوچھا کہ کیسا لگا کینیڈا تو کہنے لگے ابھی کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا۔ کیونکہ ابھی تو میں نے سچ میں مسی ساگا بھی پوری طرح نہیں دیکھا ہے۔ لیکن پریشان ہوگیا ہوں کوئی جاب ہی دلوا دو تاکہ جو پیسے میرے اب تک خرچ ہوئے ہیں وہ ہی کم از کم جمع کرلوں اور پھر دیکھیں گے یا سوچیں گے۔ خیر صاحب میرے بتانے پر وہ ایک فیکٹری میں کام کرنے لگے۔ ایک ہفتے کے بعد ملاقات ہوئی تو کہنے لگے کہ بس تین ہفتے اور ہوں جیسے ہی میری چھٹی ختم ہوگی میں واپس چلا جاؤں گا اور لوٹ کر یہاں کبھی نہیں آؤں گا۔ چونکہ جس طرح یہاں فیکٹری میں مجھ سے کام لے رہے ہیں ایسا لگتا ہے کہ مجھ سے جیل میں کام لیا جا رہا ہو۔ میری ان سے پھر ملاقات دو ہفتے نہیں ہوئی۔ جب آخری ہفتے میں گویا جس ہفتے وہ واپس جا رہے تھے ملے اور کہنے لگے ۔

تمہیں کو مبارک رہے دوستو

مجھے ایسی دنیا نہیں چاہیے

میں نے ان سے کہا کہ بھائی کینیڈا کی گورنمنٹ نے تو تمہیں دعوت دے کر نہیں بلایا تھا۔ اپنی مرضی سے آئے تھے نا تو اپنی مرضی سے جا رہے ہو کوئی تمہیں جانے کو تو نہیں کہہ رہا۔ کہنے لگے میں نے اپنے دفتر فون کر دیا ہے کہ میں واپس آ رہا ہوں اور پہلی تاریخ سے اپنی ڈیوٹی جوائن کرلوں گا۔ میں تو ایئر پورٹ اترتے ہی اپنی میز کو چوموں گا۔ خیر صاحب وہ اپنی دھن کے پکے تھے چلے گئے۔ تقریباً پانچ ماہ بعد اچانک ان کا فون آیا کہ میں واپس آ گیا ہوں۔ میں نے کہا خیر تو ہے کہنے لگے جب ملوں گا تو بتاؤں گا۔ خیر صاحب ملاقات پر کہنے لگے میں نے تو ڈیوٹی جوائن کر لی تھی لیکن میرے دفتر والوں نے یہ کہہ کہہ کر میری ناک میں دم کر دیا تھا کہ تم بدنصیب ہو اتنا اچھا موقع اللہ تعالیٰ نے دیا کہ تم اپنی پوری فیملی کو اسپانسر کر سکتے تھے تمہارے گھر کا نقشہ بدل سکتا تھا۔ تم کینیڈا گئے تھے تو ہم سب تم پر رشک کرتے تھے کہ تم یہاں کے جھمیلوں سے نکل گئے اور ترقی کی راہ پر گامزن ہو گئے۔ اور تم اچانک واپس آ گئے ہم سب کی امنگوں پر پانی پھیر دیا تم نے۔ یہ تو تھے دفتر کے لوگ اب گھر والوں کی سنئے۔ ہر روز صبح سے شام تک جو بھی ملنے آتا

ہے یہی کہتا کہ کاش تمہارے بجائے مجھے امیگریشن ملتی تو میں اپنی پوری فیملی کو کینیڈا بلوا لیتا۔ گھر کا نقشہ بدل کر رکھ دیتا۔ تم نے بہت بڑی غلطی کی ہے واپس آ کر۔ میری مانو تو اب بھی وقت ہے چھ مہینے کے اندر تم واپس جا سکتے ہو۔ لوگوں کی باتیں سن سن کر میرے کان پک گئے تھے جس کسی نے اپنی زندگی میں کبھی کسی کو کوئی مشورہ نہیں دیا ہوگا وہ تک مجھے مشورہ دینے لگا۔ آخر کار میں نے فیصلہ کرلیا کہ واپس کینیڈا چلا جاؤں یہ روز روز کی کِل کِل سے تو جان چھوٹے گی۔ جب گھر کے لوگ ہی دشمن ہو جائیں تو انسان کیا کرے۔ واپس چلا آیا اب دفتر کے لوگ بھی خوش ہیں اور گھر والے بھی خوش۔ بھلے میرا یہاں جو حشر ہو......۔

میرے ایک اور دوست جو صرف اس بات کا انتظار کر رہے تھے کہ سٹیزن شپ ملنے کے بعد پاسپورٹ لیں گے اور پھر اپنے ملک واپس چلے جائیں گے اپنی پوری فیملی کے ساتھ۔ خیر صاحب انہوں نے بالکل وہی کیا جو وہ دل میں ٹھان چکے تھے۔ مکان بھی یہاں کا چھوڑ دیا۔ گاڑی بھی بیچ دی' سیل فون بھی واپس کر دیا گویا کہ ہر طرح سے وائنڈ اپ کر کے چلے گئے۔ وہاں جا کر بچوں کا داخلہ بھی اسکول میں کروا دیا خود بھی ملازمت کر لی گویا کہ زندگی معمول پر آ گئی تھی بظاہر۔ لیکن نہ جانے کیا ہوا کیا سوچا اچانک کینیڈا واپس آ گئے فیملی کے ساتھ اور یہ کہ وہ اب واپس نہیں جائیں گے۔

جب میرے علم میں یہ بات آئی تو میں خاص کر ان سے ملنے گیا اور پوچھا کہ خیر تو ہے آپ کتنے دنوں کے لیے آئے ہیں تو جواب میں کہا کہ اب ''فارگڈ'' آ گیا ہوں وہ فیصلہ میرا غلط تھا میرے دریافت کرنے پر کہ کن باتوں نے آپ کو واپس آنے پر مجبور کر دیا تو کہنے لگے کہ چھوٹی چھوٹی کئی باتوں نے مل کر میرا وہاں رہنا دوبھر کر دیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ ان پانچ سالوں میں ہم یہاں جن چیزوں کے عادی ہو گئے تھے وہاں میرے بچے ان چیزوں کو نہ پا کر پریشان سے ہو گئے تھے۔ میری بیگم بھی بیمار رہنے لگیں تھیں۔ جب سے یہ سنا انہوں نے کہ ہم کینیڈا جا رہے ہیں طبیعت بتدریج ٹھیک ہوتی گئی اور اب ماشاء اللہ بالکل ٹھیک ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ ان ہی سب موقعوں کے لیے بزرگوں نے کہا ہے کہ استخارہ کیا کرو اور اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دو کہ وہ فیصلہ کر دے تمہارے لیے کہ:

''کیا صحیح ہے کیا غلط''

فُلو شاٹ اور ہم

شاٹ جب بھی لیں فُلو کے پوچھیں ڈاکٹر سے ضرور
ہوں گے پھر اثرات کیا یہ بھی بتادیں نا حضور

پچھلے دنوں ایک عجیب وغریب حادثہ پیش آیا کہ میری طبیعت کچھ ناساز تھی میں نے اپنے ڈاکٹر کوفون کر کے اس سے وقت لے لیا اوراس کے پاس جا بیٹھا۔ڈاکٹر نے مکمل معائنہ کرنے کے بعد مجھ سے پوچھا کہ آپ نے ''فلوشاٹ'' لیے ہیں؟ میں نے نفی میں سر ہلایا اور کہا کہ اس سال تو نہیں لیے۔جس پر ڈاکٹر نے ''فلوشاٹ'' لینے کا مشورہ دے کر ٹیکہ لگا دیا۔میں خوش خوش گھر آ گیا اور اپنی روزمرہ کی مصروفیات میں مشغول ہو گیا۔دو دن بعد مجھے محسوس ہوا کہ میرے جسم پر کچھ دانے نکل آئے ہیں۔خاص کر چہرے پر تو میں نے سمجھا کہ جوانی کے دور میں کچھ دانے جو نکل نہیں پائے تھے اب نکلے ہیں۔خیر میں نے اس بات کو اہمیت نہیں دی لیکن دن بدن ان دانوں میں اضافہ ہوتا گیا اور ہفتے بھر میں تو شکل ہی بدل گئی۔اب میں گھبرایا اور اسی تشویش کے مارے ڈاکٹر سے رجوع کیا تو ڈاکٹر نے بتایا کہ آپ نے جو فلوشاٹ لیا تھا اس کے نتیجے میں ری ایکشن ہو گیا ہے۔یعنی کہ آپ کے جسم نے اس دوا کو قبول نہیں کیا۔آئندہ آپ فلوشاٹ مت لیجئے گا۔یہ سن کر میں نے ڈاکٹر سے کہا کہ آئندہ کی بات تو آئندہ دیکھی جائے گی ابھی یہ بتاؤ کہ یہ دانے کیسے ٹھیک ہوں گے۔کہنے لگا میں آپ کو چند اوائنٹمنٹ لکھ کر دے رہا ہوں اس سے ٹھیک ہو جانا چاہیے ورنہ پھر بتایئے گا۔پندرہ دن بعد میں نے ان دانوں میں اضافے کے پیش نظر پھر ڈاکٹر سے رجوع کیا تو ڈاکٹر نے گھبرا کر اسکن اسپیشلسٹ سے مشورے کے لیے بھیج دیا۔اس نے تمام حالات کا جائزہ

لینے کے بعد کہا کہ ہمارے پاس ان اوائنٹمنٹ کے سوا اور کوئی علاج نہیں ہے آپ اس کو استعمال کرتے رہیں پھر بتایئے گا کہ کیا شکل نکلی۔ ہاں اس نے اتنا ضرور کیا کہ اوائنٹمنٹ کے نام تبدیل کر دیے۔ لیکن مہنگی وہ بھی اتنی ہی تھیں جتنی کہ پہلے والی۔ خیر صاحب اب جب وہ تمام اوئنٹمنٹ ختم ہو چلیں اور دانوں کی مقدار اور پختگی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تو میں نے ڈاکٹر سے پھر رجوع کیا تو اس نے کہا کہ آپ اوئنٹمنٹ استعمال کرتے رہیں ان دانوں کا علاج یہی ہے۔ مجھے دوا بھی لکھنا آتا ہے لیکن اس کے سائڈ ایفیکٹس بہت ہیں۔ میں نے دل میں کہا کہ پہلے ہی سائڈ ایفیکٹس سے میں باہر نہیں نکل پایا ہوں کہ ایک دوسرا رسک اور لے لوں۔ نہیں نہیں دوسرا رسک میں افورڈ نہیں کرسکتا۔ گھر آ گیا۔ میری بیگم جس نے زندگی کے ہر موڑ پر میرا بھرپور ساتھ دیا ہے مشورہ دیتی ہوئی بولیں کہ آپ ہومیو پیتھک علاج کیوں نہیں کرواتے۔ اس سے انشاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میرے بھی بات سمجھ میں آ گئی۔ پریشانی میں اگر کوئی بات سمجھ میں آ جائے تو بڑی بات ہوتی ہے۔ جس طرح شادی کسی کی بھی اعتماد اور برداشت کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتی اسی طرح ہومیو پیتھک طریقہ علاج بھی اعتقاد اور تحمل کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ہومیو پیتھک طریقہ علاج میں سوائے مردے کو زندہ کر دینے کے سوا ہر مرض کی دوا موجود ہے بس اعتقاد اور تحمل اگر مریض میں موجود ہے تو اس کے علاج میں آسانی ہوتی ہے۔ شفاء دینا اللہ کا کام ہے۔ بے شک خدا کی ذات ہی شفا دینے والی ہے۔ میں نے ہومیو پیتھک کا علاج اسی دن سے شروع کر دیا۔ آج تین ہفتے ہوئے ہیں کہ میں نے خود محسوس کیا ہے کہ آدھے سے زیادہ دانے مرجھا گئے ہیں اور نئے نکلنے والے دانوں کی تعداد بھی کم ہو گئی ہے۔ علاج جاری ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ بہت جلد مکمل شفاء پا کر صحت یاب ہو جاؤں گا۔ انشاءاللہ۔

کچھ دوستوں نے مشورہ دیا کہ اس ڈاکٹر کے خلاف کارروائی کرو جس نے تمہیں بغیر تصدیق کیے کہ فلوشاٹ سے کوئی ری ایکشن تو نہیں ہو جائے گا فلوشاٹ لگا دیا۔ تمہیں اچھے خاصے پیسے مل جائیں گے۔ میں نے اپنے دوستوں کو کہا کہ ایک تو میں پریشان ہوں مزید اس ڈاکٹر کو بھی پریشان کروں۔ اللہ تعالیٰ بدلہ لینے والے کے مقابلے میں معاف کر دینے والے کو پسند کرتا ہے اور اس کی

مشکل بھی آسان کرتا ہے۔ ایسے پیسے مجھے نہیں چاہئیں۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ میں نے ڈاکٹر کو اپنی پریشانی کے بارے میں آگاہ کر دیا ہے اور کہا ہے کہ وہ میرے لیے دعا کرے۔

پچھلے دنوں جب میں نے ڈاکٹر کو بتایا کہ میں ہومیو پیتھک ڈاکٹر سے علاج کروا رہا ہوں اور اللہ کا شکر ہے میں ٹھیک ہو رہا ہوں تو اس پر ڈاکٹر نے بھی اطمینان کا اظہار کیا اور کہا کہ مقصد تو یہی ہے کہ کام ہو جائے علاج بھلے وہ ڈاکٹر کرے یا میں کروں۔ مجھے خوشی اس بات کی ہے کہ تم ٹھیک ہو رہے ہو۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا ہمیشہ امتحان لیتا ہے۔ کچھ پاس ہو جاتے ہیں اور کچھ فیل۔ کوئی بھی مشکل آئے پریشان ہونے کے بجائے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام کر اس سے ہمیشہ رحم کی بھیک مانگتے رہنا چاہیے۔ یقیناً وہ اپنے نیک بندوں کی ضرور سنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین۔

......☆......

جو تو رہے گی میرے پاس
تو کیوں رہوں گا میں اداس

تجھ ہی سے ہوگی پوری آس
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

ملے ہیں تم سے جب بھی ہم
ہوئے ہیں دور دل کے غم

قریب آؤ کم سے کم
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

شادی میں سانجھا یا سانجھے میں شادی

آج تو شادی میں سانجھا ہو رہا ہے روز و شب
کل کلاں کو سانجھے میں شادی نہ ہونے لگ پڑے

بچپن سے سنتے چلے آ رہے ہیں کہ سانجھے کی ہانڈی چورا ہے پہ پھوٹی۔ یعنی کوئی بھی معاملہ شراکتی نظام کے تحت طے کیا گیا ہوتو ۹۹ فیصد امکانات اس میں نا اتفاقی اور علیحدگی کے ہوتے ہیں اب اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ دنیا میں اب کہیں بھی لوگ شراکتی نظام کے تحت معاملات نہیں طے کرتے یا طے نہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ دنیا کا نظام تو چلتا ہی رہتا ہے کبھی کے دن بڑے اور کبھی کی رات۔ یعنی کبھی کبھی تو شراکت کافی طویل بھی ہو جاتی ہے اور کبھی کبھی تو اس میں اچانک ہی ٹوٹ پھوٹ ہو جاتی ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ جب تک شراکتی اصولوں پر فائدہ پہنچتا رہتا ہے تو سب ٹھیک ٹھاک ہے لیکن اگر کسی موڑ پر نقصان کی خبر ملے تو یہ بات کسی کو بھی پسند نہیں آتی۔ جیسے ہمارے ملکوں میں نفع نقصان کا شراکتی کھاتہ بنکوں میں کھولا جاتا ہے۔ اس کھاتے میں رکھی گئی رقم پر سود نہیں دیا جاتا بلکہ منافع دیا یا پھر نقصان لیا جاتا ہے۔ اب بھلا بتائیں کہ نقصان کون برداشت کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ تو بس سمجھ لیں کہ وہیں سے اختلافات شروع ہو جاتے ہیں جہاں نقصان کی خبر دی گئی۔

ہمارے محلے میں ایک بزرگ خاتون رہتی تھیں۔ ہم سب بلکہ پورا محلّہ ہی نانی کہہ کر بلاتا تھا۔ کہیں سے نانی کو خبر ہوگئی کہ میں اپنی زمین پر اپنے بہت ہی بے تکلف دوست سے پیسے لے کر مکان بنوا رہا ہوں اور زندگی بھر ساتھ رہنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ نانی نے مجھے اپنے گھر بلوا کر کہا کہ میری بات غور سے سنو ”سانجھے کی جورو بھلی پر سانجھے کا مکان بھلا نہیں“۔ جب میں نے وضاحت

چاہی تو کہنے لگیں کہ ابھی تمہاری عمر وضاحت سمجھنے کی نہیں ہوئی بس اتنا سمجھ لو جو کہا ہے۔ یہ میرے بال دھوپ میں سفید نہیں ہوئے۔ کہنے لگیں کہ شروع شروع میں تو بہت اچھا لگتا ہے لیکن جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے مسئلے مسائل پیدا ہونے لگتے ہیں اور یہ بڑھتے بڑھتے اتنے بڑھ جاتے ہیں کہ لوگ پھر ایک دوسرے کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتے کہتے ہیں نا کہ ؂

بڑھاؤ نہ آپس میں ملت زیادہ
مبادہ کہ ہوجائے نفرت زیادہ

ہمارے ترقی پذیر ملکوں میں جو تنخواہ دار لوگ ہیں انہیں اپنی حق حلال کی روزی پر اس قدر ناز ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس پروردگار نے انہیں حق حلال کی روزی سے نوازا ہے۔ انہی تنخواہ دار طبقے سے ہمارا تعلق رہا ہے اور ایک دن میرے رشتے کی خالہ میری والدہ سے کچھ پیسے ادھار مانگنے آئیں۔ جب جانے لگیں تو بڑی دلچسپ بات کہہ گئیں کہ بھیا ہم غریبوں کا پہلا ہفتہ گزرتا ہے خوشی خوشی، دوسرا ہفتہ نیم خوشی، تیسرا ہفتہ کشاکشی، چوتھا ہفتہ فاقہ کشی اور اگر پانچواں ہفتہ ہوتا ہے تو پھر ہمیں کرنی پڑتی ہے خودکشی۔

پچھلے دنوں دو تین شادیوں میں جانے کا اتفاق ہوا۔ ایک ہال میں پہنچا تو منتظمین میں سے کسی نے پوچھا کہ آپ لڑکی والوں کی طرف سے ہیں یا لڑکے والوں کی طرف سے۔ میں نے جواب دیا کہ لڑکے والوں کی طرف سے، تو پیغام ملا کہ پیچھے کی طرف کہیں بیٹھ جائیں۔ گویا اسٹیج کی طرف نہ جائیں وہاں لڑکی والوں کے رشتہ دار بیٹھیں گے۔ ایک ہی لمحے میں اندازہ ہوگیا کہ ہم غلط پارٹی کی طرف سے آئے ہیں۔ خیر صاحب شادی میں شرکت بھی ہوگئی اور گھر بھی آگئے۔ دوسری شادی میں بھی کچھ اس قسم کا رجحان دیکھا تو تجسس بڑھا کہ کیا معاملہ ہے لیکن کچھ خاص اندازہ نہیں ہوا۔ اب تو تیسری شادی میں شرکت کے لیے گئے تو لڑکی والوں کی طرف سے بھی کارڈ آیا ہوا تھا اور لڑکے والوں نے بھی بلایا تھا۔ اب تو ہم پھیل گئے کہ جہاں چاہیں گے وہاں بیٹھیں گے۔ خیر اسٹیج سے قریب ہی جگہ مل گئی اور ہم بیٹھ گئے۔ اتفاق سے میرے برابر میں جو صاحب بیٹھے تھے وہ مجھے جانتے تھے۔ میں ان سے ایک آدھ بار مل چکا تھا شائد۔ خیر انہوں نے جو معلومات مجھے فراہم کیں

تو میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ ان صاحب نے کہا کہ آج کل یہ جو شادیاں ہو رہی ہیں ان پر اخراجات اتنے ہوتے ہیں کہ انسان کے بس کی بات نہیں۔ اس لیے خاص خاص لوگوں کو شرکت کی دعوت دی جاتی ہے۔ اور لڑکے اور لڑکی والوں نے مل کر اخراجات برداشت کرنے ہوتے ہیں اور لڑکے اور لڑکی کیا یوں کہیے کہ دولہا اور دلہن خود اپنی شادی کرتے ہیں اس لیے ماں باپ تو گویا اپنے بچوں کی شادی میں خود مہمان ہوتے ہیں اس لیے جو بچے اپنی شادیاں خود کرتے ہیں وہ تو اپنی چلاتے ہیں گویا جو وہ چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ اس میں ماں باپ کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا یہاں تک کہ والدین اپنی عزت بچانے کی خاطر خاموش رہتے ہیں اور اسی میں ان کی بھلائی ہے۔ وہ دور گیا جو ہمارے والدین سب کچھ اپنی مرضی سے کرتے تھے اور آج تک ہم ان باتوں کو یاد کرتے ہیں اور خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ہم نے اپنی زندگی میں اپنے والدین کی ہر خواہش کا احترام کیا اور اسے پورا کیا۔ اس طرح آج میں جو کچھ بھی ہوں ان کی دعاؤں کی برکت سے ہوں۔

یہاں جس ملک میں ہم رہتے ہیں یہاں تو ہر چیز شراکت کی ہے۔ اگر آپ میاں بیوی ہیں تو مکان بھی دونوں کے نام ہوتا ہے۔ اگر آپ کے تعلقات خراب ہوجاتے ہیں تو علیحدگی کی صورت میں آپ کی جائیداد کا بٹوارا ہوتا ہے۔ بعض اوقات بچے تک بٹ جاتے ہیں۔ محبتیں بٹتی ہیں، جائیداد بٹتی ہے اور اب اولادیں بھی بٹنے لگیں۔ یہ اس جدید دور کی عنایات ہیں اسے ہنس کر گزاردیں یا رو کر یہ آپ پر منحصر ہے۔

یہ بات ضرور ہے کہ ان بچوں کو چاہیے کہ اپنے والدین کو اتنا مجبور نہ کردیں کہ انکا دل پھٹ جائے اور وہ اپنی ہی نظروں میں گر جائیں کیونکہ وہ ایک زمانے سے گھر کو چلاتے آرہے ہیں۔ ہمیشہ فیصلے کرتے آرہے ہیں۔ آج جب بچوں کے فیصلوں کے آگے سر جھکادیتے ہیں تو ان کی مجبوری پہ بڑا ترس آتا ہے اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھ جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اپنے بچوں کے ہاتھوں ذلیل وخوار ہونے سے بچالے ورنہ اٹھالے۔ کل بھی تیرے پاس ہی جانا ہے آج ہی سہی۔ اللہ تعالیٰ تمام اولادوں کو اپنے والدین کی عزت کرنے اور ان کی اطاعت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

......☆......

دوست تم عجیب ہو
مگر میرا نصیب ہو

سبھوں سے تم قریب ہو
مذاق ہی مذاق میں

❍ ❍ ❍

اندھا بانٹے ریوڑیاں

مار کر حق دوسروں کا وہ بہت مسرور ہیں
کیوں نہ اب حقدار کے حق میں کھلے میری زباں

مشہور کہاوت ہے کہ اندھا بانٹے ریوڑیاں اپنے اپنے کو دے۔ جب میں نے اس جملے کو بار بار دہرایا تو مجھے اندازہ ہوا کہ اس کے پیچھے ایک لفظ چھپا ہے (Favourism) گویا کہ جان بوجھ کر کسی کو فوقیت دینا ترجیح دینا۔ اب بات کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ جب ناجائز طریقے سے کسی کو ترجیح دی جاتی ہے تو ساتھ ہی ساتھ کسی کی حق تلفی بھی ضرور ہوتی ہے۔ اور جب حق دار کو حق نہ ملے تو وہ بے چارہ دل برداشتہ ہوتا ہے اگر مضبوط اعصاب کا مالک ہے تو برداشت کر جاتا ہے اور اگر کمزور دل کا واقع ہوا تو جاں سے بھی گزر سکتا ہے۔

پچھلے دنوں ایک ساؤتھ ایشین ایوارڈ کی تقریب میں جانے کا اتفاق ہوا وہاں چند مضحکہ خیز چیزیں دیکھنے کو ملیں جس کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ دنیا بھر میں جہاں بھی ایوارڈ دیے جاتے ہیں وہاں ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والے چند افراد کی کارکردگی اسکرین پر دکھائی جاتی ہے باقاعدہ جج صاحبان کا اعلان کیا جاتا ہے اور جج صاحبان بھی اسی شعبہ سے تعلق رکھ چکے ہوتے ہیں گویا کہ سینئر یا ریٹائرڈ ہوتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ فن اداکاری کا ایوارڈ یا جا رہا ہے اور جج صاحب کسی گروسر اسٹور کے مالک ہیں۔ یا پھر بیسٹ میوزیشن کا ایوارڈ کسی ایسے شخص کی سفارش پر دیا گیا جو ایک رئیل اسٹیٹ ایجنٹ ہے۔ ''اب بندر کیا جانے ادرک کا مزہ''۔

اس تقریب میں پہلے سے طے شدہ لوگوں کو ایوارڈ دیے گئے جبکہ بار بار یہ اعلان کیا گیا کہ

ویوور چوائس کے مطابق یہ ایوارڈز دیے جا رہے ہیں جبکہ ویوورز کون ہیں یا کون تھے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا۔ اور نہ ہی جج صاحبان کے ناموں کا اعلان کیا گیا۔ ایک ایسی خاتون کو بیسٹ ایکٹریس کا ایوارڈ دیا گیا جس نے صرف ایک ڈرامے میں ماں کا کردار ادا کیا تھا جبکہ اس شہر میں کئی آرٹسٹ ایسے موجود ہیں جنہوں نے ۵۰ سے زیادہ ڈراموں میں کام کیا اور خوب کیا۔ یہ فیورازم نہیں ہے تو کیا ہے کہ ان آرٹسٹوں کو خبر تک نہ ہوئی جنہوں نے زمانہ لگایا ہے اس کام میں ان کے نام تک شامل نہیں کیے گئے۔ ان کی نامی نیشن تک نہیں کی گئی یہ حق تلفی نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ دراصل یہ لوگ خائف ہیں ان سچے اور پکے آرٹسٹوں سے کیوں کہ جب ان کو شامل کر لیا جاتا ہے اس ایوارڈ کی تقریب میں تو ان لوگوں کا تو دور دور تک پتہ نہ چلتا۔ دراصل اپنی دکان سجانے میں انہیں یہ خیال تک نہیں رہا کہ اس شہر میں اور بھی ہیں جو بیچتے ہیں ''دوائے دل'' اب وہ دکان اپنی بڑھا گئے۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اگر بیسٹ کامیڈین کا ایوارڈ دینا ہے تو شہر میں موجود لوکل پروڈکشن کے کم از کم تین کامیڈین کا انتخاب کیا جاتا۔ ان کے کام کو اسکرین پر دکھایا جاتا۔ اس کے بعد جج صاحبان کے فیصلے کا انتظار کیا جاتا اور یہ بات بھی واضح کرتا چلوں کہ جج صاحبان کا بھی تعلق اگر کامیڈی سے نہ بھی ہوتا تب بھی ان کا تعلق فنون لطیفہ سے ضرور ہونا چاہیے تھا۔ اگر بیسٹ ایکٹر کا ایوارڈ دے رہے ہیں تو کم از کم تین ایکٹروں کا انتخاب کر کے ان کا کام اسکرین پر دکھایا جاتا پھر جج صاحبان کے فیصلے کو حتمی مانا جاتا۔ چونکہ حاضرین بھی اسکرین پر تمام آرٹسٹوں کے کام کو دیکھ چکے ہوتے اور جج صاحبان فیصلہ دیتے تو پھر کسی کو اعتراض بھی نہ ہوتا۔ گویا انصاف کے تقاضے پورے ہو جاتے۔ چونکہ فیصلہ سب کے سامنے ہوتا اور جج صاحبان حاضرین سے خطاب کر کے اپنی پوزیشن واضح کر کے پھر ایوارڈ کا اعلان کرتے لیکن جب دل میں چور ہوا اور سب چیزیں پہلے سے طے شدہ ہوں تو پھر ان سب کی کیا ضرورت ہے تو پھر میں بھی بتا دوں کہ اس قسم کے ایوارڈ کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہوتی کیوں کہ یہ غیر جانب دار ایوارڈ نہیں ہے یہ فیصلے جانبداری سے کیے گئے ہیں۔ اسی کو کہتے ہیں کہ ''اندھا بانٹے ریوڑیاں اپنے اپنے کو دے''۔

جو لوگ واقعی حقدار تھے یا ہوتے ہیں انہیں اس بات کی بالکل پرواہ نہیں ہوتی کہ ایسا کیوں

ہوا وہ یہ سوچتے ہیں کہ دے کون رہا ہے اور اس کی کیا حیثیت ہے۔ جیسے ہمارے ملکوں سے جب لوگ امریکہ یا کینیڈا آتے ہیں تو ایک پولیس کلیئرنس سرٹیفکیٹ حاصل کرنا ہوتا ہے جو پولیس کا محکمہ جاری کرتا ہے۔ وہ اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ آپ کا کردار اچھا ہے اور آپ کسی غلط قسم کی سرگرمیوں میں ملوث نہیں ہیں۔ آپ غور کریں کہ جس کا کردار خود مشکوک ہو وہ کیا دے رہا ہے' کریکٹر سرٹیفکیٹ۔ اللہ کی پناہ۔

ہمارے ملکوں میں میں یہی حالات محکموں میں سالانہ ترقی کا بھی ہے۔ میں جس محکمے سے منسلک تھا وہاں سالانہ ترقیوں کے موسم میں بھی بڑی دلچسپ باتیں نوٹ کرنے کو ملتی تھیں۔

جب کلرکوں کو ترقی دے کر آفیسر بنایا جاتا تھا تو باقاعدہ ''تحریری امتحان'' لیا جاتا تھا اور پھر ''انٹرویو''۔ تحریرا امتحان تو سب پاس کر جاتے تھے چونکہ تین سال کے بعد ان کا نمبر آتا تھا۔ اس امتحان میں بیٹھنے کا۔ اب انٹرویو میں ایسے ایسے سوالات کیے جاتے تھے تاکہ وہ جواب نہ دے سکیں اور اس طرح انہیں ترقی نہ ملنے پر کوئی اعتراض بھی نہ ہوا اور اپنے من پسند لوگوں کو ترقی دے دی جاتی تھی۔

ایک صاحب میرے بہت اچھے دوست تھے۔ جناب ولی الرحمٰن اشرفی مرحوم۔ گریڈ 1 افسر تھے۔ میرے ساتھ ان کی میز ہوتی تھی جب ہم ہیڈ آفس میں ہوتے تھے۔ ایک بار ان کا نام (AVP) اسسٹنٹ وائس پریذیڈنٹ کے لیے بھیجا گیا تو نہ صرف وہ انٹرویو میں نہیں گئے بلکہ وہ اس روز دفتر نہیں آئے۔ ان کا موقف تھا کہ ان جاہلوں کو میں انٹرویو دینا اپنی توہین سمجھتا ہوں جنہیں کچھ نہیں آتا۔ سفارشوں پر ہمارے Boss بن گئے ہیں وہ یہ کہتے تھے کہ وہ لوگ مجھ سے دس سوال کریں۔ میں سب کے اگر صحیح جواب بھی دے دوں تب بھی ان لوگوں نے ترقی اسی کو دینی ہے جن کے بارے میں وہ فیصلہ کر چکے ہیں۔ یہ تو سب دکھاوا ہے۔ اس لیے انٹرویو میں جانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ جب بھی ولی الرحمٰن اشرفی مرحوم صاحب سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ ان لوگوں کو کوئی مشورہ کیوں نہیں دیتے آخر آپ اتنے سینئر ہیں۔ اس پر وہ جواب میں کہتے کہ ؎

مجھ سے لا حاصل ہے میرے مشوروں کا پوچھنا
تم وہی آخر کرو گے جو تمہارے دل میں ہے

جو آ گئے تھے پاس تم
تو دے گئے تھے آس تم

نہ کرنا اب اداس تم
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

شادی پہ شادی

ایک شادی پہ جو شادی کر رہے ہیں یار لوگ
چار دن کی ہے خوشی پر عمر بھر کا ہے یہ روگ

پچھلے دنوں ایک تقریب میں میرے ایک شادی شدہ دوست ملے۔ ملتے ہی کہنے لگے یار میں نے دوسری شادی کر لی ہے۔ یہ سن کر میں نے ان سے پوچھا کہ اگر یہ خوشی کی خبر ہے تو آپ کو مبارک باد دوں اور اگر یہ خبر بری ہے تو پھر افسوس کروں۔ یہ سن کر وہ کہنے لگے کہ تم نے وہ شعر سنا ہے

قناعت نہ کر صرف دو بیوں پہ
شریعت میں دو بیویاں اور بھی ہیں

میں نے کہا کہ گویا آج کل شریعت پر عمل ہو رہا ہے۔ ان کی خاموشی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے پوچھ ہی لیا کہ باقی کے کام بھی شریعت کے مطابق ہو رہے ہیں یا پھر شریعت صرف شادی تک ہی محدود ہے۔

ابھی میرے دوست نے کچھ بولنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ ان کی ''نئی نویلی دلہن'' آ دھمکیں اور آتے ہی کہنے لگیں کہ دراصل ہم دونوں ہی کی شادیاں غلط جگہوں پر ہو گئی تھیں اور ہمارا یہ عشق بچپن کا تھا جو پچپن (۵۵) میں پورا ہوا۔ دوسرے ہی لمحے انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کو کوئی اعتراض؟ جس پر میں نے یہ کہہ کر جان چھڑائی کہ ''میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی''۔ ان کی باتوں سے مجھے یہ اندازہ ہوا کہ خاتون بھی خیر سے شادی شدہ یا طلاق یافتہ ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ اس بات کا بھی یقین ہو گیا کہ عشق بچپن کا ہو یا پچپن (۵۵) کا دونوں ہی خطرناک ہوتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ عورت ہی عورت کا گھر برباد کرتی ہے لیکن قصوروار مرد بھی ہوتا ہے جو مرد اپنی بیوی کا نہ ہوا جس نے اس کی خاطر اپنے گھر والوں کو چھوڑا اس کا گھر آباد کیا اس کو بچے دیے ہر دکھ اور ہر سکھ میں اس کا ساتھ دیا وہ اس عورت کا کیا ہوگا جس کے عشق میں وہ اپنے ہوش بھی کھو بیٹھا ہے۔ کاش وہ جوش سے نہیں ہوش سے کام لیتا اور اپنی ذمہ داریوں کو سمجھتا۔

میرے ایک بہت ہی اچھے دوست نے جب دوسری شادی کی تو میں ان سے ملنے گیا۔ جاتے ہی پوچھ بیٹھا کہ آخر تمہیں یہ دوسری شادی کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ دوست نے جواب دیا کہ یہ ثابت کرنے کے لیے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا۔ میں نے وضاحت چاہی تو کہنے لگا کہ اگر میں دوسری شادی نہیں کرتا تو اس سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ میں اپنی پہلی بیوی سے ڈرتا ہوں۔ جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ ڈرنے کا حکم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے ہے اس لیے میں اپنی پہلی بیوی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں بنا سکتا۔ یہ شرک ہے اور مشرکوں کی بخشش نہیں ہوگی۔ آپ نے دیکھا کہ لوگ اپنے عمل کو ٹھیک ثابت کرنے کے لیے کس طرح کے جواز پیدا کر لیتے ہیں لیکن دلوں کا حال اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ۔

سجن رے جھوٹ مت بولو

خدا کے پاس جانا ہے

ایک دوست میرا بڑا پیارا سا معصوم نہ جانے کس زعم میں آکر دوسری شادی کر لی۔ کھانا پہلے تو اسے گھر کا نصیب بھی ہوجاتا تھا اب ایک دوسرے کے چکر میں دونوں جگہوں سے گیا۔ اکثر وہ ریسٹورینٹ میں کھانا کھاتا ہوا مجھے ملا جہاں میں کبھی کبھی جایا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے اس سے پوچھ ہی لیا کہ یہ دوسری شادی کا تجربہ کیسا رہا تو کہنے لگا کہ پہلی کہتی ہے کہ دوسری کے پاس جارہے ہو تو وہیں کھالینا اور دوسری کہتی ہے کہ پہلی نے تمہیں کھانے کو نہیں دیا تو پھر اس کے لیے کیوں مرتے ہو۔ یہیں رہو وغیرہ وغیرہ۔ اور بھی دوسرے مسئلے مسائل ہیں پاگل ہونے کے لیے ایک ہی بیوی کافی ہوتی ہے اور میں نے دوسری کر لی ہے ۔

دیکھو مجھے جو دیدہ عبرت نگاہ ہو

http://www.kitaabghar.com

میرا ایک دوست جو بہت ہوشیار تھا اسکول کے زمانے سے ہی۔ جب اس نے دوسری شادی کر لی تو مجھے بڑا تعجب ہوا اور پھر جب میری اس کی ملاقات دوسری شادی کے بعد ہوئی تو میں نے اس سے ازراہ مذاق پوچھا کہ یار تم نے دوسری کر لی اب اگر میں چاہوں دوسری کرنا تو یہ سب کیسے ممکن ہے۔ کہنے لگا دیکھو یہ کام بہت ہوشیاری سے کرنے کا ہے۔ پہلے مشہور کر دینا کہ تم نے دوسری شادی کر لی ہے۔ اگر پہلی بیوی کی طرف سے کوئی بڑا ہنگامہ کھڑا ہوگیا تو قسم اٹھا لینا کہ ایسا کچھ ہوا ہی نہیں اور پھر دوسری شادی مت کرنا اور ذہن سے ہمیشہ نکال دینا اور اگر پہلی بیوی کی طرف سے ہونے والا ہنگامہ کنٹرول میں رہا کچھ شرطیں وغیرہ رکھی گئیں تو سب مان لینا اور پھر دوسری کر لینا۔ یہ لاکھ ڈالر کی ٹپ تمہیں دے رہا ہوں ہر ایک کو یہ ٹپ مت دے دینا۔ یہ سب باتیں تمہیں کسی کتاب میں نہیں ملیں گی۔

آخر میں ایک دوست کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جو خیر سے صاحب اولاد اور اولاد وں کی اولاد والے ہیں اور ان کی بیگم بھی خیر سے بقید حیات ہیں۔ انہوں نے جس گھر میں اپنے لیے دوسری شادی کی غرض سے رشتہ بھیجا تھا اتفاق سے وہ لوگ میرے جاننے والے ہیں۔ ان لوگوں نے اس صاحب کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنے کی غرض سے فون کیا کہ تو مجھے یقین نہیں آیا کہ وہ میرا دوست جو نواسے، نواسیوں اور پوتے پوتیوں والا ہے جس کی بیگم بھی صحت مند اور حیات ہیں اسے دوسری شادی کرنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی۔ اس خیال سے جب میں نے اپنے دوست کے گھر گیا تو اس کی بیگم سے بات چیت ہوئی اس مسئلے پر انہوں نے صرف اتنا کہہ کر خاموشی اختیار کر لی کہ آپ کے دوست یعنی کے میرے شوہر عمر کے اس حصے میں ہیں کہ جہاں ان کے لیے صرف دعا ہی کی جا سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بروقت اور صحیح فیصلے کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

......☆......

http://www.kitaabghar.com

جو تم نے مجھ سے کی شرم
تو پھوٹ جائیں گے کرم

نہ لانا بیچ میں دھرم
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

ہرفن مولا

دیکھنا جس نے بھی کی ہے ہرفنِ مولائی یہاں
روح بھی بھٹکی پھرے گی اُس کی بولائی یہاں

یہ بات تو اب پرانی ہوگئی کہ Jack of all master of none لیکن آج کل تو یہ بات کچھ اس طرح ہوگئی ہے کہ جیک آف آل = گٹس آل پروٹوکال۔یعنی جس کسی نے بھی ہر کام میں اپنی ٹانگ اڑادی اس کی ہوئی ہے...... بلّے بلّے ......! اگر یہی کام پہلے زمانے میں کوئی کرر ہا ہوتا تو گھر کے بزرگ کہتے کہ وہ شخص مستقل مزاج نہیں ہے۔کوئی بھی کام ٹک کر نہیں کرتا وغیرہ وغیرہ۔لیکن آج کل اس عمل کو بڑی قدرومنزلت سے دیکھا جاتا ہے اور اسے کہتے ہیں فنکار کی فنکاری۔

میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جو اپنے ملک میں نائی تھے۔گھر گھر جا کر لوگوں کے بال تراشتے تھے۔جب ہر چوک پر نائی کی دکان کھلنے لگی اور لوگوں نے ہیئر کٹنگ سیلون میں جا کر بال کٹوانے شروع کر دیے تو ان کے دھندے میں کمی واقع ہوگئی تو انہوں نے یہ کام چھوڑ کر موچی کا کام شروع کر دیا۔کچھ ہی عرصے کے بعد جب جوتے کی دکان والوں نے جوتوں کی مرمت کا کام خود سنبھال لیا تو یہ صاحب پھر پریشان ہوگئے۔اس بار میں نے دیکھا کہ وہ ساحل سمندر پر ہاتھ میں ڈگڈگی لیے بندر کا تماشہ دکھا رہے ہیں۔لیکن جلد ہی انہیں یہ احساس ہو گیا کہ شائد لوگ سمجھ جائیں گے کہ اس بندر کے تماشے کے پیچھے تماشا کچھ اور ہے۔انہوں نے سائیکل پنکچر بنانے کی دکان کھول لی اور سائیکلیں کرایہ پر بھی دینے لگے۔جب اس کام سے دل بھر گیا تو انہوں نے دکان

بند کر کے تالے چابی بنانے کا کام شروع کر دیا۔ کافی عرصے تک یہ کام کرتے رہے۔ قسمت کا کھیل دیکھیں ایک دن چند ڈاکوؤں نے انہیں گھیر لیا اور اٹھا کر اپنے ساتھ لے گئے اور ایک بلڈنگ کے کئی اپارٹمنٹس کے دروازے ان سے کھلوائے۔ اسی دوران لوگ جاگ گئے، پولیس آئی۔ اس طرح ڈاکوؤں کے ساتھ یہ بھی پکڑے گئے۔ آخری خبریں آنے تک موصوف جیل میں تھے۔ بھئی برے کاموں کا انجام بھی تو برا ہی ہوتا ہے......!

کینیڈا میں بھی ایک ایسے ہی صاحب کا ذکر سنا ہے جو فطرتاً ان صاحب سے بہت ملتے جلتے تھے (جو آج کل اپنے ملک کی جیل میں ہیں)۔ موصوف کا اسٹیٹس کئی سالوں سے رفیوجی تھا اور وہ ان دنوں دکانوں میں اخبار ڈالا کرتے تھے اور ساتھ ہی ساتھ لوگوں کو امیگریشن کے قوانین سمجھاتے تھے جبکہ انہیں خود امیگریشن کی ضرورت تھی۔ ایک دن اچانک دیکھا کہ ایک مال میں امیگریشن کنسلٹنٹ کا بورڈ لگائے انکم ٹیکس کے فارم پر کرنے میں مصروف ہیں۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ بس تو ہی خیر کرنے والا ہے۔ جب انکم ٹیکس کا موسم ختم ہوا تو ایک موٹر ٹریننگ اسکول کے مارکڈ کار میں بیٹھے نظر آئے۔ کسی اسٹوڈنٹ کو ڈرائیونگ سکھا رہے تھے۔ کچھ دن اور گزر جانے کے بعد ایک اخبار میں اشتہار دیکھا کہ وہ انشورنس ایجنٹ بن گئے ہیں۔ ہوم‘ لائف‘ کار غرضیکہ ہر قسم کی انشورنس کروانے کے لیے لوگ ان سے رابطہ کریں۔ اشتہار میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر آپ کو ٹریفک ٹکٹ مل جائے تو بالکل نہ گھبرائیں ہم سے رابطہ کریں۔ اسی طرح فیشن شو، اسکیٹنگ اسکول اور خدا جانے کن کن کاموں کے بہانے انہوں نے پبلک کو بے وقوف بنایا۔ یہاں تک کہ موصوف نے لوگوں کو زیرو ڈاؤن پیمنٹ پر مکان خریدنے کے لیے رقم مہیا کرنے کا کام بھی بذریعہ اشتہار کر ڈالا۔ میرے دل میں یہ خیال بار بار آیا کہ یا اللہ یہ زیرو ڈاؤن پیمنٹ پر مکان کیسے دلوا سکتے ہیں۔ یہ کام تو رئیل اسٹیٹ ایجنٹ کا ہے۔ اشتہار کو بار بار پڑھا۔ جب اطمینان نہ ہوا تو اور دوستوں کو بھی پڑھوایا جب جا کر معلومات میں اضافہ ہوا کہ موصوف یہ کام رئیل اسٹیٹ کا امتحان پاس کیے بغیر ہی کر رہے ہیں (کیا اندھی لگی ہوئی ہے)۔ پھر سنا کہ وہ ریڈیو ٹی وی پروڈیوسر بن گئے ہیں۔ پروگرام میں خاص کر امیگرنٹس کو یہ ٹپ دیتے ہیں کہ آپ بہت خوش نصیب ہیں کہ کینیڈا جیسے ملک

کی آپ کو امیگریشن مل گئی ہے۔ آپ جیسے کتنے لوگ اس بات کی تمنا کیے اس دنیا سے چلے جائیں گے۔ اب چونکہ آپ یہاں آ گئے ہیں تو آپ کو گاڑی بھی لینی ہوگی، مکان بھی چاہیے ہوگا اور پھر ضرورت کی تمام چیزیں آپ فون اٹھائیں اور ہمارے نمبر کو ڈائل کریں۔ اپنے بارے میں مختصر بتائیں ہم سب سمجھ جائیں گے اور آپ کا کام تمام کا تمام کر دیں گے۔ ہم آپ ہی کی زبان بولتے ہیں کیونکہ آپ کو صرف سننا ہے بولنا نہیں ہے۔

ایسے کتنے لوگ موصوف کے ہتھے چڑھ گئے ہوں گے لیکن اللہ کا کیا کرنا اس کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ پچھلے دنوں خبر موصول ہوئی کہ موصوف ''ڈی پورٹ'' کر دیے گئے ہیں۔ حکم خداوندی ہو جائے تو پھر کسی کو سانس لینے کی بھی مہلت نہیں ملتی۔

موصوف کے چلے جانے کے سے بہت سے سادہ طبیعت لوگ جو حال ہی میں اپنے پیارے وطن سے بڑی امیدیں لے کر آئے ہیں اپنی جمع پونجی لٹانے سے بچ گئے۔ اللہ تعالیٰ ان نیک اور سیدھے سادے لوگوں کی مدد فرمائے اور انہیں حوصلہ دے تا کہ اس دیارِ غیر میں اپنوں کے ہاتھوں لٹنے سے محفوظ رہیں۔ آمین۔

سچائی چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے
کہ خوشبو آ نہیں سکتی کبھی کاغذ کے پھولوں سے

......☆......

وہ دل میں جو سما گئے
تو دھاک بھی جما گئے

یوں نیکی بھی کما گئے
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

فنکاروں کی فنکاریاں

اب تو وہ فنکار بھی فنکاریاں کرنے لگے
جو تھے کل تک نام کے اب کام کے ہونے لگے

ایک تقریب میں بیٹھا میں چند فنکاروں سے باتیں کر رہا تھا کہ ایک صاحب آئے اور آتے ہی کہنے لگے اچھا تو سارے فنکار یہاں بیٹھے ہیں۔سب سے الگ تھلگ۔پھر خود ہی بولے کیوں نہ بیٹھیں سب سے الگ تھلگ' ارے بھئی فنکار جو ہوئے۔کسی نے توجہ نہ دی تو کہنے لگے ''میں بھی فنکار رہوں''۔سب خاموش تھے مجھ سے نہ رہا گیا پوچھ ہی لیا آپ نے کسی ڈرامے میں کام کیا ہے۔ کہنے لگے ارے بھائی اسی بات کا تو رونا ہے۔دراصل میں چھوٹے چھوٹے فنکاروں کے ساتھ کام نہیں کر سکتا چونکہ وہ بڑے اور سینئر فنکاروں کی عزت کرنا نہیں جانتے اور جس جگہ عزت نہ ہو وہاں میں کام نہیں کر سکتا۔تو میں نے ان سے کہا کہ بھائی تو آپ اپنے سے سینئر فنکاروں کے ساتھ کام کریں' تو جواب میں کہنے لگے کہ دراصل میں تو ان کے ساتھ کام کرنا چاہتا ہوں لیکن مشکل یہ ہے کہ وہ میرے ساتھ کام کرنا نہیں چاہتے ہیں نا......!

ایک صاحب جنہیں کینیڈا آئے ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا ہے ایک دن مجھے فون کر کے کہنے لگے کہ جناب میں نے آپ کا بڑا نام سنا ہے۔آپ بڑے اچھے فنکار ہیں۔اسی حوالے سے آپ سے ملنا چاہتا ہوں کچھ بات چیت کرنی ہے۔اگر اپنی مصروف زندگی میں سے تھوڑا سا وقت آپ ہمارے لیے نکال لیں تو بڑا کرم ہوگا۔میں نے ان سے پوچھا کہ بھائی آپ کون ہیں اور آپ کو مجھ سے کیا بات کرنی ہے کہنے لگے کہ میں آپ کے ساتھ مل کر کوئی ''دھماکے دار'' کام کرنا چاہتا ہوں کہ

بس دنیا دیکھتی رہ جائے۔ ''دھماکے دار'' کا نام سن کر میں گھبرایا۔ میں نے کہا کہ بھائی آپ کو یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہے میں فنکار ہوں تخریب کار نہیں۔ یہ سن کر کہنے لگے کہ آپ غلط سمجھے مجھے بھی آپ کی فنکاری سے مطلب ہے تخریب کاری سے نہیں۔ میرے اصرار پر کہنے لگے کہ ہمارے ملک میں جو ٹی وی کے اداکار ہیں ''شکیل'' آپ انہیں ضرور جانتے ہوں گے۔ میں نے کہا ہاں ہاں اچھی طرح۔ تو کہنے لگے ان کو ٹی وی پر لانے والے کون ہیں' میرے والد۔ یہ غلام محی الدین (گلو) رات دن ہمارے گھر کے چکر لگاتا تھا میرے والد صاحب نے اسے سیٹ کروا دیا۔ ارے بھئی فنکارہ ''روپ'' کا نام آپ نے ضرور سنا ہوگا' والد صاحب کے ہاتھوں کھیلی ہوئی بچی ہے' کیا روپ نکلا ہے اس کا۔ سب چھوڑیں ''شازیہ منظور'' اسے گانا کس نے سکھایا' سب سے پہلے ''نیلام گھر'' ٹی وی پروگرام میں اسے لے کر جانے والے میرے والد صاحب ہی تو تھے۔ یہ ساری باتیں سن کر میں نے ان سے پوچھا کہ بھائی چلیے تھوڑی دیر کے لیے آپ کی یہ سب باتیں میں سچ بھی مان لیتا ہوں تب بھی میں آپ سے یہ پوچھنا چاہوں گا کہ آپ کے والد صاحب نے دوسروں کو تو بنا دیا' سیٹ کروا دیا' لیکن آپ کے والد صاحب نے آپ کو کیا بنایا؟ کہنے لگے یہی تو رونا ہے کہ جب تک وہ حیات رہے میں نے ان کی ایک بھی بات نہیں مانی آج پچھتاتا ہوں لیکن ہوں تو نہیں کا بیٹا۔

باپ پوت پرا پت گھوڑا
کچھ نہیں تو تھوڑا تھوڑا

آپ میرا یقین مانیے کچھ نہ کچھ ایسا کر کے دکھاؤں گا کہ دنیا بھی کیا یاد کرے گی۔ بس آپ میرا ساتھ دیں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے ساری دنیا چھوڑ کر مجھ غریب کا انتخاب کیوں کیا۔ کیا میری گردن آپ کو سب سے پتلی نظر آئی تو کہنے لگے یہ بات نہیں ہے دراصل پچھلے دنوں میں نے البمبین سینما میں آپ کی فلم ''کیوں کس لیے'' دیکھی۔ کیا ایکٹنگ کی ہے آپ نے بھئی واہ مزہ آ گیا۔ کیا نیگیٹو اپروچ ہے' بڑا Confidence ہے آپ کو اپنے آپ پر۔ میں تو کہتا ہوں کہ بس آپ ہی ہیں جی اس فلم میں ...... اوّل بھی تو آخر بھی تو۔ میں نے ان سے کہا کہ بھائی میں تعریف سے زیادہ تنقید سے خوش ہوتا ہوں تو تنقید یہ ہے کہ اگر آپ یہی اداکاری بھارتی فلم کے

بجائے پاکستانی فلم میں کرتے تو اپنے ملک کا نام روشن ہوتا۔ اس لیے تو آپ کو فون کیا ہے کہ آپ ہمارے ساتھ مل کر اپنے ملک کے لیے کچھ کیجئے۔ میں نے انہیں روک کر پوچھا کہ بھائی ابھی تک آپ نے یہ نہیں بتایا کہ آپ کون صاحب ہیں کیا نام ہے آپ کا اپنے والد صاحب کا نام بھی بتائیے۔ شاید سنا ہوا ہو۔ پھر یہ کہ آپ کس حیثیت سے میرے ساتھ کام کریں گے۔ کہنے لگے ارے صاحب جب آپ کے ساتھ بیٹھیں گے تو سب طے کر لیں گے۔ اگر آپ کہیں گے ایکٹنگ کرلو تو ایکٹنگ کرلوں گا اور جو اگر آپ کہیں گے کہ ڈائریکشن دے دو تو میں وہ بھی دے دوں گا بس یوں سمجھ لیجئے کہ میں ہرفن مولا ہوں۔ سب کچھ والد صاحب کو کرتے ہوئے دیکھا ہے نا۔ میں نے ان سے جان چھڑانے کے لیے ان کا فون نمبر معلوم کرنا چاہا تو کہنے لگے دراصل میں آج کل اپنے کزن کے گھر ٹھہرا ہوا ہوں۔ اسی کا فون استعمال کر رہا ہوں' پھر بھی میں نے سوال کیا کہ آپ نے کالر آئی ڈی کیوں بلاک کر رکھی ہے' اس لیے کہ آپ اور آپ جیسے لوگ یہاں فون نہ کریں چونکہ جن کے گھر میں ٹھہرا ہوا ہوں وہ لوگ ڈسٹرب ہوں گے۔ میں نے ان سے کہا کہ جس شخص کا جغرافیہ اور تاریخ مجھے معلوم نہ ہو اس کے ساتھ میں کسی قسم کا کام نہیں کر سکتا۔ میرے بھی کچھ اصول ہیں۔ آئندہ مجھے فون کرنے سے پہلے اپنا فون نمبر دینے کو تیار رکھئے گا۔ تو پھر بات ہوگی۔ اس وقت تک کے لیے اللہ حافظ۔

ایک میرا فنکار دوست شوکر کے باہر نکلا تو مجھے اپنی گاڑی میں آتا دیکھ کر کہنے لگا یار مجھے تم سے رائڈ چاہیے۔ میں نے کہا بیٹھ جاؤ تمہیں تمہارے گھر چھوڑ دوں گا۔ لیکن میری گاڑی میں بیٹھنے کے لیے دروازہ اس نے پچھلا کھولا تو میں نے دیکھا ایک ساتھی فنکارہ بھی اس کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ میں نے سوچا کہ چلو بھائی کوئی بات نہیں ہے اتنے میں میرے فنکار دوست نے وضاحت کی کہ یہ ساتھی فنکارہ بھی اس کے گھر کے قریب ہی رہتی ہے۔ میں نے پھر بھی کہا کہ چلو کوئی بات نہیں ہے۔ کچھ دور جانے کے بعد محسوس ہوا کہ بٹھائے تو میں نے دو تھے لیکن موجود ایک ہے۔ اس خیال کے آتے ہی میں نے جب Back view mirror میں دیکھا تو اندازہ ہوا کہ دونوں ...... دو جان ایک جسم ہو گئے ہیں۔ اتنی جلدی دونوں اتنے قریب آ جائیں گے میں

نے سوچا نہ تھا۔ مجھے ایسا لگا کہ کوئی گا رہا ہے ۔

ایک دن آپ یوں ہم کو مل جائیں گے
پھول ہی پھول راہوں میں کِھل جائیں گے

میں نے سوچا نہ تھا............

لیکن میرے ذہن میں جو بات آئی تھی اس کی ترجمانی کچھ اس طرح سے ہوتی ہے کہ ۔

دو دل مل رہے ہیں مگر ''چپکے چپکے''
سب کو ہو رہی ہے خبر ''چپکے چپکے''

میں نے گاڑی قریب ہی ایک سب وے کی طرف موڑ لی اور وہاں رک کر ان دونوں سے معذرت چاہی کہ میں ان لوگوں کے اس خوشگوار سفر میں زیادہ دیر تک ساتھ نہیں دے سکتا۔ بہتر یہی ہے ہم سب کے لیے کہ آپ یہ عمل سب وے میں جاری رکھتے ہوئے لوگوں کو محبت کا پیغام دیتے ہوئے اپنے گھر کو جائیں۔

ایک اور فنکار دوست کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں جو خیر سے ''مسلمان'' ہیں اور بہت اچھے سنگر ہیں۔ میرے ساتھ بہت سے شوز میں رہے اور آج بھی ساتھ ہیں لیکن ایک شو کے دوران جو بات میں نے نوٹ کی اس کا ذکر خاص طور پر کرنا چاہوں گا۔ مانا کہ ہم ایسے ملک میں رہتے ہیں جہاں ''شراب نوشی'' کو معیوب نہیں سمجھا جاتا لیکن کیا ہم اپنے مذہب کو اتنا پیچھے چھوڑ آئے ہیں کہ انٹرٹینمنٹ کی ایسی محفلوں میں ہم یہ بھول جائیں کہ ہم کون ہیں اور غیر مسلموں کے ساتھ مل کر وہی حرکتیں کریں جو ان کے مذہب میں معیوب نہیں ہیں۔ میرا یہ فنکار دوست نہ صرف یہ کہ شراب نوشی کرتا رہا بلکہ ہر وہ عمل کرتا رہا جس کی ہمارے مذہب میں اجازت نہیں۔ میرا یہ فنکار دوست بہت اچھا گاتا ہے لیکن جتنا پیتا ہے اتنا ڈوب کر گاتا ہے ۔

سب تو ملا کے پیتے ہیں پانی شراب میں
میں پی گیا ملا کے جوانی شراب میں

......☆......

برجستہ

ہم نے تو برجستہ اپنے دوست سے یہ کہہ دیا
تم نے تو حاضر جوابی کی بھی حد کو چھولیا

آپ نے اکثر لوگوں کو بڑے بڑے دعوے کرتے ہوئے دیکھا اور سنا ہوگا کہ میرے اندر یہ خصوصیات ہیں اور وہ خصوصیات ہیں پھر دوسرے ہی لمحے اپنی باتوں سے یا حرکتوں سے یہ ثابت کر دیتے ہیں کہ ان کے دعوے غلط تھے۔

ایک صاحب کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دو بڑی اہم خصوصیات سے نوازا ہے۔ ایک تو بڑی اچھی یادداشت ہے اور دوسری مجھے یاد نہیں۔

ایک اور صاحب کہنے لگے کہ آج میں تقریباً ۶۵ برس کا ہو گیا ہوں لیکن زندگی کے اتنے لمبے سفر میں آج تک میں نے ایک بھی جھوٹ نہیں بولا۔ جبکہ یہ خود ایک بڑا جھوٹ تھا اسی لیے بزرگوں نے کہا ہے کہ پہلے تولو پھر بولو۔

برجستگی بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں میں سے ایک ہے۔ برجستگی جسے ہم حاضر جوابی کہتے ہیں ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ یہ فن بھی کسی کسی کے حصے میں آیا ہے۔ جس کے لیے اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے۔ میں اپنے تجربے کی روشنی میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ ذہین لوگ حاضر جواب بھی ہوتے ہیں۔ یعنی حاضر جوابی کے فن سے وہی لوگ قریب ہیں جو ذہین ہیں۔

میرے ایک دوست نے اپنے بہت ہی بے تکلف دوست سے پوچھا کہ یار بلیک منی (Black Money) کو وہائٹ (White) کرنے کا کوئی طریقہ تو بتاؤ ان کے اس دوست نے

برجستہ کہا کہ BMW خریدلو۔ یہ سن کر میرے دوست نے کہا کہ یار بلیک منی کو وہائٹ کرنے کا بی ایم ڈبلیو کر خریدنے سے کیا تعلق ۔ یہ سن کر ان کے دوست نے کہا کہ بی ایم ڈبلیو تو بنائی ہی اس لیے گئی ہے کہ بلیک منی کو وہائٹ کیا جا سکے۔ میرے دوست نے پھر پوچھا وہ کیسے' کہنے لگے کہ ارے بھائی B کا مطلب بلیک' M کا مطلب Money اور W کا مطلب White ۔بس اللہ اللہ خیر سلہ۔

میرے ایک بہت ہی بے تکلف دوست ہیں ان کی جب شادی ہوئی تو فوراً ہی ہنی مون کے لیے روانہ ہو گئے اور دو ماہ بعد واپس آئے تو اب کسی سے مل نہیں رہے تھے کئی دوستوں نے فون پر رابطہ کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ اب ہم سب دوستوں کی تشویش میں اضافہ ہوا کہ آخر کیا بات ہے کہ ہنی مون سے واپسی پر حضور کے مزاج ہی ٹھکانے پر نہیں ہیں۔ میں نے مناسب سمجھا کہ گھر پر جا کر دیکھوں اور پتہ کروں کہ معاملہ کیا ہے ۔ راستے بھر طرح طرح کے خیالات آتے رہے کہ کہیں ایسا نہ ہو گیا ہو کہیں ویسا نہ ہو گیا ہو۔ خیر جب ان کے گھر کے دروازے پر پہنچ کر گھنٹی بجائی تو اندر سے آواز آئی کون ہے بھئی ۔ میرے نام بتانے پر دروازہ کھل گیا۔ اب اندر جانے کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ موصوف کچھ پریشان اور پریشانی سے زیادہ ناراض ناراض جیسے ہوں۔ میں پوچھ بیٹھا خیر تو ہے کیا بیگم سے لڑائی ہو گئی ہے ۔ہنی مون پر خرچہ زیادہ آ گیا ہے ۔ نیند پوری نہیں ہوئی یا راستے کی تھکن ابھی تک نہیں اتری ۔غرضیکہ میں نے ایک ہی سانس میں کئی سوال پوچھ لیے ۔لیکن جواب ایک کا بھی نہ ملا۔ تو پھر میں نے ایک سوال بالکل الگ سے کر لیا کہ ارے بھائی تمہاری شادی ہو گئی لیکن تم میں ذرّہ برابر بھی فرق نہیں آیا۔ دوست غصے میں کہنے لگا تو کیا شادی کرنے کے بعد سینگ نکل آتے ہیں۔ میں نے اس کی بات کو سنی اَن سنی کرتے ہوئے پوچھا کہ اچھا چلو یہ بتاؤ کہ تم نے شادی کرنے کے بعد کیا کیا۔ دوست نے مذاق میں کہا وہی کیا جو سب لوگ کرتے ہیں ۔آخر سب لوگ کیا کرتے ہیں۔ میں نے پھر مذاق میں سوال کیا۔ تو جواب میں تپ کر کہنے لگا اچھا بتاؤ کہ تم نے شادی کے بعد کیا کیا تھا۔ میں نے کہا ''توبہ'' میں نے توبہ کیا تھا کہ آئندہ اس قسم کی غلطی دوبارہ نہیں کروں گا۔

جن دنوں سابق امریکی صدر بل کلنٹن اور مونیکا لیوسکی کے قریبی تعلقات کا علم لوگوں کو ہوا تو نہ صرف امریکہ بلکہ پوری دنیا میں ہی اس بات کا تہلکہ مچ گیا تھا۔ لوگ طرح طرح کی باتیں کر رہے تھے۔ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہیں ویسا نہ ہو جائے ۔ انہی دنوں میرا ایک بہت ہی بے تکلف دوست کینیڈا آیا ہوا تھا۔ کہنے لگا یار مونیکا لیوسکی کو ہمارے حوالے کر دو ہم اسے پاکستان لے جاتے ہیں اور وہاں لے جا کر اس سے اسلام قبول کروالیں گے ۔ اس طرح سارا معاملہ ٹھیک ہو جائے گا۔ میں نے اپنے دوست سے پوچھا کہ اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ کہنے لگے ایک تو مونیکا کے اسلام قبول کرنے سے بل کلنٹن کے دل میں مسلمانوں کے لیے قدر ومنزلت بڑھ جائے گی اور اگر مونیکا کو پاکستان کی شہریت دے دی جائے تو امریکہ اور پاکستان کے تعلقات بھی ویسے ہی ہو جائیں گے دوستانہ کہ جیسے خود بل کلنٹن اور مونیکا لیوسکی کے ہیں۔ میرے ذہن میں ایک سوال ابھرا کہ یہ تو تم نے بتایا ہی نہیں کہ مونیکا لیوسکی کے اسلام قبول کر لینے پر اس کا اسلامی نام کیا ہوگا۔ میرا دوست فوراً بولا ۔بلقیس (Billkiss)۔ کہتے ہیں نا کہ اگر گڑ نہ دے سکو تو گڑ جیسی بات تو کرو۔ اسی طرح یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر کسی کا اچھا نہیں کر سکتے تو برا بھی نہ کرو۔ اس بات کو اگر اس طریقے سے کر لیں گے کہ جو لوگ محبت کرنا نہیں جانتے تو انہیں نفرت کرنے کا بھی کوئی حق نہیں۔ میرے ایک بہت اچھے دوست نے اپنے کسی دوست سے باتیں کرتے ہوئے کہا کہ یار جو لوگ مجھ سے محبت کرتے ہیں ان کے لیے میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔ اس بات پر اس کے دوست نے اس سے پوچھا کہ جو لوگ تم سے نفرت کرتے ہیں ان کے لیے تم کیا کر سکتے ہو۔ میرے اس دوست نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر کہا کہ میرا جواب اب بھی وہی ہے ''کچھ بھی کر سکتا ہوں''۔

میرے بڑے اچھے دوست ہیں سعید صدیقی بہت ذہین آدمی ہیں ہر بات کا جواب تو ان کی زبان کی نوک پر رکھا ہوتا ہے۔ ایک شادی کی تقریب میں میرے ساتھ کھانا لے کر اپنی میز کی طرف جا رہے تھے کہ ایک صاحب سے ان کی ٹکر ہو گئی اور وہ صاحب لڑکھڑا گئے کہ اب گرے تب گرے۔ ٹھٹھک گئے اور غصے میں میرے دوست کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ ''الّو گدھا' پاجی''۔ یہ تمام الفاظ سننے کے بعد میرے دوست نے ان کی طرف اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا کہ

"اور مجھے سعید کہتے ہیں"۔

آپ نے دیکھا اور سنا ہوگا کہ لوگ پوچھتے ہیں کہ بھیا یہ راستہ کہاں جاتا ہے۔اس سوال پر میرے ایک دوست نے بڑا اچھا جواب برجستہ دیا کہ بھیا یہ راستہ کہیں نہیں جاتا بس اس پر لوگ آتے جاتے ہیں۔دیکھا آپ نے برجستگی میرے دوست کی۔اللہ تعالیٰ میرے دوستوں کو سلامت رکھے۔انہیں نصیحت کے ساتھ زندگی دے تا کہ دیر تک وہ اپنی خوش گفتاری سے محفلوں کو گل وگلزار کرتے رہیں۔آمین۔

......☆......

خدا نے کر دیا کرم
تو رہ گیا میرا بھرم

نہیں تو مر ہی جاتے ہم
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

دلچسپ اور عجیب

آپ نے ان سب کی سن لی کیا تھا دلچسپ کیا عجیب
بات بھی دلچسپ تھی اور لوگ بھی تھے کیا عجیب

صاحب ہماری روزمرہ زندگی میں ایسے بہت سے واقعات پیش آتے ہیں جو یا تو بہت دلچسپ ہوتے ہیں یا پھر بہت ہی عجیب۔مجھے یاد ہے کہ ایک شو کے درمیان معروف فنکار معین اختر نے فلمسٹار ندیم سے پوچھا کہ آپ ہمیں اپنی زندگی کا کوئی دلچسپ واقعہ سنائیں۔اس پر فلم اسٹار ندیم نے کہا کہ پچھلے دنوں میں امریکہ کے شہر نیویارک میں شاپنگ کر کے جیسے ہی اپنی گاڑی میں آ کر بیٹھا تو ایک بوڑھی عورت میرے پاس آئی اور آ کر کہنے لگی کہ تو ندیم ہے۔اس پر میں نے کہا کہ جی میں ندیم ہوں۔اس پر بڑھیا نے پھر پوچھا کہ واقعی تو ندیم ہے۔اس پر میں نے پھر کہا کہ ہاں ہاں میں واقعی ندیم ہوں۔یہ سن کر بڑھیا بولی تو ویسا ہی جوان کا جوان ہے اور میں بوڑھی ہوگئی۔یہ سن کر میں نے اس بڑھیا سے کہا کہ میں بھی بوڑھا ہو گیا ہوں لیکن یہ بال میں رنگتا ہوں اس لیے بوڑھا نہیں لگتا۔

جب فلم اسٹار ندیم یہ واقعہ سنا کر چپ ہو گئے تو معروف فنکار اداکار معین اختر نے ان سے کہا کہ اس واقعہ میں دلچسپ بات کیا تھی یعنی ایک بڑھیا آئی،آپ کی بے عزتی کر گئی،اپ کی عمر بتا گئی اور آپ کہہ رہے ہیں کہ یہ دلچسپ واقعہ تھا آپ کی زندگی کا۔اس پر فلم اسٹار ندیم نے کہا کہ چلیں میں ایک دوسرا واقعہ سنا دیتا ہوں تو معین اختر نے کہا کہ نہیں نہیں آپ رہنے دیں واقعہ کو مجھے آپ کی دلچسپی کا اندازہ ہو گیا۔

اس طرح ایک اور انٹرویو کے دوران اداکار معین اختر نے معروف اداکار طلعت حسین سے پوچھا کہ ٹیلی ویژن پر جتنے بھی فنکار کام کررہے ہیں ان میں سے آپ کے خیال میں کون اچھا کام کررہا ہے اور کون لوگ اپنا وقت ضائع کررہے ہیں۔اس سوال کے جواب میں اداکار طلعت حسین نے کہا کہ سب ہی اچھا کام کررہے ہیں۔ان کے اس سیاسی بیان سے معین اختر مطمئن نہ ہوئے۔ایک دوسرا سوال کرلیا کہ آپ کو اپنا کام کیسا لگتا ہے دیکھ کر۔طلعت حسین نے کہا کہ شرمندگی ہوتی ہے یہ سن کر۔معین اختر بولے کہ جب آپ کو اپنا کام دیکھ کر شرمندگی ہوتی ہے تو یہ کام چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔یہ سن کر طلعت حسین نے کہا کہ میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میں اس سے بہتر کام کرسکتا تھا کیوں نہیں کر پایا۔یا کیوں نہیں کیا۔

پاکستان فلم انڈسٹری کے مایہ ناز کامیڈین لہری صاحب کے گھر میرا بڑا آنا جانا تھا۔ایک دن میں ان کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا باتیں کررہا تھا ادھر ادھر کی۔میں نے لہری صاحب کی بیگم سے موقع پاکر پوچھ لیا کہ آپ کو کیسا لگتا ہے کہ آپ مسز لہری ہیں۔وہ خاموش رہیں۔میں نے دوبارہ وہی سوال دہرایا کہ مجھے آپ یہ بتانا پسند کریں گی کہ آپ کیسا محسوس کرتی ہیں کہ آپ لہری صاحب جیسے اداکار کی بیگم ہیں۔اس بار بھی وہ خاموش تھیں۔جب میں نے تیسری بار سوال کیا تو لہری صاحب سے نہ رہا گیا۔انہوں نے مجھے مخاطب کرکے کہا کہ ارے بھئی کتنا اچھا سوال کتنے غلط آدمی سے کرلیا۔لہری صاحب ایک یونیورسٹی کا درجہ رکھتے ہیں۔جتنا آپ ان کے قریب ہوں گے بہت کچھ سیکھیں گے۔

ایک سوال میں نے لہری صاحب سے کیا کہ لہری صاحب میں نے سنا ہے کہ آپ نے ایک فلم کی کہانی لکھی ہے اور اس کی شوٹنگ بھی شروع ہوگئی ہے اور اس فلم کے ہیرو ہیں محمد علی شہکی۔یہ سن کر لہری صاحب نے مثبت میں جواب دیا۔تو پھر میں نے دوسرا سوال کرڈالا کہ لہری صاحب محمد علی شہکی کی مادری زبان اردو تو نہیں ہے آپ کے مکالمے وہ کیسے ادا کریں گے کیونکہ اگر پنچ لائن مس کر دیا تو پھر لافٹر تو نہیں آئے گا۔یہ سن کر لہری صاحب بولے ارے بھئی کتنا خراب کرے گا۔

ایک اور تقریب میں اداکار معین اختر نے کامیڈین ننھا سے پوچھا کہ ننھے یہ بتاؤ کہ تم کراچی

ٹیلی ویژن سے لاہور فلم انڈسٹری کا سفر کرچکے ہو یہ تبدیلی تم کیسی محسوس کرتے ہو۔ننھے نے جواب دیا کہ یہاں کراچی ٹیلی ویژن سینٹر میں الن (کمال احمد رضوی) کے ساتھ کام کرتا تھا الف نون میں' وہاں انجمن کے ساتھ کام کرتا ہوں 'نا' (یعنی نون الف) میں۔فرق تو صاف ظاہر ہے اب اپنے منہ سے کیا بولوں۔

2000ء میں جب پاکستان گیا تھا اپنی فیملی کے ساتھ تو اداکار معین بھائی میرے گھر مجھ سے ملنے آئے۔آتے ہی کہا جائے نماز دو پہلے نماز پڑھوں گا اور مجھے بھی کہا کہ پہلے نماز پڑھیں گے پھر باتیں کریں گے۔جب نماز سے فارغ ہوئے تو کہنے لگے کہ دیکھو بھئی پہلے چونکہ میں نماز نہیں پڑھتا تھا اس لیے کسی کو کہتا بھی نہیں تھا۔اب چونکہ خود نماز پڑھتا ہوں اس لیے کہنے کا حق رکھتا ہوں۔پھر ڈھیر ساری اسلامی باتیں بتائیں کہنے لگے کہ میں خود ترجمہ کے ساتھ قرآن پڑھتا ہوں اور سمجھ سمجھ کر اس پر عمل کرنے کی کوش کررہا ہوں۔آگے اللہ مالک ہے۔انہوں نے یہ بھی کہا کہ میں بہت جلد شو بزنس چھوڑ دوں گا اور اس کا باقاعدہ اعلان کروں گا۔میں آج کل متبادل ذریعہ معاش کی تلاش میں ہوں یا تو میں فوڈ بزنس میں چلا جاؤں گا یا پھر کلوتھنگ یعنی گارمنٹس انڈسٹری میں۔کیونکہ اسلام میں شو بزنس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔جب سے میں نے حج ادا کیا ہے اپنے آپ میں بہت تبدیلی محسوس کررہا ہوں اور اسلام میں یہ بات واضح طریقہ سے کی گئی ہے کہ جو آپ اپنے لیے پسند کریں وہی اپنے بھائی کے لیے بھی پسند کریں۔اس لیے اگر یہ کام چھوڑ سکتے ہو تو چھوڑ دو۔رات کو کھانے کی میز پر کھانا کھانے کے دوران معین بھائی نے دہی کے ڈونگے کو کھانے کی میز پر سے ہٹانے کے لیے کہتے ہوئے بتایا کہ میں نے ایک بہت ہی عمدہ کتاب میں یہ بات پڑھی ہے اور اس کتاب میں لکھا تھا کہ جو لوگ رات کو کھانے میں دہی کا استعمال کرتے ہیں وہ مر کیوں نہیں گئے اور جو لوگ صبح کے ناشتے میں دہی استعمال نہیں کرتے وہ لوگ زندہ کیسے ہیں۔انہوں نے یہ بھی کہا کہ جب تک معلوم نہیں تھا میں بھی کھاتا رہا لیکن اب جب کہ معلوم ہو گیا تو اب نہیں کھاتا اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے سے منع کرتا ہوں۔

پچھلے دنوں اداکار محمد قوی خان ٹورانٹو میں تشریف لائے۔ایک لانگ پلے کی ریکارڈنگ

http://www.kitaabghar.com

کے سلسلے میں۔ٹورانٹو میں مقیم ہر مکتبِ فکر کے لوگوں نے ان سے ملاقات کی اور ان کو اپنے پاکستانی ہونے کا ثبوت دیا اور انہیں آئندہ کسی بھی پروڈکشن کے لیے اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ میری بھی ان سے کئی ملاقاتیں ہوئیں مجھے محسوس ہوا کہ محمد قوی خان کی حیثیت ایک یونیورسٹی سے کم نہیں ہے۔ہر ملاقات میں میں نے ان سے کچھ نہ کچھ ضرور سیکھا۔بہت خلیق انسان ہیں اور سب کو ساتھ لے کر چلنے کا جذبہ رکھتے ہیں۔وہ جہاں دیدہ آدمی ہیں سب کی سنتے ہیں لیکن کرتے وہی ہیں جو بہتر سمجھتے ہیں۔میری ان سے تفصیلی ملاقات ہوئی۔میں نے ان سے کہا کہ میں ایک غریب آدمی ہوں۔میرا گھر اس قابل نہیں کہ میں آپ کو وہاں بلاؤں اور کسی ضیافت کا انتظام کر سکوں' مگر ہاں جو کام آپ کیمرے کے آگے دیکھیں گے وہ میں احسن طریقہ سے کرنے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔میں نے ان سے اس بات کا بھی ذکر کیا کہ معروف فنکارہ محترمہ نفیس حسن (آپا)' عظمیٰ بیگ' عابدہ شاہین' فلم اسٹار ممتاز بھی یہاں موجود ہیں جبکہ اداکار محمود اختر کا بھی یہاں قیام رہتا ہے۔معروف فنکارہ نیلمہ حسن تو پہلے سے ہی ان کے ساتھ کام کر رہی ہیں اگر یہ سارے فنکار ایک جگہ جمع ہو جائیں اور کچھ سچے مقامی فنکار بھی شامل کر لیے جائیں تو کوئی اچھی پروڈکشن کی جا سکتی ہے جبکہ پی ٹی وی کے مایہ ناز ڈائریکٹر زوارالدین آفریدی جن کا پروڈیوس کیا ہوا ڈرامہ ''خاندان'' بہت مشہور ہوا۔معروف میوزک ڈائریکٹر سہیل رعنا' پی ٹی وی کے ڈائریکٹر پروڈیوسر ناظم الدین ناظم' اور معروف نیوز کاسٹر زبیر الدین یہاں موجود ہیں ان سب کو ایک پلیٹ فارم پر لانے کی اشد ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ محمد قوی خان اور ان جیسے فنکاروں کو اتنا حوصلہ دے کہ وہ کینیڈا میں رہ کر پاکستان کا نام روشن کریں کیونکہ ہر فنکار اپنے ملک کا سفیر ہوتا ہے۔

......☆......

عیدقرباں

عید قرباں ہے تو اس پر سب ہی قرباں جایئے
مل گیا بکرا جو مطلب کا تو پھر کیا چاہیے

مسلمانوں کے لیے عید الفطر ہو یا عید قرباں بہت اہمیت کی حامل ہیں۔جس طرح رمضان المبارک کے روزوں کے بعد عید الفطر شکرانے کے طور پر مناتے ہیں ٹھیک اسی طرح حج ادا کرنے کے بعد قربانی کا فریضہ ادا کرنا شکرانے سے کم نہیں۔اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایسے کئی خاص مواقع فراہم کیے ہیں کہ جس کو اگر وہ اہمیت دیں تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر سکتے ہیں۔

مسلمان دنیا کے کسی گوشے میں رہتے ہوں کوئی بھی زبان بولتے ہوں لیکن اپنے تہوار ضرور مناتے ہیں کہیں جوش وخروش سے دلوں کی کدورتیں دور ہوتی ہیں اور مسلمان بھائی ایک دوسرے کے قریب آتے ہیں ایسے موقعوں پر تحائف بھی دیتے اور وصول کرتے ہیں۔اس سے محبتیں اور بڑھتی ہیں۔ہمارے پیارے نبیﷺ کا ارشاد ہے کہ تحفے دیا اور لیا کرو اس سے آپس میں محبتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔اپنے وطن میں عید الفطر ہو یا عید قرباں سماں ہی کچھ اور ہوتا ہے۔عید الفطر پر لوگ نماز عید ادا کرنے کے بعد اپنے محلے داروں' رشتہ داروں اور دوستوں کے گھر جا کر یا ان کو اپنے گھر بلا کر عید ملتے ہیں۔بچوں اور غریبوں میں عیدی تقسیم کرتے ہیں۔خاص کر کوئی دوست یا رشتہ دار سے کوئی ناراضگی ہو گئی ہو تو اس موقع پر اس کو ضرور مناتے ہیں۔اسے اپنے گھر بلا کر خاطر تواضع کرتے ہیں۔اس طرح اس کی رنجش دور ہو جاتی ہے۔عید قرباں پر ہر طرف گھروں کے دروازے پر قربانی کے جانور بندھے نظر آتے ہیں اور جیسے ہی عید قرباں کی نماز ادا کی گئی ہر طرف قربانی کے

جانور قربان ہوتے نظر آتے ہیں۔ایک عجیب سا منظر ہوتا ہے۔بچے، بوڑھے جوان سب ہی اس فریضے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔اس لئے کہ وہاں عام تعطیل ہوتی ہے اس دن۔جبکہ نارتھ امریکہ اور دوسرے یورپی ممالک میں ہم کوشش کر باوجود ماحول پیدا نہیں کر پاتے۔سچ بات تو یہ ہے کہ قربانی کرنے کا کوئی معقول انتظام نہیں ہے۔زیادہ تر لوگ گروسری اسٹورز والوں کو پیسے دے دیتے ہیں جو خود فارم پر جا کر اپنی پسند سے بکرا یا گائے خرید کر لوگوں کے دیئے گئے ناموں سے قربانی کر دیتے ہیں۔اس روز شام تک یا پھر اگلے روز لوگ ان کے پاس جا کر اپنے اپنے قربانی کے گوشت لے جاتے ہیں اور اپنے گھر لے جا کر فریزر میں بھر دیتے ہیں۔نہ کوئی حصہ لگا نہ کسی کے گھر گوشت گیا نہ ہی غریبوں تک پہنچا۔بس بوقت ضرورت فریزر سے نکال نکال کر خرچ کرتے رہتے ہیں۔یہ ہوگئی قربانی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی قربانیوں کو قبول کرے۔آمین۔

لوگ آخر کیا کریں ان کے پاس کوئی چوائس بھی تو نہیں ہے۔بعض لوگوں کے پاس تو اتنا وقت بھی نہیں ہوتا کہ وہ گروسری اسٹور تک جا کر قربانی کے پیسے جمع کرا سکیں۔وہ تو اللہ بھلا کرے گروسری اسٹور والوں کا کہ وہ فون پر بھی قربانی کرنے والوں کے نام اور پتے پوچھ کر آرڈر بک کر لیتے ہیں۔اور اگر ان پہ کرم نوازی نہ ہو تو ہم قربانی کرنے سے بھی رہ جائیں۔

اچھا اب قربانی تو گروسری اسٹورز والوں کی مہربانی سے ہوگئی۔اب اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ جانور شرعی اصولوں کے عین مطابق خریدا گیا۔مثلاً جانور کے دانت مناسب تھے، سینگ درست تھے، جسم پر کوئی داغ دھبہ یا کوئی کانٹے کا نشان وغیرہ نہیں تھا۔اب یہ باتیں کون اور کس سے پوچھے کہ یہاں تو سچے عالم کا ملنا بھی ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔

کیا ایک شخص پر سو آدمیوں کے جانور خرید کر قربانی کر دینے کی ذمہ داری ڈال دینی مناسب ہے۔اس سے غلطی بھی ہو سکتی ہے تو پھر اب صحیح نظام کون بنائے گا۔

چلئے بکرے کی قربانی ہوگئی اور گوشت قربانی والے فارم سے گروسری اسٹورز تک منتقل بھی ہو گیا۔اب آپ کا بکرا کون سا تھا نہیں معلوم۔اپنے آرڈر نمبر بتاتے جائیں اور گوشت کا ڈبہ

اٹھاتے جائیں۔چونکہ گوشت ڈبوں میں رکھ دیا گیا ہے۔ایک صاحب نے فرمایا کہ بھئی میں نے تو تم سے کہا تھا کہ بکرے کی ایک ران ثابت رہنے دینا تم نے تو اس کی بھی بوٹی بنا دی۔یہ سن کر دکاندار نے کہا ایک منٹ دیں مجھے وہ دکان کے اندر والے حصے میں گئے۔کسی دوسرے صاحب کے حصے میں پڑی ران اٹھا کر لائے۔ان صاحب کو دے دی اور بوٹی واپس رکھ آئے۔اللہ اللہ خیر سلا۔ایک اور صاحب نے ڈبے میں ہاتھ ڈال کر گوشت الٹ پلٹ کرنے کے بعد کہا ارے بھائی میرے حصے میں تو بکرے کا بھیجہ ہی نہیں ہے۔دوسرے صاحب جو بالکل ان کے ساتھ کھڑے تھے کہنے لگے کہ بھائی ہو سکتا ہے اس بکرے کا بھیجہ ہی نہ ہو۔یہ کیسے ممکن ہے پہلے والے صاحب نے فرمایا۔اس پر دوسرے صاحب بولے کہ آپ خود غور کریں کہ اگر بکرے کے سر میں بھیجہ ہوتا تو وہ اتنی آسانی سے قربانی کے لیے کیسے تیار ہو جاتا۔اس قربانی سے بچنے کے لیے ترکیبیں نہ لڑاتا۔

میں وہاں کھڑا یہ سوچ رہا تھا کہ قربانی کے جانور سے متعلق اس قسم کی باتیں کرنا غیر مناسب نہیں۔لیکن ان لوگوں کو کون سمجھائے۔یہ تو آ بیل مجھے مار والی بات ہوگی۔دوسرے ہی لمحے میں اس کشمکش میں مبتلا ہو گیا کہ کس نے کون سا بکرا قربانی کیا نہیں معلوم کس نے حصے لگائے، نہیں معلوم کون سا حصہ رشتہ داروں کو جائے گا، نہیں معلوم کون سا ضرورت مندوں کو خیرات کیا جائے گا نہیں معلوم اور کون سا حصہ اپنے گھر لایا گیا، نہیں معلوم۔

ابھی میں اسی سوچ میں تھا کہ گروسری اسٹور کے بند ہونے کا وقت ہو گیا۔ایک صاحب بھاگتے ہوئے پہنچے اور کہنے لگے کہ بھائی وہ میرا بکرا 35 نمبر والا تھا اگر اس کا گوشت تیار ہو گیا ہے تو مجھے دے دیں۔یہ سن کر گروسری اسٹور کے مالک نے کہا کہ آپ کا 35 نمبر والا بکرا آج نہیں اس کا نمبر کل ہے۔کل شام تک مل جائے گا۔یہ سن کر وہ صاحب بولے کہ بھائی میرے گھر مہمان دوسرے شہر سے آئے ہوئے ہیں رات ان لوگوں کا قیام ہے، میرے گھر۔گوشت تو ہر صورت چاہیئے۔اس بات پر گروسری اسٹور کے مالک نے اندر جا کر بکرا نمبر 12 جن صاحب کا بھی تھا وہ لینے نہیں آئے تھے ان کو دے دیا۔یہ کہہ کر کہ آپ کا 35 نمبر والا بکرا 12 نمبر والے صاحب کو کل دے دیں گے۔اللہ کی پناہ۔کس کا بکرا کس کے سر۔مجھ سے نہ رہا گیا۔گروسری اسٹور کے مالک

سے پوچھ بیٹھا کہ بھائی یہ کس طرح کرتے ہیں آپ لوگ۔ کہنے لگے ارے بھائی قربانی تو نیت سے ہوتی ہے۔ گوشت اِس بکرے کا نہ کھایا اُس بکرے کا کھالیا' کیا فرق پڑتا ہے۔

قربانی کے جانوروں کی کھال تک کے بارے میں حکم ہے کہ اس کو بیچ کر پیسے غریبوں کو دے دیئے جائیں۔ یہاں تک کہ قربانی کے جانوروں' گائے' اونٹ کے گلے میں کوئی گھنٹی لٹکی ہو تو اس پر بھی تمام حصہ داروں کا حق ہوتا ہے۔ کوئی ایک شخص لے لے تو تمام شراکت داروں کی اجازت ضروری ہے تاکہ کسی کو کوئی اعتراض نہ ہو۔

اچھا صاحب قربانی ہوگئی نہ کسی کے یہاں سے کوئی گوشت کا حصہ آیا نہ کسی کے گھر قربانی کا گوشت بھیجا گیا۔ سب کا سب گوشت اپنے استعمال میں لانا کیا اس بات کی ہمارے مذہب میں اجازت ہے۔ مشکل یہ ہے نا کہ یہ بات پوچھی جائے تو کس سے......؟

آپ نے سنا ہوگا کہ بکرے کی جان بھی گئی کھانے والوں کو مزہ بھی نہ آیا۔ اس طرح قربانی تو ہوئی لیکن قربانی کا مزہ جو اپنے وطن میں تھا وہ یہاں کہاں ۔ وہ تو بس اب خواب ہی ہو گیا۔ میرے ایک دوست ہیں یہاں کہتے ہیں کہ بھئی ہم تو قربانی والے دن تمام دوستوں اور رشتہ داروں کو بلا کر قربانی کا گوشت کھلا دیتے ہیں۔ نہ بانٹنے کا چکر نہ کسی کے گھر سے آنے کی امید۔ قربانی ہوگئی اللہ تعالیٰ کے دربار میں قبول بھی شاید ہو جائے چونکہ ہماری ساری کارکردگی کا انحصار ہماری نیتوں پر ہوتا ہے۔ جس طرح آپ اگر اپنے گھر سے حج کرنے کے ارادے سے نکلیں اور راستے میں خدانخواستہ کوئی حادثہ پیش آ جائے اور آپ حج پر نہ جا سکیں تب بھی اللہ تعالیٰ آپ کی نیت پر آپ کا حج قبول کر لیتا ہے۔ یہ ہے شانِ خداوندی۔ سبحان اللہ۔

بزرگوں نے کہا ہے کہ جب قیامت کے دن قریب ہوں گے' جاہلوں کے ہاتھ میں قیادت ہوگی اور عالم منہ چھپائے پھریں گے۔ آج آپ ہر طرف نظر دوڑائیے حقیقی عالم ڈھونڈ لیجئے آپ خوش نصیب ہوں گے تو وہ آپ کو مل جائیں گے اور یہی کہتے ہوئے ملیں گے کہ خدارا مجھے کوئی اور نام دو مجھے عالم نہ کہو۔

آخر میں تمام بزرگوں' مسجد کے اماموں اور تمام مدارس میں تعلیم دینے والے استادوں سے

التماس کروں گا کہ آپ آگے آئیں اور کیا صحیح ہے کیا غلط ہے لوگوں کو بتائیں۔ آپ کا کام بچوں کو دینی تعلیم دینے کے بعد ختم نہیں ہو جاتا بلکہ معاشرے میں جو دینی مسائل ہیں ان پر بھی آپ کی کڑی نظر رہنی چاہیے اور اسی میں ہم سب کی بقا ہے۔ مزید یہ کہ قربانی کے جانوروں کی خریداری میں کن کن باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے ان پر بھی روشنی ڈالیں اور اس فریضہ کو ادا کرنے کے لیے ہم پر کیا کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں سمجھائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی قربانیوں کو قبول فرمائے۔ اور ہمیں نیک ہدایت دے۔ آمین۔

......☆......

جو آ گیا تھا اس پہ دِل
تو جا کے ہم گئے تھے مِل

بھلے ہم دونوں جائیں پِل
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

جو ہم نے دی اسے قسم
کہ رکھ لے تو میرا بھرم

بگڑ گیا میرا صنم
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

اسی کا انتظار ہے
کہ جس سے مجھ کو پیار ہے

ملا تو بیڑا پار ہے
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

جو تم چلے گئے وہاں
تو کیا کروں گا میں یہاں

میں چھوڑ دوں گا یہ جہاں
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

ہوشیار خبردار

چکنی چپڑی باتوں میں ہرگز نہ آنا شیخ جی
جس کو چاہے دل تمہارا ووٹ دینا شیخ جی

صاحب قدرت نے جس طرح ہمیں کئی موسم دیے ہیں مثلاً گرمی کا موسم، سردی کا موسم، برسات کا موسم، بہار کا موسم، خزاں کا موسم، اسی طرح ایک موسم ہمیں اور بھی ملا ہے اور وہ ہے الیکشن کا موسم۔ آج کل لوگ ہر طرف الیکشن کی ہی باتیں کر رہے ہیں الیکشن کچھ ہو چکے ہیں اور کچھ ہونے والے ہیں۔ یہاں پر اس امر کا ذکر کر دینا میں اپنی ذمہ داری سمجھتا ہوں کہ آپ کا ووٹ ایک مقدس امانت ہے اس میں خیانت نہ کیجئے۔ ووٹ سوچ سمجھ کر مناسب امیدوار کو دیجئے۔ یاد رکھیے کہ آج آپ کا کیا ہوا صحیح فیصلہ کل آپ کا اور آپ کے بچوں کا مستقبل تابناک بنا دے گا۔ لیکن اس کے برعکس اگر آپ نے غلط امیدوار کو اپنا قیمتی ووٹ دے کر کامیاب بنا دیا تو یاد رکھیے کہ آنے والی نسل آپ کو کبھی معاف نہیں کرے گی۔ قیامت کے دن آپ سے اتنا ہی پوچھا جائے گا جتنا کہ آپ جواب دہ ہیں۔ آپ سے یہ کبھی نہیں پوچھا جائے گا کہ آپ کے دادا نے آپ کے والد نے شادی کے موقع پر اپنے روٹھے ہوئے ماموں کو کیوں نہیں منایا تھا۔ یا پھر آپ کے ملک کے وزیر اعظم نے کشمیر کا مسئلہ کیوں نہیں حل کیا وغیرہ وغیرہ۔ ہر ایک کو اپنا اپنا جواب دینا ہے، دوسرے کا نہیں۔

ہمارے ملکوں میں شفاف الیکشن کا تصور ہی نہیں ہے۔ جب بھی الیکشنز ہوئے غلط لوگ ہی سامنے آئے۔ اس کا انجام آپ کے سامنے ہے لیکن اس ملک (کینیڈا) کو تو اس طرح کے لوگ بخش

دیں جہاں ہم سب لوگوں نے اس ماحول سے نجات حاصل کر رکھی ہے۔ دیکھنے اور سننے میں آ رہا ہے کہ غلط اور نامناسب لوگ یہاں بھی الیکشن لڑنے کھڑے ہو گئے ہیں جن کا ماضی بہت گھناؤنا اور داغ دار ہے۔ لوگوں کو چاہیے کہ ایسے شخص کو کثرت سے مسترد کر دیں تا کہ ہماری اسمبلیاں ناپاک ہونے سے بچ جائیں۔ اس طرح ایک صاف اور شفاف معاشرہ پروان چڑھے اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب سب لوگ اجتماعی طور پر غور و فکر کریں کہ کیا ہونا چاہیے اور کیا ہونا نہیں چاہیے۔ تو آیئے ہم سب مل کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں منافق، دوسروں کو نیچا دکھانے والے، انسان کو انسان نہ سمجھنے والے اور گھمنڈی لوگوں سے دور رکھے۔ آمین۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی ضرور سنے گا چونکہ وہ تو رب العالمین ہے یعنی سارے جہاں کا وہ نہ صرف انسانوں کی بلکہ چرند، پرند اور درند کی بھی سنتا ہے۔

ایک صاحب کے پاس ایک طوطی تھی جس سے وہ بڑے پریشان رہتے تھے چونکہ اس کی عادت بڑی گندی تھی جب بھی کوئی مہمان ان کے گھر آتا تو وہ بولنا شروع کر دیتی "تم کب جاؤ گے"، "جاؤ جلدی جاؤ" وغیرہ وغیرہ۔ غرضیکہ مہمان اس طوطی کی وجہ سے اپنا قیام مختصر کر دیتا تھا۔ ایک دن یہ صاحب اپنے کسی دوست کے گھر گئے تو تھوڑی دیر بعد ان کی نظر اس پنجرے پر پڑی جس میں دو طوطے موجود تھے۔ ایک سجدے میں تھا اور دوسرا تسبیح پڑھ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر ان صاحب نے اپنے دوست سے کہا کہ یار اگر تم اجازت دو تو میں اپنی طوطی کو اس پنجرے میں چند روز کے لیے ڈال دوں تا کہ وہ ان طوطوں سے کچھ اچھی عادتیں سیکھ جائے۔ ان صاحب نے اجازت دے دی۔ جب وہ صاحب اپنی طوطی کو لے کر آئے اور اس پنجرے میں ڈالنے لگے تو جو طوطا تسبیح پڑھ رہا تھا۔ سجدے میں گرے طوطے سے کہنے لگا "ارے یار اٹھ جا ہماری دعا قبول ہو گئی" (طوطی آ گئی)۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے میرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

کچھ لوگوں کی طبیعت ہی کچھ ایسی ہوتی ہے کہ وہ خود کو فائدہ پہنچانے سے زیادہ دوسروں کو نقصان پہنچانے کی تگ و دو میں لگے رہتے ہیں۔ لیکن اللہ جس کو رکھے اسے کون چکھے۔ ہمارے

http://www.kitaabghar.com

ملکوں میں یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی گاؤں یا گھرانے سے کوئی بندہ پولیس میں چلا گیا یا الیکشن جیت کر کوئی منسٹر بن گیا یا کونسلر بھی بن گیا تو اس گاؤں کا کوئی بھی بندہ دوسرے گاؤں جا کر تڑی لگا کر آ جاتا ہے کہ میں تمہارے پورے خاندان کو بند کرا دوں گا۔ معمولی، معمولی باتوں پر بھی۔ جیسے ایک اسکول کے بچے کرکٹ میچ کھیلنے دوسرے گاؤں گئے۔ میچ ہار گئے تو دوسری ٹیم پر الزام لگایا کہ ہمارے ساتھ بے ایمانی ہوئی ہے تم لوگوں کو اس کا مزہ چکھاؤں گا۔ اگر جیت جاتے تو جیت گئے اور چونکہ ہار گئے تو یہ ہو گئی بے ایمانی۔

"یہ لوگ بھی کیا لوگ ہیں"

ہمارے ملک کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ ایک صاحب جو نوٹ خرچ کر کے ووٹ خریدتے رہے اس طرح الیکشن جیت گئے۔ جب رکن صوبائی اسمبلی بنے تو ان کو اپنا مکان چھوٹا لگنے لگا۔ دوسرے ہی دن اپنے پڑوسی کو کھانے پر بلایا اور اس سے باتوں ہی باتوں میں پوچھا کہ تمہارے مکان کا کتنا پیسہ مل سکتا ہے۔ پڑوسی نے جواب میں کہا کہ معلوم اسے ہوتا ہے جو بیچنا چاہے گا۔ یہ سن کر موصوف کو غصہ آیا کہنے لگے کہ تمہارا مکان بک چکا ہے اور میں نے خرید لیا ہے اب پیسے بتاؤ اور اپنا سامان اٹھاؤ اور نو دو گیارہ ہو جاؤ۔ یہ سن کر پڑوسی پریشان ہو گیا۔ ادھر ادھر پرانے لوگوں سے رابطہ کیا۔ کوئی فائدہ نہ ہوا اور وہ شخص اس نئے رکن صوبائی اسمبلی سے خائف رہنے لگا اور دس دن کے اندر اندر وہ مکان چھوڑ گیا۔ اس واقعہ کے بعد وہ رکن صوبائی اسمبلی اتنے مضبوط آدمی بن کر سامنے ابھرے کہ جیسے جو آج وہ کہہ دیتے دوسرے دن کا سورج اس حکم کی تعمیل کے ساتھ نمودار ہوتا اور وہ دل ہی دل میں بڑا خوش ہوتا۔ موصوف ایک سرکاری کام سے دوسرے شہر گئے تو انہیں ایک خاتون پسند آ گئیں۔ فوراً ان کے گھر والوں کو پیغام بھجوایا ساتھ ہی تڑی بھی لگوا دی کہ اگر شرافت سے لڑکی کا ہاتھ ہمیں دے دیتے ہو تو سمجھو کہ بات آئی گئی ختم ہو گئی لیکن اگر تم لوگ شرافت سے نہیں مانتے تو پھر ہمارا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہم زبردستی کرتے ہیں۔ اور یہی کچھ کر کے ہم آگے بڑھ رہے ہیں۔ لوگ مجبور ہو گئے اور انہوں نے وہاں شادی کر لی۔ واپس اپنے شہر چلے گئے۔ اس طرح کی حرکت انہوں نے صرف ایک بار نہیں بار بار کی۔ دل ہی دل میں خوش ہوتے رہے اور

فرعونیت ان کی بڑھتی گئی۔ان کے منہ پر تو سب خاموش رہتے تھے لیکن پیٹھ پیچھے سب ہی ان کی برائی کرتے۔

ایک دن موصوف صبح سو کر اٹھے تو ان کو اپنی بیگم بری لگنے لگیں۔شام تک ان کو فارغ کر دیا۔ وہ بے چاری اپنے چار جوڑے لے کر ماں کے گھر سدھاری۔دوسری عورت ان کے گھر آ گئی۔ اب ہر حکم موصوف کا پتھر کی لکیر سمجھا جانے لگا۔لیکن شائد وہ صاحب بھول گئے کہ اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے۔مظلوموں کی آہ کہاں جائیں گی۔کہتے ہیں نا کہ ؎

آہ جاتی ہے فلک پر رحم لانے کے لیے
بادلوں ہٹ جاؤ دے دو راہ جانے کے لیے

خدا کا کرنا کیا ہوا کہ موصوف اپنی فیملی کے ساتھ ایک شہر سے دوسرے شہر جا رہے تھے کہ ان کی گاڑی ایک بڑے ٹریلر سے ٹکرائی جس سے گاڑی کے ساتھ ساتھ موصوف سمیت دوسرے لوگ بھی شدید زخمی ہوئے۔اسپتال پہنچتے پہنچتے سب کے سب مالک حقیقی سے جا ملے۔

دیکھا آپ نے برے کام کا برا انجام۔اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے۔انسان سمجھتا نہیں ہے۔

......☆......

خوشامد سے خدا راضی

گر خوشامد سے خدا راضی کیا تو کیا کیا
ہم نے تو راضی خدا کو جا کے سجدے میں کیا

یہ بات سب ہی جانتے ہیں کہ خوشامد سے خدا راضی کیا جا سکتا ہے لیکن آج کے اس دور میں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ لوگوں نے انسان میں خدا تلاش کر لیا ہے (نعوذ باللہ) اور ان کو راضی کرنے کی جستجو میں لگے رہتے ہیں جس سے کچھ حاصل نہیں۔لوگ اپنے وطن سے دور ضرور چلے آئے ہیں لیکن خصلت پرانی ابھی تک گئی نہیں ہے۔ہمارے ملکوں میں افسر شاہی بہت عام ہے۔لیکن کینیڈا جیسے ملکوں میں اس کا تصور بھی نہیں تھا لیکن ان خوشامدیوں نے نیک صفت افسروں کو بھی خوشامد کر کے اس کا عادی بنا دیا ہے۔

ایک دفتر کا Boss اپنے دس ماتحت کو روزانہ پرانے گھسے پٹے لطیفے سناتا تھا جس پر دس ماتحت زوردار قہقہے لگاتے تھے۔ایک دن جب Boss نے حسب عادت کوئی پرانا لطیفہ سنایا تو دس میں سے نو ماتحت نے زوردار قہقہہ لگایا لیکن ایک ماتحت خاموش بیٹھا ان نو ماتحتوں کو قہقہہ لگاتا دیکھ رہا تھا تو اس پر کسی ایک ماتحت نے اس کی توجہ جب Boss کے لطیفے کی طرف دلائی تو وہ دسواں ماتحت بولا: "I don't need to laugh" تو دوسرے ماتحت نے پوچھا کہ آخر کیوں۔تو اس پر اس نے جواب دیا: "Because I have resigned this morning"

ایک اور دفتر میں لوگ Boss کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے۔کہتے ہیں نا کہ:

If a donkey is sitting on Boss Chair, you respect the Chair

not the Boss.

جب Boss کوئی غلط بات بھی کہتا تو لوگ خاموش رہتے تھے۔ ایک دن اس Boss نے پوچھا کہ تم لوگ میری ہاں میں ہاں ملاتے ہو، منہ کھول کر کہتے کیوں نہیں کہ میں جو بات کہتا ہوں درست کہتا ہوں۔ یہ سن کر ایک ملازم سے نہ رہا گیا بول پڑا کہ صاحب ۹ بجے سے ۵ بجے تک ہم آپ کے ملازم ہیں اور آپ ہمارے Boss۔ اگر آپ کو حق بات سننا ہے تو یہ بات ۵ بجے کے بعد کیجئے گا میں آپ کو بتاؤں گا کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں کتنا درست ہوتا ہے۔ کیوں کہ ۵ بجے کے بعد نہ تو میں آپ کا ملازم ہوں گا اور نہ آپ ہمارے Boss۔

پرانے زمانے کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک بادشاہ نے اپنے خوشامدیوں کو بلا کر کہا کہ میں سوچ رہا ہوں کہ اس بار جب گرمیوں کا موسم آئے تو میں اپنے سر کے بال اتروا دوں۔ اب یہ سوچتا ہوں کہ میں سر کے بال اتروا کر کیسا لگوں گا تو پھر ارادہ بدل دیتا ہوں۔ ایک گھنٹے کے بعد ایک خوشامدی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے سر سے ٹوپی ہٹاتے ہوئے کہا کہ ”آپ ایسے لگیں گے“۔ واہ رے خوشامدی' اس نے تو حد کر دی اپنے سر کے بال اتروا آیا۔

ایک Boss نے نئی گاڑی خریدی تو اس کا ذکر اپنے ملازمین سے کیا۔ ان میں جو خوشامدی تھا اس نے گاڑی کی اچھائیاں گنوانے میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیے۔ Boss اپنے اس فیصلہ پر بہت خوش ہوا۔ کچھ دنوں بعد اس Boss نے وہ گاڑی فروخت کر دی لیکن اس خوشامدی کے علم میں یہ بات نہیں آئی تھی۔ جب اس گاڑی کا ذکر نکلا تو وہ خوشامدی حسب عادت اس گاڑی کی اچھائیاں گنوانے لگا تو Boss نے اسے بتایا کہ میں نے وہ گاڑی بیچ دی ہے۔ اس پر اس خوشامدی نے اس گاڑی کی برائیاں گنوانی شروع کر دیں تو ساتھ کام کرنے والے ایک دوسرے ملازم نے اس خوشامدی سے پوچھا کہ تمہاری پہلے والی بات صحیح تھی یا وہ جو تم آج کہہ رہے ہو۔ خوشامدی کہنے لگا نہ میری پہلے والی بات صحیح تھی نہ آج والی۔ میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ Boss نے جو فیصلہ کیا درست کیا۔

ایک جگہ کرکٹ میچ کے دوران لوگوں کو چند دلچسپ مناظر دیکھنے کو ملے۔ واقعہ کچھ یوں ہے

کہ اس میچ کو دیکھنے ایک سرکاری افسر بھی آئے تو وہاں موجود چند خوشامدی حرکت میں آ گئے۔ اب ان کا دل میچ دیکھنے سے زیادہ اس افسر کی خوشنودی حاصل کرنے میں لگنے لگا۔ میچ کے دوران جب اس افسر نے سگریٹ پینا چاہا تو وہ خوشامدی ان کے دائیں بائیں جانب یاجوج اور ماجوج کی طرح ساتھ ساتھ باہر گئے اور اس وقت تک ان کے ساتھ کھڑے رہے جب تک کہ وہ سگریٹ نوشی سے فارغ نہ ہوئے۔ پھر ساتھ ساتھ لے کر ان کو ان کی نشست تک پہنچایا۔ اور پھر جب جب وہ افسر سگریٹ نوشی کے لیے باہر تشریف لے جاتے یہ دونوں خوشامدی ان کے ساتھ ساتھ باہر جاتے اور پھر اپنے ساتھ ان کو واپس ان کی نشست تک پہنچاتے۔ یہ سلسلہ میچ کے ختم ہونے تک جاری رہا۔ کچھ دیر بعد اس سرکاری افسر کو واش روم جانا پڑا تو پھر دونوں خوشامدی ان کو لے کر واش روم تک گئے اور باہر اس وقت تک کھڑے رہے جب تک وہ سرکاری افسر باہر نہ آ گئے۔ پھر وہ انہیں لے کر واپس ان کی نشست تک آئے۔ دیکھنے والوں نے جب یہ دلچسپ منظر دیکھا تو کہنے لگے کہ ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے ہمارے ملکوں میں شادی کے موقع پر دولہا کو یہ پروٹوکول دیا جاتا ہے۔ لوگوں نے اس بات کو اس وقت زیادہ محسوس کیا کہ جب ریفریشمنٹ کے دوران سرکاری افسر کو عام لوگوں کے ساتھ گھل مل کر کھانے پینے سے روک دیا گیا اور ان کے لیے خصوصی میز لگائی گئی اور یہ خوشامدی ان کے ہمراہ کھڑے رہے تا کہ عام آدمی اس میز تک نہ پہنچ پائے۔

کینیڈا جیسے ملکوں میں افسر شاہی نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ اپ کسی دفتر میں چلے جائیں وہاں کا مالک اور عملہ ایک ہی کافی میکر سے پیپر گلاس میں کافی پیتے ہیں۔ ان ملکوں نے یوں ہی ترقی نہیں کی اس کے اسباب بھی ہوں گے۔ کاش یہ خوشامدی سمجھ سکتے۔

ہمارے ملک کے دفتروں میں افسروں اور ماتحتوں کے لیے واش روم تک الگ الگ ہوتے ہیں۔ بزنس بلڈنگ میں چلے جائیں Elevator کے اوپر لکھا ہوتا ہے "Excutives Only"۔ یہاں تو یہ سب کچھ دیکھنے کو نہیں ملتا ہے لیکن لگتا یہ ہے کہ ان جیسی خصلت والے لوگوں نے یہ کام بھی یہاں انجام دینا ہے۔ یہ خوشامدی افسروں کو خود خراب کرتے ہیں۔ دراصل جو انہوں نے اپنے بزرگوں کو کرتے دیکھا ہے وہی کریں گے نا......!

آخر میں سرکاری افسر کے لیے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان خوشامدیوں سے بچائے۔ آمین۔اور ان خوشامدیوں کو چاہیے کہ اگر خوشامد کرنا ہی ہے تو اللہ رب العزت کی کریں تا کہ فلاح پائیں۔آمین۔

......☆......

وہ پاس میرے آ گئی
ذہن پہ میرے چھا گئی

یوں دل میں بھی سما گئی
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

کھسیانی بلّی کھمبا نوچے

ہے پتہ کھسیا کے بلّی نوچتی کھمبا ہے کیوں
گر کے خود اپنی نظر میں بوکھلا جاتی ہے یوں

ہمارے ہاں بلی پر بہت سے محاورے مشہور ہیں۔مثلاً ’’ہماری بلی ہم ہی کو میاؤں‘‘۔ ’’نوسو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی‘‘۔’’کالی بلی راستہ کاٹ گئی‘‘۔’’بلی شیر کی خالہ‘‘۔’’اونٹ کے گلے میں بلی‘‘۔’’بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے‘‘اور’’بلی کو چھیچھڑوں کے خواب‘‘وغیرہ وغیرہ۔

اکثر لوگوں کو کہتے سنا ہوگا چوہے بلی کا کھیل مت کھیلو۔یہ حقیقت ہے کہ جب بھی بلی کو کوئی چوہا نظر آتا ہے اسے دبوچنے کی خاطر وہ اس کا پیچھا ضرور کرتی ہے خواہ اس سے کامیابی ہو یا ناکامی۔ایک دفعہ بلی نے جب ایک چوہے کا پیچھا کیا تو کافی دیر دوڑ بھاگ کے بعد چوہا ایک بل کے اندر گھسنے میں کامیاب تو ہو گیا لیکن اس کی دم بلی کے منہ میں رہ گئی۔اب چوہا بل کے اندر اور بلی بل کے باہر۔بلی نے چوہے کو چالاکی سے کہا کہ ارے بھائی چوہے چلو ہم تمہیں نہیں کھاتے تم باہر تو آؤ تمہاری یہ دم واپس جوڑ دیتے ہیں کہ لوگ کیا کہیں گے کہ چوہا وہ بھی لنڈورا۔چوہا اندر سے کہنے لگا’’بھئی بلی میں کبھی باہر نہیں آؤں گا۔چوہا لنڈورا ہی بھلا‘‘۔یہ سن کر بلی کھسیائے گی نہیں تو اور کیا کرے گی۔

میرا ایک بہت ہی اچھا دوست ہے اس کا کام ہی ہے دوسروں کے’’ویک پوائنٹس‘‘جمع کرنا اور پھر اس کو اس کے خلاف استعمال کرنا۔میں نے اسے کئی بار سمجھایا لیکن وہ اپنی عادت سے مجبور ہے‘ مانتا ہی نہیں۔ایک بار تو میں نے اسے اللہ کا وسطہ دے کر کہا کہ بھائی تمہیں لوگوں کو لڑانے میں کیا ملتا ہے‘ بددعائیں‘ نفرتیں......تم یہ کام چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔لیکن وہ حسب عادت مسکراتا ہے

اور میری بات ٹال جاتا ہے۔اس کا محبوب مشغلہ یہ ہے کہ جن گھروں میں اس کا آنا جانا ہے وہاں میاں بیوی کو لڑانا۔جس محلے میں رہتا ہے مالک مکان اور کرایہ داروں کو لڑانا۔کسی کے گھر اگر کسی کے رشتے کی بات چل رہی ہے تو دونوں فریقوں کو ایک دوسرے کے بارے میں غیر ضروری باتیں بتا کر رشتہ تڑوانا۔دو سگے بھائی اگر کسی وجہ سے لڑ پڑے ہیں تو ان کے درمیان سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑے ہو جانا۔وغیرہ وغیرہ۔

ایک صاحب کسی کے گھر گیا کہنے لگا ارے بھابی آپ گھر پر ہیں۔بھائی صاحب کو تو میں نے ابھی کسی خاتون کے ساتھ گاڑی میں جاتے ہوئے دیکھا ہے۔اب بے چاری گھریلو خاتون پریشان ہو گئیں۔تو کہنے لگا آپ گھبرائیں نہیں یہ مرد ہوتے ہی ایسے ہیں' آپ ذرا ان پر نظر رکھیں۔یہ کہہ کر وہ وہاں سے نکل گیا۔اب جب وہ صاحب گھر آئے تو گھر کا ماحول ہی بدلا ہوا تھا۔شوہر بولے بیگم ذرا جلدی سے ایک پیالی چلائے تو پلادو آج بہت تھک گیا ہوں۔بیگم جلی بھنی تو پہلے سے ہی تھیں کہنے لگی کیوں اس کل موئی نے چائے نہیں پلائی' صرف باتیں کیں گاڑی میں بیٹھ کر۔شوہر بولے کون سی کل موئی اور کون سی گاڑی میں بیٹھ کر۔بیگم بولیں انجان مت بنو' تم شاید سمجھتے ہو کہ گھر میں رہتی ہوں تو مجھے باہر کی کچھ خبر نہیں۔کیا سمجھتے ہو تم اپنے آپ کو۔گویا کہ میرا دوست کام پکا کر گیا۔

میرا ایک دوست ایک دن اپنے باس سے کہنے لگے جو لوگ آپ کے ماتحت کام کرتے وہ آپ کی عزت نہیں کرتے۔ابھی پچھلے ہفتے سارے لوگ پکنک پر گئے تھے' وہاں سب آپ کی برائی کر رہے تھے۔کوئی کہہ رہا تھا کہ آپ بہت مغرور آدمی ہیں کوئی کہہ رہا تھا کہ آپ بہت کنجوس آدمی ہیں' کوئی کہہ رہا تھا کہ آپ بہت ظالم آدمی ہیں اور ایک نے تو یہ کہہ دیا کہ آپ اپنی بیگم سے بہت ڈرتے ہیں۔ظاہر ہے یہ بات تو اسی نے کی ہوگی نا جو آپ کے گھر آتا جاتا ہے۔باس کی نظر میں ایک ماتحت کی شکل گھومی۔گویا کہ یہاں بھی میرا یہ دوست کام کر ہی گیا۔

ایک مالک مکان کے گھر جا کر میرا یہ دوست کہنے لگا کہ ارے بھائی آج کل ہر جگہ کرایہ میں اضافہ ہو گیا ہے' تم نے اپنے کرایہ داروں کو کرایہ بڑھانے کو کہا کہ نہیں۔انہیں نوٹس دے دو کہ اگر اگلے ماہ کرایہ بڑھا کر نہیں دیا تو سمجھ لو کہ گھر خالی کرنا ہے۔ہم کسی اور کو اضافی کرائے پر مکان دے

دیں گے۔ادھر کرایہ داروں کو جا کر سمجھا آیا کہ خبردار جو تم لوگ اپنے مالک کی باتوں میں آئے۔اگر زیادہ گڑ بڑ کی تو رینٹ کنٹرول بورڈ کو درخواست دے دینا۔میرا واقف کار محکمے میں کام کرتا ہے۔''اسٹے آرڈر'' نکلوادوں گا۔گویا دونوں جگہ میرا یہ دوست کام کر گیا۔

اب میرا یہ دوست اس گھر میں گیا جہاں دو خاندان ایک دوسرے کے قریب آنے کی تگ و دو میں مصروف تھے۔پہلے لڑکے والوں کے گھر گیا۔پوچھا جس جگہ رشتہ آپ لوگوں نے کیا ہے لڑکی کے بارے میں معلومات کر لی ہیں۔ان لوگوں نے کہا کہ ہاں ہاں سب ٹھیک ٹھاک ہے' اچھے لوگ ہیں۔یہ سن کر میرا یہ دوست کہنے لگا کہ سب ٹھیک ٹھاک ہی تو نہیں ہے۔میری انفارمیشن کے مطابق لڑکی کی بات کہیں اور پکی ہو چکی تھی وہاں سے جواب مل گیا ہے تبھی تو آپ لوگوں کو ہاں کر دی۔میری مانیے تو انکوائری کرا لیں۔زندگی بھر کا سودا ہے دو چار دن کی بات نہیں۔ادھر لڑکی والوں کے گھر جا کر پوچھا ارے بھئی لڑکے کے بارے میں پتہ کروالیا ہے۔سنا ہے کہ یونیورسٹی میں موصوف بڑے دل پھینک مشہور ہیں۔گویا کہ لڑکی والوں کو بھی پریشان کر دیا جا کر۔

میرا یہ دوست پہنچا اب ایک بڑے بھائی کے گھر جن کے اپنے چھوٹے بھائی سے تعلقات خراب تھے۔کہنے لگا کہ کیا زمانہ آ گیا ہے کہ چھوٹے بڑوں کی عزت نہیں کرتے۔بڑا بھائی باپ کے برابر ہوتا ہے تم نے اپنے چھوٹے بھائی کی ہر ضرورت کا خیال رکھا۔اس کو پڑھایا لکھایا اور اس قابل کیا اور اب جب وہ اس قابل ہو گیا کہ تمہارا خیال رکھتا تو تم پر ہی اپنا داؤ آزمایا اور تمہیں نیچا دکھانے کی کوشش کی۔جس پر بڑے بھائی رو پڑے اور یہ شعر پڑھا۔

پلا کے خونِ جگر جن کو ہوشیار کیا
جنہیں زمانے میں ہم نے ہی باوقار کیا
وہ ہوش میں آئے تو ہوش میں نہ رہے
ہمیں نے داؤ سکھایا ہمیں پہ وار کیا

وہاں سے نکل کر میرا یہ دوست اب چھوٹے بھائی کے گھر گیا۔وہاں جا کر کہنے لگا کہ کیا زمانہ آ گیا ہے کہ جب بڑے بڑے کی طرح نہیں رہیں گے تو چھوٹا چھوٹے کی طرح کیسے رہے گا۔

بڑے کو اگر اپنی عزت کروانی ہے تو چھوٹے سے شفقت سے پیش آنا ہوگا۔ ورنہ چھوٹا کیا روٹی نہیں کھاتا' بڑے کو خود لحاظ کرنا چاہیے۔ کہتے ہیں کہ اگر بیٹے کے پیر میں باپ کا جوتا اگر چھوٹا ہونے لگے تو باپ کو بھی اپنے بیٹے سے لحاظ کرنا چاہیے۔ میں پوچھتا ہوں کہ اگر بیٹے کے پیر میں باپ کا جوتا سرے سے آئے ہی نا تو پھر باپ کیا کرے۔ یہ جوتا نہ ہوا تعلقات کا پیمانہ ہو گیا۔

میرے اس دوست کی ذہنیت سے مطابقت رکھنے والے کئی افراد آپ کو اپنی ہی کمیونٹی میں ملیں گے جنہوں نے اس ملک میں آ کر بھی اپنی ذہنیت تبدیل نہیں کی اور ایک دوسرے کو لڑانے اور ان کے درمیان خلیج پیدا کرنے کی کوشش میں شب و روز مصروف ہیں۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے اطراف پھیلے ہوئے ماحول پر کڑی نظر رکھیں۔ آپس کی دُوری کو قربت میں بدل دیں۔ یہ اسی وقت ممکن ہوگا کہ جب میاں بیوی ایک دوسرے سے کوئی بات نہ چھپائیں اور ایک دوسرے کی عزت کریں۔ باس اور ماتحت ہر معاملے پر تبادلہ خیال کریں۔ دُوری کو کم کریں۔ مالک مکان اور کرایہ دار اپنے معاملات کو آپس میں بیٹھ کر سلجھایا کریں اور ہر مہینے کم از کم ایک بار ضرور ملیں۔ اسی طرح جب لوگ آپس میں رشتہ داریاں قائم کرنے جائیں تو دونوں فریق آپس میں یہ بات کر لیں کہ دوست دشمن ہمارے بھی ہیں اور آپ کے بھی ہوں گے' اس لیے کسی ایرے غیرے کی باتوں پر کان نہ دھریں اور اپنے کام پر توجہ دیں۔ بھائیوں کے درمیان اگر کبھی نظریاتی اختلاف ہو بھی گئے ہوں تو انہیں چاہیے کہ مل بیٹھ کر اسے طے کر لیں کیونکہ یہ ایک والدین کی اولاد ہیں' ایک خون ہے۔ کب تلک ایک دوسرے سے دور رہ سکیں گے۔

جب لوگ ایک دوسرے سے اتنے قریب ہوں گے کہ پل پل کی خبر آپس میں ایک دوسرے سے شیئر کر رہے ہوں گے تو کیا مجال کہ پست ذہنیت کے لوگ اپنے ناپاک عزائم میں کامیاب ہوں سکیں اور اگر کسی نے کوشش بھی کی تو ان کا انجام ایک کھسیانی بلی سے مختلف نہیں ہوگا۔ ایسے لوگ پھر نیک لوگوں کو بے وقوف نہیں بنا سکیں گے۔ اس طرح اپنی نظر میں یہ خوگر بوکھلا جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسے شر پسند لوگوں سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

......☆......

ویلکم ٹو ''ٹورانٹو ٹائمز''

گر ٹورانٹو ٹائمز مل جائے سبھوں کو ٹائم پر
پھر تو ٹورانٹو کی خبریں بھی ملیں گی ٹائم پر

کہتے ہیں کہ جب بھی کوئی بچہ اس دنیا میں پیدا ہوتا ہے تو وہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ابھی تک اپنے بندوں سے مایوس نہیں ہوا ہے۔ پھر یہی بچہ بڑا ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور سر بہ سجود شکرانے ادا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے رب جلیل میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں کہ تو نے مجھے اشرف المخلوقات میں پیدا کیا اور تو نے مجھے اتنی صلاحیت دی کہ میں محسوس کروں کہ مجھے تیرا ہر دم شکر ادا کرتے رہنا چاہیے۔ اعتراف کے طور پر کہ تو نے مجھے دیکھنے کی' سوچنے کی' سننے کی' بولنے کی' چکھنے کی' سونگھنے کی' چھونے کی گویا کہ ہر طرح کی صلاحیتوں سے نوازا۔ اب یہ ہماری اپنی سوچ ہے کہ ہم اپنی ان صلاحیتوں کو اچھے کاموں کے لیے استعمال کریں یا برے کاموں کے لیے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت انسان کو اچھی اور بری دونوں صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ اب یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ اپنی کون سی صلاحیت کو ابھارتا ہے اور کون سی صلاحیتوں کو دباتا ہے۔ اپنی اچھی عادتوں اور اچھے کرتوتوں سے وہ اپنے علاوہ اپنے خاندان کا نام بھی روشن کرتا ہے اور اپنی ہی بری عادتوں اور برے کرتوتوں سے نہ صرف اپنا بلکہ اپنے خاندان کا نام بھی بدنام کرتا ہے۔ بزرگوں نے کہا کہ اگر کوئی شخص اپنی صلاحیتوں سے کوئی اچھا کام کرتا ہے تو اس کی تعریف ضرور کرنی چاہیے تا کہ اس کا حوصلہ بلند ہو اور وہ اس سے بھی زیادہ اچھے کام کرے۔ اور اگر وہی شخص کوئی برا کام کرتا ہے تو اس کی نشاندہی کرنی چاہیے تا کہ وہ دوبارہ ایسی حرکت نہ کرے۔

کسی کے اچھے کارناموں کا تذکرہ بار بار کرنا چاہیے تاکہ وہ اس بات کا نوٹس لے کہ اس کی حرکتوں پر سب کی نظر ہے اور اگر کوئی برے کام کرتا ہے تو اس کا محاسبہ کرنا چاہیے تاکہ معاشرے سے برائی کم ہو۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگ کسی کی کامیابی پر اسے مبارک باد تک دینا اپنی توہین سمجھتے ہیں کہ جیسے ان کے مبارک باد کہنے سے کسی کا شاید ملین ڈالر کا فائدہ ہو جائے گا اور ان کا اتنے ہی کا نقصان۔ کیا فطرت انسانی ہے کہ خود تو یہ پسند کریں گے کہ ان کی کامیابی پر لوگ انہیں مبارک باد دیں لیکن یہی کام وہ خود نہیں کریں گے۔ دوسروں کے لیے۔

میرے ایک واقف کار ہیں ان سے میں نے ایک دن پوچھا کہ بھائی تم اپنے بڑے بھائی کے گھر کیوں نہیں جاتے ہو۔ ان سے کیوں نہیں ملتے ہو۔ تو کہنے لگے کہ ہماری ان سے لڑائی ہے۔ میں نے پوچھا کہ کیا کوئی جائیداد کا چکر ہے۔ تو کہنے لگے نہیں۔ تو کیا انہوں نے تمہارا بیل چرا لیا ہے! تو کہنے لگے نہیں۔ تو پھر کیا مسئلہ ہے بھائی۔ تو کہنے لگے کہ میرا دل ان کی طرف سے صاف نہیں ہے۔ دراصل میں بڑا کینہ پرور ہوں۔ تو یہ سن کر میں نے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ کینہ پرور لوگوں کی بخشش نہیں ہوگی' وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکیں گے۔ تو کہنے لگے مجھے معلوم ہے۔ ان کی یہ بات سن کے مجھے جو نصیحت کرنی تھی وہ تو میں نے کر دی لیکن اتنا ضرور خیال آیا میرے دل میں کہ پھر بھی اس شخص کا ایک کریکٹر ہے کہ کینہ پرور ہے اس کا برملا اظہار بھی کرتا ہے۔ ورنہ یہاں تو لوگ منافقت کرتے ہیں لیکن بڑے دھڑلے سے کہیں گے کہ میں منافق نہیں ہوں۔ اور جھوٹی وضاحت کریں گے کہ وہ تو میں محفل کا رنگ دیکھ کر ڈپلومیٹک گفتگو کر رہا تھا۔ (اللہ معافی)

ہمارے محلے میں دو بھائی رہتے تھے۔ دونوں کے مکانات الگ الگ تھے لیکن تھوڑے فاصلے پر۔ ایک بھائی بہت نمازی' متقی' پرہیزگار' حاجی اور دوسرا شرابی' کبابی' آوارہ اور بدقماش۔ دونوں شادی شدہ اور خیر سے بچوں والے تھے۔ ایک دن اچانک نمازی پرہیزگار بھائی کا انتقال ہو گیا۔ تمام رشتہ دار' دوست احباب محلے دار سبھی جمع ہوئے۔ تدفین کے بعد سب گھر کے لوگ بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ مرحوم کی بیوہ اور یتیم بچوں کا کیا بنے گا۔ کہاں رہیں گے۔ ان لوگوں کا تو اپنا

گھر تک نہیں ہے۔ گویا مختلف لوگ مختلف باتیں کر رہے تھے۔ ان کے بھائی جو بڑے شرابی تھے وہ بھی بیٹھے سب کی باتیں سن رہے تھے۔ اچانک اٹھے اور اپنی بیگم کو آواز دے کر کہنے لگے کہ بیگم گھر چلیں میری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔ خیر صاحب جلدی جلدی لوگوں نے انہیں ان کے گھر پہنچایا۔ دوسرے دن صبح اٹھ کر اپنی بیگم سے کہنے لگے کہ میرے بھائی جو اتنے نمازی اور پرہیزگار حاجی تھے ان کے اچانک انتقال کر جانے سے بھابی اور بچوں کا یہ حال ہو رہا ہے تو جب میں مروں گا تو میری بیوی بچوں کا کیا ہوگا۔ اس خیال کے آتے ہی انہوں نے شراب کی بوتلیں توڑ دیں اور اللہ تعالیٰ کے آگے جھک گئے کہ ہم سے بھول ہو گئی ہم معافی کے طلبگار ہیں۔ (اللہ معاف کرنے والا ہے)۔

ہمارے ایک جاننے والے ہیں۔ ان کی ایک ایجنسی ہے اپنے دفتر میں وہ خود ہوتے ہیں بحیثیت MD کے اور ایک لڑکی ہوتی ہے جو بقول ان کا اسٹاف ہے۔ جو آفس کے سارے کام کرتی ہے ان کو چائے یا کافی بھی بنا کر دیتی ہے۔ جب بھی کوئی ایم ڈی صاحب سے ملنے آتا ہے کسی بھی کام سے تو وہ یہی دیکھا ہے کہ فون پر کسی نہ کسی سے باتیں کر رہے ہیں اور اس قسم کے جملے کثرت سے بولتے ہیں کہ اگر میں اپنے چیمبر میں نہ ہوں تو تم کاغذات میرے اسٹاف کو دے دینا۔ ایم ڈی صاحب کے پاس اگر کوئی دوست ملنے بھی آتا تو وہ انٹرکام کے ذریعہ اس لڑکی کو چیمبر میں بلاتے ہیں۔ تھوڑا گاڑھا پوز دیتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ کسی کا فون آئے تو کہہ دینا کہ ''باس'' اس وقت میٹنگ میں ہیں۔ کسی سے بات نہیں کر سکتے۔ یہ جو ایم ڈی صاحب ہیں نہایت ہی پوور پرسنیلٹی کے آدمی ہیں۔ بقول ان کے ایک بہت ہی بے تکلف دوست کے کہ یہ ڈیڑھ بالشت آدمی ہے اور اس کے پوز تو دیکھو۔ سنتے چلے آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ گنجے کو ناخن نہیں دیتا تو پھر یہ کیا ہے۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے خود نمائی کی۔ مر جائیں گے لیکن یہ عادت نہیں جائے گی۔

ہمارے ایک بہنوئی تھے ڈبل ایم اے (اب حیات نہیں ہیں) ہسٹری اور پولیٹیکل سائنس میں ماسٹر کیا ہوا تھا انہوں نے۔ ان کی ایک عادت تھی کہ ہر ایک کو اس کی کوالیفکیشن کے مطابق

ٹریٹ کرتے تھے۔کوئی بھی شخص اگر ان سے کم پڑھا لکھا ہے خواہ اس کی عمر ان سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو اسے اپنا شاگرد سمجھتے تھے۔اگر کوئی ڈبل ایم اے بھی ٹکر گیا تو اسے اپنی سنیارٹی کی دھونس دیتے تھے۔اپنے نام کے آگے لکھتے تھے۔ MA Double (Hist. & Polt.) میں انہیں مذاق ہی مذاق میں کہتا تھا کہ آپ ہیں ڈبل ایم اے ہسٹری آف دی پولٹری فارم۔ پہلے وہ ایک کالج میں پروفیسر تھے بعد میں ایک انگریزی اخبار ''یونٹی'' میں ایڈیٹر کے حیثیت سے کام کرتے رہے۔ ہمیشہ مجھے اخبار وہ بھی انگریزی کا لا کر دیتے اور پڑھنے کی تلقین کرتے رہتے اور میں ان کی ایک کان سے سنتا اور دوسرے کان سے نکال دیتا ۔

مسجد تو بنادی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانہ پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا

اخبار پر مجھے یاد آیا کہ میرا ایک دوست بھی دو صفحہ کا فلائر نما اخبار نکالتا ہے۔اس اخبار (فلائر) میں نہ کوئی چیز پڑھنے والی ہوتی ہے نہ پڑھوانے والی۔بس دو اشتہار حکومت سے لے لیے گئے تا کہ اس کی چھپائی کا خرچہ نکل آئے۔خبریں ایک مہینے پرانی ہوتی ہیں۔جبکہ تازہ خبریں لوگ انٹرنیٹ پر روزانہ پڑھ لیتے ہیں اور سی این این پر ہر گھنٹہ سن لیتے ہیں۔نہ معلوم اس قسم کے فلائر نما اخبار کو نکالنے کی کیا ضرورت ہے کیونکہ اس قسم کے اخبار سے گروسری اسٹور والے بھی پریشان رہتے ہیں اور لوگ تو پریشان ہیں ہی۔

پچھلے دنوں ایک اور اخبار ''ٹورانٹو ٹائمز'' کے اجراء پر خصوصی تقریب مقامی ریسٹورانٹ میں منعقد ہوئی جس میں تمام میڈیا سے وابستہ لوگوں کو مدعو کیا گیا تھا۔راقم بھی ان کی دعوت پر وہاں موجود تھا۔تقریب کے آغاز پر ریڈیو پاکستان ٹورانٹو کے جناب ارشد بھٹی نے تمام لوگوں کو خوش آمدید کیا۔پھر تلاوت کلام پاک کے بعد باقاعدہ تقریب کا آغاز کیا گیا تو جناب بدر منیر صاحب جو آج کل پاکستان پوسٹ سے منسلک ہیں نے اپنے جذبات کا اظہار کرنے کے بعد فرداً فرداً تمام حاضرین کو اسٹیج پر بلایا۔اس طرح سب نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔جن میں مولانا آصف قاسمی، لطافت صدیقی، ناظم الدین مقبول، فرخ احمد، شاہد ہاشمی، فیاض حیدر، خالد ربانی، حفیظ

الرحمٰن، جم کیری، ثمینہ احمد، شاہین خان کے نام قابل ذکر ہیں۔

تقریب میں بشیر خان، اظہار نبی ندیم علی، منیر بٹ، اشرف لودھی، غفور چودھری، طارق سردار، عامر آرائیں، لیاقت چودھری، رضا خان بھی موجود تھے۔تقریب میں موجود تمام لوگوں نے ٹورانٹو ٹائمز کی مدیر اعلیٰ محترمہ انجم قریشی صاحبہ کی اس کاوش کو سراہا اور مبارک باد دی اور ساتھ ہی ساتھ اپنے مکمل تعاون کا یقین دلایا اور امید ظاہر کی کہ یہ اخبار لوگوں کی امنگوں کا آئینہ دار ہوگا۔

تقریب کے اختتام پر ٹورانٹو ٹائمز کے مینیجنگ ایڈیٹر جناب انیس فاروقی نے تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس بات کا یقین دلایا کہ ٹورانٹو ٹائمز میں جو کچھ لکھا جائے گا سچ لکھا جائے گا اور سچ کے سوا کچھ نہیں لکھا جائے گا۔

اس بات پر آج مجھے اپنے سسر کی ایک بات یاد آ گئی کہ جب بھی وہ کوئی اردو اخبار پڑھنے کے لیے اٹھاتے تو درمیان میں سے صرف فلمی صفحہ نکال کر بقیہ اخبار میز پر چھوڑ دیا کرتے تھے۔جب ایک بار میں نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ کو کوئی فلم دیکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو کہنے لگے کہ جی نہیں میں اخبار کا فلمی صفحہ اس لیے پڑھتا ہوں کیونکہ مجھے یقین ہے کہ اس صفحہ پر جو بھی لکھا ہے سو فیصد درست اور سچ ہے۔یعنی اگر فلم ''دیور بھابی'' کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ ''پلازہ سینما'' پر لگی ہے تو یہ بات سچ ہے کہ فلم ''دیور بھابی'' واقعی پلازہ سینما پر لگی ہوئی ہے۔بقیہ پورا اخبار جھوٹ کا پلندہ ہے۔ویسے میرے ''سسر'' کا شمار پڑھے لکھے لوگوں میں ہوتا ہے فلمی صفحہ والی بات تو انہوں نے مجھ سے مذاق میں کہی تھی۔ان کا پسندیدہ اخبار ''ڈان'' ہے اور ان کے پسندیدہ کالم نگار ''کاؤس جی'' ہیں۔

ٹورانٹو میں اخبار کی بڑھتی ہوئی تعداد کو دیکھ کر ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ اب آپ کے پاس چوائس ہے کہ آپ کون سا اخبار پڑھنا چاہتے ہیں جو آپ کو پسند ہے آپ شوق سے پڑھیں اور ہم بھی اب یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ جب لوگوں کے پاس چوائس ہوگی تو کمپٹیشن بھی ہوگا اور جب کمپٹیشن ہوگا تو اخبار کا معیار بھی ضرور بہتر ہوگا۔

اس مثبت سوچ کے ساتھ ہر آنے والا کل گزرے ہوئے کل سے بہتر ہوگا اور ہر نیا آنے والا اخبار ہمیں محبت کا پیغام دے گا تو کیوں نہ ہم اسے خوش آمدید کہیں اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایک دوسرے کے غم اور خوشی میں برابر کا شریک رکھے۔ کیونکہ غم بانٹنے سے کم ہوتا ہے اور خوشی بانٹنے سے زیادہ۔ ہم یہ بھی دعا کرتے ہیں کہ انجم قریشی اور انیس فاروق جو کچھ لکھیں سچ لکھیں اور سچ کے سوا کچھ نہ لکھیں کیوں کہ سچ کی ہمیشہ جیت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سچ کہنے اور سچ لکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

......☆......

http://www.kitaabghar.com

میں تے سُنیا سید سوہنے پر تسی تے شاہ جی کالے او
یا تے ہوتسی ڈوم میراثی یا فیراسیاں دے سالے او

51

کہہ رہا تھا اک صحافی پہنچا جب آرٹسٹ کے گھر
پہلے ہونے دو مجھے ''انٹر'' تو پھر میں لوں گا ''ویو''

41

اللہ کے واسطے مجھے ایوارڈ دے دو

کچھ تو سوچیں جو ہیں خواہش مند لینے کے ایوارڈ
کون اور کس حیثیت میں دے رہا ہے یہ ایوارڈ

دنیا میں جہاں کہیں بھی ایوارڈز دیے جاتے ہیں اس کا ایک معیار ہوتا ہے ایک طریقہ کار ہوتا ہے اس کے لیے جج مقرر کیے جاتے ہیں جن کا تعلق اس شعبہ سے ہوتا ہے وہ یا رہ چکا ہوتا ہے۔ پھر جیوری بیٹھتی ہے سب مل کر کسی شخص یا ادارے کی کارکردگی کا جائزہ لیتے ہیں پھر اپنی اپنی رائے دیتے ہیں اور جس کے حق میں زیادہ ووٹ پڑتے ہیں وہی ایوارڈ کا مستحق قرار دیا جاتا ہے۔ یوں تو دنیا بھر میں بہت سے ایوارڈ مقبول ہیں جیسے آسکر ایوارڈ' فلم فیئر ایوارڈز یا پرائڈ آف پرفارمنس ایوارڈز خاصے مقبول ہیں۔ ان ایوارڈز کا لوگوں کو انتظار رہتا ہے چونکہ یہ ایوارڈز حکومتی سطح پر دیے جاتے ہیں اس لیے ان کی اہمیت بھی ہوتی ہے اور جنہیں یہ ایوارڈز ملتے ہیں ان کی عزت بھی۔

ہمارے یہاں ''نشان حیدر'' کا ایوارڈ سب سے زیادہ معتبر اور اہم سمجھا جاتا ہے چونکہ یہ ایوارڈ ملک کی سالمیت پر قربان ہونے والے شہیدوں کو دیا جاتا ہے اس لیے اس ایوارڈ کا دنیا کے کسی ایوارڈ سے کوئی مقابلہ نہیں۔ لیکن اب زمانہ بدل گیا ہے لوگ سستی شہرت حاصل کرنے کے لیے ایوارڈ مانگتے ہیں یا لیتے ہیں ان سے یا ان اداروں سے جو سستی شہرت حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ اس طرح کہ اپنے پیسوں سے پن' پلیگ یا میڈل بنوا لیتے ہیں پھر کسی منسٹر کو ایک تقریب میں بلا کر اس کے ہاتھ سے لے لیتے ہیں یا کالر پر لگوا لیتے ہیں یا پھر گلے میں پہن لیتے ہیں۔ چونکہ اس شہر

میں پہلے بھی لوگ ایسا کر چکے ہیں اس لیے یہ ایک ریت سی بن گئی ہے ان ایوارڈ کی لوگوں کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں کیونکہ یہ خود ساختہ ایوارڈ ز ہیں جو تعلقات کی بنیاد پر خود ہی بنوا کر لیے گئے ہیں۔ اب رہی منسٹرز کی بات تو وہ بھی بتا تا چلوں کہ یہ منسٹر حضرات بھی چاہتے ہیں کہ ہماری کمیونٹی میں ان کی پہچان بڑھے تا کہ اگلے الیکشن میں کچھ ووٹ پکے ہوسکیں۔ آپ ''دہی بڑے'' کی دکان کھول لیں کسی بھی منسٹر کو دعوت دیں وہ آ جائیں گے اور اپنے ساتھ ساتھ اپنے دفتر سے ایک سرٹیفکیٹ بھی بنا کر لیتے آئیں گے اور آپ کے کہنے پر تقریر بھی کر دیں گے۔ اپنا نام لکھ کر دے دیجئے آپ کی تعریف بھی کر دیں گے بھلے آپ کی ان سے آج پہلی ملاقات ہوئی ہو۔ یہ سچے سیاست دان ہیں اور سیاست میں یہ سب کرنا پڑتا ہے۔

لوگ اس پر بس کر دیں تو خیر ہے لیکن نہیں ایک قدم اور یہ کہ اس قسم کے نام نہاد ایوارڈ لینے کے بعد لوگ ایک چھوٹی سی تقریب اپنے گھر یا کسی کمیونٹی سینٹر یا کسی کے بیسمنٹ میں منعقد کرتے ہیں اور اپنے چند حمایتیوں کو بلا کر ایوارڈ کے ساتھ تصویریں کھنچوا لیتے ہیں اس کے بعد پھر اخبار والوں کی خوشامد کر کے اس کو اخبار میں چھپوانے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ سستی شہرت حاصل ہو سکے۔

طریقہ ہے کہ سب سے پہلے کسی بھی نام سے ایک کمپنی پینسٹھ ڈالر $65 خرچ کر رجسٹر کرا لی جائے (Inc) انکارپوریشن کرانے کی بھی ضرورت نہیں خواہ مخواہ سات آٹھ سو ڈالر خرچ ہو جائیں گے کیا فائدہ۔ اب چند ممبر بنا لیں اس کے لیے آپ کو تھوڑا چرب زبان بننا پڑے گا اور لوگوں کو بوتل میں اتارنے کا فن آپ کو آنا چاہیے ورنہ آپ ترقی نہیں کر پائیں گے۔ اب جب کچھ ممبر بن گئے تو دوسرا کام یہ ہے کہ فون اور ٹیلی فون ڈائریکٹری لے کر بیٹھ جائیں۔ پہلے تو اپنے جاننے والوں کو فون کریں پھر ڈائریکٹری سے اپنی طرف کے لوگوں کے نام سے کچھ نمبر نکا لیں ان سے کہیں کہ غریبوں کے لیے کچھ نکالنا چاہتے ہو تو ہمیں دے دو ہم مستحقین تک پہنچا دیں گے۔ پھر تمام گروسری اسٹورز والوں کو فون کریں کہیں سے چاول کہیں سے آٹے کی تھیلی کہیں سے تیل تو کہیں سے گھی یا پھر مصالحے جو مل جائے پکڑ لیں یا ممبروں کو بھیج کر منگوا لیں۔ اب تمام ریسٹورینٹ

والوں کو فون کریں اور ان سے اللہ کے نام پر کھانا مانگیں اور کہیں کہ اس سے تمہارے ریسٹورینٹ کے کاروبار میں برکت ہوگی جو دے دے اس سے لے لیں جو نہ دے اسے خدا کے خوف سے ڈرائیں۔ پھر بھی نہ مانے تو ڈھیر ساری بددعائیں دے کر اگلا اسٹیشن پکڑ لیں۔ اس کے بعد چند مسکین لوگوں کو تلاش کر کے جو شکل سے بھی مفلس لگتے ہوں انہیں کھانا کھلاتے ہوئے تصویر بنوائیں پھر کسی معذور کے ہاتھ میں کچھ رکھ کر تصویر کھنچوا لیں اور پھر اپنے تعلقات استعمال کرتے ہوئے اسے اخبار میں چھپوائیں اس طرح کام کا کام' نام کا نام' اور پھر انعام کا انعام۔ اسے کہتے ہیں آم کے آم اور گٹھلیوں کے دام۔

بزرگوں نے کہا ہے کہ اگر کسی ضرورت مند کی مدد کرو تو کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہونے دو۔ یعنی کسی سے اس بات کا تذکرہ تک نہ کرو تا کہ مدد لینے والا شرمندہ نہ ہو۔ اس طرح آپ کی نیکی ضائع ہو جاتی ہے۔ لیکن افسوس کے اس کے برعکس لوگ یہاں بڑے فخر سے کہتے پھرتے ہیں کہ آج میں نے پانچ بھوکوں کو کھانا کھلایا۔ انسان کی کیا حیثیت یا اس کی کیا اوقات ہے کہ وہ کسی کو کھانا کھلا سکے وہ تو اوپر والے کی ذات ہے کہ جو چیونٹی کو برسات کے موسم میں بھی پتھر کے نیچے خوراک مہیا کرتا ہے۔ یہی تو میرے رب کی شان ہے۔

پھر کہیں گے ''کیا تمہارا خدا ہے ہمارا نہیں......؟''

میں اپنے بہت ہی قریبی دوست کے گھر اس سے ملنے گیا تو اس کے گھر والوں نے میرے لیے کچھ کھانے پینے کی چیزیں میز پر لا کر رکھیں۔ ابھی میں نے کچھ لینے کے لیے ہاتھ ہی بڑھایا تھا کہ باہر سے کسی مانگنے والے کی آواز آئی تو میرا یہ دوست تڑپ گیا اس نے ایک پلیٹ اٹھائی اور میز پر رکھی تمام چیزوں میں سے کچھ کچھ چیزیں پلیٹ پر رکھ کر باہر مانگنے والے کو دینے گیا۔ تھوڑی دیر بعد کمرے میں واپس آ کر مجھ سے کہنے لگا کہ تمہارے پاس پانچ روپے کا نوٹ ہوگا میں نے کہا ہے شاید تو اس نے کہ ذرا دینا میں نے نوٹ اس کے حوالے کیا تو وہ باہر چلا گیا میں نے دروازے کی اوٹ سے دیکھا کہ اس مانگنے والے کو وہ پانچ کا نوٹ دے رہا ہے اور پھر پلیٹ لے کر کمرے کے اندر آ گیا۔ میں آج بھی اپنے آپ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ باہر سے مانگنے کی صدا تو میں نے

بھی سنی تھی اور میرے اس دوست نے بھی سنی تھی وہ میرے ہی کھانے پینے کی چیزوں میں سے کچھ چیزیں باہر مانگنے والے کو دے آیا اور مجھ سے پیسے بھی لے کر دے آیا اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نیکی کس کے کھاتے میں لکھی گئی ہوگی۔ میرے اس دوست کے یا میرے۔ کیونکہ کھانے پینے کی چیزیں تو میرے کھانے کے لیے تھیں اور پیسے بھی میں نے ہی دیے۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں کہ ۷۵ فیصد نیکی کا حقدار میرا دوست ہوا اور ۲۵ فیصد نیکی کا حقدار میں کیوں کہ نیکی کرنے کی نیت تو میرے دوست کی تھی میں نے صرف اس کا ساتھ دیا تھا۔ (واللہ عالم بالثواب) لیکن اس واقعہ کے بعد سے مجھ میں بہت سی تبدیلیاں آئی ہیں۔

کہتے ہیں کہ نیکی کرنے کا اور اس کے قبول ہونے کا دارومدار انسان کی نیت پر ہے۔ اگر کوئی کام اللہ کی خوشنودی کے لیے کیا جا رہا ہے تو پھر اس کے اشتہار کی ضرورت نہیں۔ آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ لوگ نماز پڑھنے کے وقت بہت شور مچاتے ہیں کہ ارے بھئی نماز کا وقت ہو گیا ہے میں وضو کرنے جا رہا ہوں جائے نماز لا کر میز پر رکھ دو اور ٹوپی بھی میں نماز پڑھنے کے بعد چائے پیوں گا اس کے بعد گراسری لینے جاؤں گا۔ یہ کون سا طریقہ ہوا نماز پڑھنے کا۔ بھئی نماز کا وقت ہوا آپ اٹھئے، وضو کیجئے، نماز پڑھ لیجئے۔ کوئی ضروری ہے کہ پورے شہر کو بتا کر آپ نماز پڑھنے جائیں۔

ایک رات میں اپنی گاڑی میں بیٹھا کسی دوست کا انتظار کر رہا تھا جو کافی لینے گیا تھا۔ بہت دیر ہو گئی تھی رات ڈھلنے کے بعد صبح ہونے والی تھی کہ میں نے دیکھا کہ ایک ٹیکسی آئی بیچ مال میں ایک الیکٹرک پول کے پاس رکی اس میں سے اس کا ڈرائیور اترا پھر اس نے ٹرنک کھولا اس کے اندر سے جائے نماز نکالی۔ الیکٹرک پول کے سامنے بچھائی اور نماز پڑھنا شروع کر دی۔ تھوڑی دیر بعد نماز پوری پڑھ کر جائے نماز اٹھا کر ٹرنک میں رکھی اور روانہ ہو گیا۔ میں چونکہ اس سے بہت دور گاڑی میں بیٹھا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اسی لمحے میرے دل میں خیال آیا یہ شخص جو کوئی بھی ہے جنتی ہے اس کے دل میں خدا کا خوف سچا ہے کیونکہ اس وقت اُسے اس کے گھر والے دیکھ رہے ہیں نہ محلے والے اور نہ کوئی رشتہ دار دیکھ رہا ہے۔ اگر یہ شخص جنت میں نہیں جا سکا تو پھر کوئی جنت میں نہیں جا سکے گا۔

مشہور حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے ایک صحابی کے گھر میں تشریف فرما تھے اور وہ صحابی ان کے لیے دودھ کا گلاس لینے گئے ہوئے تھے کہ آنحضرت ﷺ کی نظر صحابی کے گھر میں ایک طرف پڑے اس پتھر پر پڑی جس پر کہ گھٹنے، پہنچے اور سجدے کے نشان سے گڑھا پڑ گیا تھا۔ آنحضرت ﷺ یہ دیکھ کر بہت خوش ہو رہے تھے کہ یہ صحابی اتنا عبادت گزار ہے کہ اُسی لمحے جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور انہیں اللہ تعالیٰ کا پیغام سنایا اور کہا کہ آنحضرت ﷺ آپ جس صحابی کے گھر تشریف فرما ہیں وہ جہنمی ہے۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ کے چشم مبارک سے آنسو رواں ہو گئے اتنے میں وہ صحابی حضور ﷺ کے لئے دودھ کا گلاس لے کر آ گئے۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے رخسار پر آنسو دیکھ کر سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میری جان آپ پر قربان کیا آپ مجھے بتانا پسند فرمائیں گے کہ یہ ماجرہ کیا ہے میرے گھر میں اور آپ کو دکھ پہنچا۔ جس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ابھی جبرئی علیہ السلام آئے تھے انہوں نے اللہ کا پیغام سنایا اور کہا کہ تم جہنمی ہو۔ یہ سن کر صحابی بولے کہ بس اتنی سی بات تھی مجھے آپ صرف یہ بتایئے کہ آپ تو مجھ سے خوش ہیں نا۔ آنحضرت ﷺ نے کہا ہاں میں تو تم سے بہت خوش ہوں جس پر صحابی نے کہا تو بس مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔ صحابی کی ادا اللہ تعالیٰ کو پسند آئی اور فوراً جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا اور کہا کہ جاؤ محمد ﷺ سے کہہ دو کہ جس صحابی کے دل میں تمہاری اتنی عزت ہے ہم نے اس کے لیے جہنم کی آگ کو حرام کر دیا۔ گویا کہ وہ جنتی قرار پائے۔ دیکھا آپ نے نیت کا کتنا بڑا انعام ہے اللہ کی نظر میں۔

جو لوگ دنیا میں دکھاوے کے لیے کوئی کام کرتے بھی ہیں کہ میرا نام ہو اور پھر اس کا اشتہار کر کے گویا انعام اسی دنیا میں خود ہی لے لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے یہاں کیا لیں گے۔ وہاں ان کے لیے کچھ بھی نہیں ہوگا۔ کچھ لوگ تو خیر جوانی کے جوش میں اس قسم کا شوق رکھتے ہیں لیکن دیکھنے میں آیا ہے کہ کچھ ضعیف العمر لوگ بھی اس شوق کا شکار ہیں جن کے اب چل چلاؤ کا وقت ہے انہیں تو اب اپنے معاملات کو سمیٹنا چاہیے نہ کہ پھیلانا۔ انہیں جوش کے بجائے ہوش سے کام لینا چاہیے۔

اس نام نہاد ایوارڈ لینے والوں کو سوچنا چاہیے کہ آپ کس قسم کی ریت ڈال رہے ہیں اس

معاشرے میں کیا آپ نے اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچا ہے کہ کتنے ایسے لوگ ہیں جو خدا کی خوشنودی کے لیے پوشیدہ کام کر رہے ہیں جس کا وہ اظہار تک نہیں کرتے۔

ایک اور بات جو نوٹ کرنے والی ہے وہ یہ کہ جو لوگ نام نہاد سفارشی ایوارڈ حاصل کر بھی لیتے ہیں تو پھر ان کے مزاج میں بھی تبدیلی رونما ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ گویا کہ مغرور ہو جاتے ہیں۔ انہیں یہ نام نہاد ایواڈ رڈ کیا مل گیا کہ جیسے خدائی مل گئی ہو۔ انہیں ایوارڈ ملنے سے پہلے جو کوئی سلام کرتا تھا تو جواب ملتا تھا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اب جب ایوارڈ مل گیا اور مغرور ہو گئے۔ اب سلام کا جواب ملتا ہے ''وعلیکم'' کچھ دن اور گزر گئے اب غرور میں مزید اضافہ ہو گیا۔ اب سلام کیا تو جواب گھٹ کر صرف ''کم'' رہ گیا اور آج کل تو سلام کے جواب میں تو صرف ''م'' ہی سننے کو ملتا ہے۔

''م'' سے ہی مانگا ہوا ایوارڈ لینے پر ''م'' سے اتنا مغرور ہونا ٹھیک بات نہیں اگر یہ ایوارڈ حقیقی ہوتا تو نہ جانے یہ دوسروں کا ''م'' سے منہ نوچ لیتے۔ ''م'' سے جب انہیں موت آئے گی اور جب ''م'' سے ہی منکر نکیر سوالات پوچھیں گے تو ''م'' سے میاں ان کو یاد آ جائے گی اور ''م'' سے مانا کہ انہیں اس وقت احساس بھی ہو جائے گا اپنی غلطی کا لیکن ''م'' سے مقصد ہو گا ''م'' سے معافی لیکن ''م'' سے مرنے کے بعد ''م'' سے مہلت کہاں دی جاتی ہے کسی کو اپنے اپ کو درست کرنے کے لیے۔ ''م'' سے مانگا ہوا ایوارڈ ''م'' سے مٹی میں ''م'' سے ملا دیتا ہے۔ (اللہ ''م'' سے ہی معافی دے)۔

میرے نانا کو جو ایک وکیل تھے انہیں حکومت برطانیہ نے ''خان بہادر'' کا خطاب دیا تھا۔ بہت سارے ایوارڈز۔ گولڈ میڈل آج بھی دھرے کے دھرے ہیں جو انہیں ملے تھے جس میں ایک ''چاول'' پر باریک باریک بہت کچھ تعریفیں میرے نانا کے بارے میں لکھی ہیں جسے دوربین سے پڑھا جا سکتا ہے۔ ایک مخصوص ڈبے میں پڑا ہے۔ اس سے میرے ماموں کو ملازمت میں کوئی سہولت نہ ہوئی نہ ان کی اولاد کو یونیورسٹی میں داخلے کے وقت کوئی آسانی ہوئی۔ نہ ہی میرے والد کو یا خالو کو یا پھر ان کی کسی اولاد کو کسی قسم کا کوئی مالی یا اخلاقی فائدہ پہنچا۔ یہ ایک نشہ سا ہے جس سے

نہ کسی کے گھر کی گروسری آ سکتی ہے نہ پینشن میں اضافہ نہ عمر بڑھ سکتی ہے۔ نہ صحت کی گارنٹی مل سکتی ہے۔ تو پھر ہم اس کے پیچھے کیوں اپنا وقت ضائع و برباد کریں۔ صرف سستی شہرت کے لیے ۔

کاش گھر کا بوجھ کاندھے پر اٹھا سکتا ایوارڈ
یا پھر آنہ یا دو آنہ ہی دلا سکتا ایوارڈ

آخر میں اپنے تمام سچے اور اللہ کی نیک بندوں سے گزارش کروں گا کہ آپ جس لگن سے اللہ کے بندوں کی خدمت کر رہے ہیں کرتے رہیے آپ کو ان نام نہاد ایوارڈز کی قطعی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ اسی دنیا میں رہ جائیں گے۔ اگر آپ کی کوئی نیکی اللہ تعالیٰ کے دربار میں قبول ہوئی اور آپ نے اللہ کی خوشنودی حاصل کر لی تو انشاءاللہ آپ کا ایوارڈ اوپر رکھا ہوا آپ کو ملے گا جو ہمیشہ آپ کے پاس رہے گا۔ یقین کیجئے وہ لوگ گھاٹے میں ہیں آپ فائدے میں رہیں گے۔ انشاءاللہ۔

......☆......

جو تم نے توڑ دی قسم
تو روٹھ جائے گا صنم

نہ کرنا یہ کبھی ستم
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

یہ ضد تم اپنی چھوڑ دو
قسم جو دی تھی توڑ دو

یوں ٹوٹے دل کو جوڑ دو
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

بھرم ہمارا کھل گیا

ہم سمجھتے تھے کہ دنیا میں ہے اب بھی اعتماد
پر ہمارے اس بھروسے کا بھرم اب کھل گیا

ایک زمانہ تھا کہ زبان سے نکلی ہوئی بات پتھر پر پڑی لکیر سمجھی جاتی تھی۔ دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے لیکن لوگ دی ہوئی زبان کا پاس ضرور رکھتے تھے اور عمر بھر نبھاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے قول و فعل میں تضاد نہیں تھا۔ اب آپ نکاح کی ہی مثال لے لیجئے۔ ایک زمانے تک نکاح بھروسے اور اعتماد کی بنیاد پر ہوتا رہا اور لوگ اسے عمر بھر نبھاتے رہے۔ بیوپاری اپنے اسٹاک کے سودے زبانی ہی کیا کرتے تھے اور بھلے ریٹ کی تبدیلی سے اگر نقصان بھی ہو رہا ہو تو بھی اپنی زبان سے نہیں پھرتے تھے اور کی ہوئی بات پوری کرتے تھے لیکن زمانہ بڑی تیزی سے بدلتا گیا اور اب ہر بات لکھ کر اور تصدیق کے بعد ہی قابل قبول ہوتی ہے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ زبان کا پاس نہ رکھنے والے چند لوگوں نے تمام لوگوں کی مشکلات میں اضافہ کر دیا ہے اور اب کوئی سچا آدمی بھی اپنی زبان سے کسی کو اپنی سچائی کا یقین نہیں دلا سکتا۔ جب تک کہ اس کی باتوں کی لوگ تصدیق نہ کر لیں۔

شروع شروع میں جب نئے امیگرنٹس یہاں آنے شروع ہوئے تو جو شخص بھی اپنے بارے میں کہتا کہ میں اپنے ملک میں فلاں تھا تو یہاں کی حکومت اس کی کہی ہوئی اور لکھی ہوئی بات کا یقین کر لیتی تھی لیکن ہمارے کچھ ہم وطنوں نے غلط بیانی شروع کی اور شک کی بنیاد پر جب ان کے لکھے کی تصدیق کی گئی تو وہ بات غلط ثابت ہوئی۔ اس کا نتیجہ انہوں نے تو جو بھگتنا تھا بھگتا۔ فرق یہ

پڑا کہ اب ہم میں سے جو کوئی بھی اپنے بارے میں کچھ بتاتا ہے کہ میں اپنے ملک میں فلاں تھا تو اس سے کہا جاتا ہے کہ آپ اس ضمن میں کوئی سرٹیفکیٹ داخل دفتر کریں اور یہاں پر ہی بس نہیں ہو جاتا اس سرٹیفکیٹ کی دفتر سے تصدیق کروائی جاتی ہے جہاں سے یہ جاری ہوتا ہے۔ جب جا کر ہی قابل قبول ہوتا ہے۔ یہ صرف اس وجہ سے ہوا کہ ہم میں سے چند نے ایسی حرکتیں کی کہ اعتماد اٹھ گیا۔

ہمارے ایک دوست ہیں جب یہاں نئے نئے آئے تو ہر بات پوچھتے تھے اور اب یہ عالم ہے کہ دوسروں کو مشورہ دیتے ہیں اور اس کی باقاعدہ فیس بھی لیتے ہیں۔ جیسے ہی کوئی نیا امیگرنٹ آیا اسے ڈرائیونگ لائسنس کی ضرورت پڑی تو کسی صورت سے G I حاصل کرنے کا مشورہ دیا۔ جب وہ شخص GI لے آیا تو کہا میں کسی G لائسنس ہولڈر سے آپ کا ٹیسٹ دلوادوں گا۔ اس کی الگ فیس ہوگی۔ چونکہ کاغذ کے GI پیپر پر تصویر نہیں ہوتی ہے جو لوگ پرانے ڈرائیور ہیں ان پر سال بھر انتظار کی کوئی قید نہیں ہے ایسے وہ اپنا چکر چلانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اور پھر جب دوسرے کے دیئے ہوئے ٹیسٹ کی بنیاد پر سڑکوں پر جب گاڑیاں چلائیں گے تو حادثات تو ہوں گے ہی' جانیں تو ضائع ہوں گی ہی' کاش وہ لوگ ان باتوں کو سمجھ سکتے اور اللہ کے عذاب سے ڈرتے۔ ان صاحب کا ایک کمال اور بھی آپ کو بتلاؤں وہ انشورنش کا کام بھی کرتے ہیں۔ اس کی باقاعدہ فیس بھی لیتے ہیں۔ مثلاً آپ کو پرانا ڈرائیونگ سرٹیفکیٹ چاہیے انشورنس کمپنی کا سرٹیفکیٹ چاہیئے۔ ثابت کرنے کے لئے کہ آپ نے پرانی انشورنس کمپنی سے بھی حادثے کی صورت میں کوئی کلیم حاصل نہیں کیا گویا کہ آپ کا ریکارڈ کلین ہے۔ یہ صاحب وہ بھی آپ کو مہیا کر دیں گے اس کی معقول فیس لیتے ہیں اور اگر تصدیق کے دوران آپ پھنس گئے تو وہ ایسے غائب ہوتے ہیں جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ یہ میرے دوست اپنے کئی ناموں سے پہچانے جاتے ہیں۔ کسی کو کچھ نام بتاتے ہیں تو کسی کو کچھ۔ کبھی کسی کو اپنے رہنے کی جگہ بتاتے بھی نہیں ہیں۔ کبھی یہاں تو پھر کبھی وہاں نظر آتے ہیں لیکن آپ سے وہ ہر دم ''آئی ڈی بلاک'' فون پر رابطے میں رہتے ہیں۔

ہمارے ایک اور دوست ہیں پچھلے برس کنیڈا آئے۔ پوری فیملی کے ساتھ ابھی آئے ہوئے

دس دن بھی نہیں ہوئے تھے کہ انہوں نے اپنی بیٹی کا نکاح فون پر اپنے وطن میں موجود بھانجے سے کیا اور پھر آناً فاناً اسپانسر کے لئے درخواست دائر کر دی۔ دو ماہ بعد کینیڈین ایمبیسی سے کسی کے رجیکشن کا لیٹر آ گیا اس میں لکھا تھا کہ یہ ایک پری پلان ڈرامہ تھا جو آپ لوگوں نے کینیڈا جانے سے پہلے تیار کیا تھا۔ لوگوں نے اپیل کی وہ بھی ریجیکٹ ہو گئی۔ پھر میرے دوست نے کینڈین ایمبیسی سے ایک سوال لکھ کر پوچھا کہ دنیا میں کسی جگہ بھی یہ قانون نہیں ہے کہ میاں بیوی دو مختلف ممالک میں علیحدہ علیحدہ زندگی گزاریں۔ اس لئے میرے داماد کو کنیڈا آنے کی اجازت دی جائے۔ جس پر کینڈین ایمبیسی سے یہ جواب لکھ کر آیا کہ یہاں کہاں پر لکھا ہوا ہے کہ آپ کا داماد ہی کینیڈا آئے آپ کی بیٹی بھی تو اپنے شوہر کے پاس جا کر رہ سکتی ہے۔ یہ کوئی ضروری ہے کہ ان کا داماد کینیڈا آئے۔ اس فائنل جواب کے بعد ہی میرے دوست نے اپنی بیٹی کو اپنے وطن روانہ کر دیا وہاں دونوں کی شادی ہو گئی۔ دونوں میاں بیوی خوش وخرم زندگی گزار رہے ہیں۔ کیا پتہ کوئی معجزہ ہو جائے اور وہ لوگ یہاں آ جائیں۔ اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ آمین

پچھلے دنوں میرے بچے ایک دیسی کپڑے کی دکان پر گئے۔ جہاں ان لوگوں کو کوئی ڈریس پسند آ گیا۔ اس کی قیمت ایک سو بیس ڈالر تھی۔ میری بچی نے اس دوکان کے مالک سے درخواست کی کیا میں اپنے ڈیڈی کو فون کر سکتی ہوں جس کی انہوں نے اجازت دے دی۔ جب اُس دوکان کے مالک کو میں نے اپنا تعارف کرایا تو وہ پہچان گئے۔ اس پر میں نے ان سے درخواست کی کہ میرے بچوں کو جو ڈریس پسند آیا ہے آپ اسے دے دیں میں ڈرائیو کر رہا ہوں آدھے گھنٹے تک آپ کے پاس پہنچ کر اس کی قیمت ادا کر دوں گا۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے لیکن انہوں نے ایسا کیا نہیں۔ فون بند کرنے کے بعد میرے بچوں سے کہنے لگے یہاں پر کئی لوگ آئے اور اس طرح کی باتیں کر کے کہ ابھی پیسے لے کر آ رہا ہوں میرا سامان لے گئے اور آج تک لوٹ کر نہیں آئے۔ غرض کہ انہوں نے نہ میرا لحاظ کیا نہ دوستی۔ تعلقات کا اور نہ آنے والے وقت کا۔ گویا کہ بھروسہ نہیں تھا ان کو کہ میں آؤں گا۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کا دین ایمان صرف 'پیسہ ہے پیسہ'۔ اور بس۔

میں جب ٹھیک بیس منٹ بعد ان کی دوکان پر پہنچا تو میرے بچے وہاں موجود نہیں تھے۔

لیکن میں ان کے چہرے پر ندامت کی پرچھائیاں بخوبی محسوس کر سکتا تھا چونکہ انہوں نے حرکت ہی ایسی کی تھی۔ میں نے ان سے پوچھا کہ میرے بچے کپڑے لے گئے۔ کہنے لگے ہاں ان کے اسکول کے دوست مل گئے تھے انہوں نے پیمنٹ کر دی۔ میں نے ان سے پوچھا کہ جب میں نے آپ سے درخواست کی تھی تو پھر ان لوگوں کو اپنے اسکول کے دوست سے پیسے لینے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ کہنے لگے آپ اپنے بچوں سے پوچھئے۔ اسی وقت میں نے جب گھر فون کر کے صحیح حالات معلوم کئے تو پتہ چلا کہ ان صاحب نے کریڈٹ پر سامان نہ دینے کی قسم کھائی ہے۔ اس پر انہوں نے دس منٹ تک میرے بچوں کو لیکچر بھی دیا گویا کہ اس دنیا میں بھروسہ نام کی چیز ناپید ہو گئی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میرے اس دوست کے ساتھ لوگوں نے ایسا ہی کیا جیسا کہ وہ اپنے لیکچر میں کہہ رہے تھے لیکن وہ بھی تو ہمارے معاشرے کا حصہ ہیں۔ ایسا کیوں کرتے ہیں کہ جس سے سچا آدمی بھی ان کی حرکتوں کی بھینٹ چڑھ جائے اور ایک دوسرے کا لحاظ بھروسہ اور اعتماد ختم ہو جائے۔ سب کچھ یہیں رہ جائے گا۔ ساتھ جائے گا تو آپ کا کردار کیوں کہ لوگ ایسی حرکت کرتے ہیں کہ جس سے ان کے علاوہ دوسروں کو بھی اس کا نقصان پہنچتا ہے۔

ایک صاحب جو لندن میں ملازمت کرنے کی غرض سے گئے تھے۔ پانچ سال تک وہاں رہنے کے بعد اپنے وطن جانے کا ارادہ کیا تو وہ اپنی چیزیں لینے چرچ کے اس پادری کے پاس پہنچے جہاں وہ ہر ماہ کچھ پونڈ کچھ زیور اور کپڑے جمع کراتے رہتے تھے۔ جب پادری نے دیکھا کہ یہ شخص اپنی چیزیں واپس لینے آیا تو اس نے بدنیتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس سے کہا کہ بھاگ جاؤ یہاں سے کوئی چیز تمہاری ہمارے پاس نہیں ہے۔ یہ سن کر تو وہ شخص بہت پریشان ہو گیا۔ سوچا کہ کسی بڑے چرچ کے پادری سے اس کی شکایت کرتے ہیں۔ اس خیال سے وہ ایک بڑے پادری کے پاس پہنچ گیا۔ سارا ماجرہ بیان کیا تو اس پادری نے اندر جا کر ایک پرچی پر کچھ لکھا۔ لفافے میں بند کر کے اس شخص کو دے دیا اور کہا کہ جا کر اس چھوٹے پادری کو دے دینا امید ہے تمہارا کام ہو جائے گا۔ جب وہ شخص لفافہ لے کر اس چھوٹے پادری کے پاس پہنچا اور لفافہ اس کے حوالے کیا تو پادری تھوڑی دیر کے لئے اندر چلا گیا اور چند منٹ بعد اس شخص کا سارا سامان اپنے

ہاتھوں میں اٹھا لایا اور کہا کہ اپنی تمام چیزیں چیک کر لو کہ کوئی چیز کم تو نہیں۔ اس شخص نے اپنی تمام چیزیں چیک کر لیں۔ سب درست پایا اور لے کر چلا گیا۔ راستہ بھر اس شخص کو یہ تجسس رہا کہ آخر بڑے پادری نے ایسی کون سی بات اس پرچی میں لکھی تھی کہ جس پر اس پادری کے رویے میں اتنی جلدی اتنی بڑی تبدیلی آ گئی۔ وہ سوچتا رہا لیکن کسی نتیجے پر نہ پہنچ پایا پھر دوسرے دن صبح صبح وہ اس چھوٹے پادری کے پاس پہنچ گیا اور پوچھا کہ اگر آپ مجھے یہ بتا دیں کہ اس پرچی میں بڑے پادری نے کیا لکھا تھا تو میری مشکل آسان ہو جائے گی اور میں آپ کا بڑا ممنون ہوں گا لیکن چھوٹے پادری نے کچھ کہنے سے معذرت کر لی لیکن یہ شخص اس پادری سے مسلسل اصرار کرتا رہا تو آخر میں چھوٹے پادری نے سوچا کہ کیوں نہ اسے حقیقت بتا کر اپنی جان چھڑالوں۔ کہنے لگا کہ بڑے پادری نے اس پرچی میں لکھا تھا کہ ''کیا تم مسلمان ہو گئے ہو'' غور کیجئے کہ ہم مسلمانوں نے اپنے آپ کو کس مقام پر لا کھڑا کر دیا ہے۔ (اللہ معافی)

ہم کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ ہم میں کون سی خصوصیت مسلمان والی ہے۔ جھوٹ ہم بولتے ہیں۔ دھوکا ہم دیتے ہیں۔ کینہ ہم رکھتے ہیں' غیبت ہم کرتے ہیں' دوسروں کو نیچا ہم دکھانے میں رات اور دن صرف کرتے ہیں۔ بیمار کی ہم عیادت نہیں کرتے۔ کوئی مر جائے تو تدفین تک میں ہم نہیں پہنچتے۔ پُرسا کرنے تک ہم نہیں جاتے۔ پھر بھی بڑے فخر سے ہم کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ کاش ہم واقعی مسلمان ہوتے۔

کہتے ہیں کہ جب ہم میں سے کوئی بھی کسی مصیبت میں خدا نہ کرے گرفتار ہو جائے یا کوئی پریشانی میں گھر جائے تو اسے چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ سے لو لگائے اور دعا مانگے کہ یا اللہ مجھ سے اگر کوئی ایسی نیکی ہوئی ہو جو میں نے تیری خوشنودی کے لئے کی ہو اور جو تیرے دربار میں قبول ہوئی ہو میں تجھے اس نیکی کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ تو مجھے اس مشکل سے نکال۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ اس کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم ایک دوسرے کا احترام کریں۔ ایک دوسرے پر بھروسہ کریں اور ایک دوسرے کی عزت کریں تاکہ معاشرے میں عزت پائیں۔ آمین۔

قریب میرے آ ؤ تم
ہے بات کیا بتاؤ تم

اب اور نا ستاؤ تم
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

تھری وے

ہم تو ٹو وے فون پر ہی اس قدر مشکل میں تھے
اب تھری وے لے کے کیا آرام سے رہ پائیں گے

دنیا میں جتنے بھی Ways ہیں مثلاً Biway ‘Hiway ‘YourWay ‘MyWay ‘ThatWay ‘ThisWay ‘OneWay ‘ TwoWay‘ThreeWay یا پھر Noway۔ ان سب میں زیادہ خطرناک ہے تھری وے۔ اس کی وضاحت آگے چل کر کروں گا۔ پہلے اس بات کا یقین کرلیں کہ انسانوں نے دنیا میں جتنی بھی چیزیں ایجاد کی ہیں ان سب سے جہاں بہت سارے فائدے ہیں نقصانات بھی اس سے کم نہیں ہیں۔ آپ معمولی سی ایک سوئی کی مثال لے لیجئے۔ اگر آپ کی انگلی میں چبھ جائے تو اس سے زخم بھی ہوسکتا ہے اور اگر سوئی انگلی میں گھس کر ٹوٹ جائے تو یہ معاملہ بہت زیادہ بھی بڑھ بھی سکتا ہے (اللہ معافی)

اسی طرح ہوائی جہاز سے جہاں ہفتوں کا فاصلہ گھنٹوں میں طے کرلیا جاتا ہے وہاں ذرا سی غفلت سے سینکڑوں انسانوں کی جان بھی جاسکتی ہے (یا اللہ مدد) اب ٹیلی فون جس مقصد کے لئے ایجاد ہوا تھا وہ تو حل ہوگیا لیکن اس کے نقصانات اور فائدے کا اگر موازنہ کیا جائے تو بات ففٹی ففٹی پر جا کر ختم ہوگی۔ اس میں بے چارے ٹیلی فون کا کوئی قصور نہیں ہے اگر قصور ہے تو ہم ابن آدم کا جو اس سے Constructive کام سے زیادہ Distructive کام لینے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ مثلاً ہمارے ملک میں جب ٹیلی فون اتنا عام نہیں تھا یا پھر آج کل بھی جہاں ٹیلی فون ہر گھر میں موجود نہیں ہے وہاں ایک مستقل پریشان کرنے والے حالات اب بھی موجود

ہیں۔ رات کے پچھلے پہر کسی کے گھر پر فون آ گیا کہ جناب فلاں صاحب کے گھر سے جن کا مکان نمبر فلاں ہے۔ کسی کو بلوادیں بہت ضروری اطلاع دینی ہے وہ صاحب جو خدمت خلق کے رسیا ہوتے ہیں اٹھے مکان تلاش کیا کسی کو ساتھ لے کر آئے کچی نیند میں بیٹھے ان کے فون پر بات ختم ہونے کا انتظار کر رہے ہیں اور ادھر بات ہے کہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی۔ اس پر طرہ یہ کہ گفتگو کے دوران کسی بھی بات سے یہ اندازہ ہرگز نہیں ہو رہا ہے کہ جیسے خدانخواستہ ایمرجنسی والی کوئی بات ہو۔ جو رات گئے کسی کے گھر پر فون کر کے بات بتانی ضروری تھی۔ صبح ہو جاتی تو نہ معلوم کیا ہو جاتا۔ پھر جن کے گھر فون ہے وہاں آئے دن رانگ نمبر کالز بہت آتی ہیں۔ یا تو لوگ نمبر ملاتے وقت دھیان نہیں دیتے یا جان بوجھ کر تنگ کرتے ہیں کہ ٹیلی فون رکھنے والا پریشان رہے۔ یہ بات سو فیصد درست ہے کہ ٹیلی فون کی افادیت بہت ہے۔ آپ دفتر میں لیٹ ہو رہے ہیں فون پر اطلاع دے دیں کہ دس منٹ لیٹ ہو جاؤں گا۔ یا پھر آج نہیں آؤں گا۔ لوگ آسرے میں نہیں رہتے۔ کوئی خوشی کی خبر، کسی کے مرنے کی اطلاع، کسی کے پہنچے کی اطلاع، شادی بیاہ، دکھ سکھ، ہر طرح کی اطلاع آپ فون کے ذریعے کر سکتے ہیں لیکن اس کے برعکس جو رانگ نمبر کی کالز کی وجہ سے ٹینشن میں مبتلا ہوتے ہیں اس سے فائدے کی خوشی کرب میں بدل جاتی ہے۔ یہاں نارتھ امریکہ یا یورپی ممالک میں ٹیلی فون ٹیکنالوجی اس قدر ترقی کر گئی ہے کہ نت نئے پروگرام کے ذریعہ اپ گریڈنگ ہو گئی ہے کہ آپ میسج ریکارڈ کر سکتے ہیں میسج Retrieve یا Delete کر سکتے ہیں۔ کانفرنس کال کر سکتے ہیں۔ آسانیاں تو بہت ہیں لیکن ہم میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کی اپروچ منفی ہے۔ انہوں نے ان ہی سہولیات کو اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا ہے اس میں بلیک میلنگ بھی شامل ہے۔ جو لوگ اغواء برائے تاوان کرتے ہیں وہ بھی ٹیلی فون کا ہی استعمال کرتے ہیں جبکہ ۹۱۱ پر ڈائل بھی آپ ٹیلی فون کے ذریعہ ہی کرتے ہیں۔ اسی ٹیلی فون کی وجہ سے منٹوں میں پولیس آپ کی مدد کو پہنچ جاتی ہے۔ یا پھر اگر ایمبولینس چاہیئے ہو تب بھی ٹیلیفون کا سہارا ہی لینا پڑتا ہے۔ اب میں ان لوگوں کا کیا کیجئے جو ٹیلی فون غلط مقصد کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

میرا ایک بڑا اچھا واقف کار ہے۔ اس کی جیولری کی دکان ہے جو بڑا خوش اخلاق اور خوش گفتار ہے۔ کوئی بھی کسٹمر اپنی دکان پر آ گیا خواہ مرد ہو یا عورت اس کی باتوں سے اس قدر مطمئن ہو جاتا ہے کہ کچھ لئے بغیر وہاں سے نہیں جاتا۔ یوں سمجھ لیں کہ یہ بڑا اچھا سیلز مین ہے ایک دن اس کے ساتھ ایک نادان دوست نے بڑی عجیب حرکت کی۔ اس کی دکان میں آیا اور ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ میرا یہ واقف کار اپنے کسٹمر کو نت نئے طریقے سے مطمئن کرنے میں مصروف تھا۔ اس میں خواتین بھی تھیں۔ بہرحال جب میرا یہ واقف کار اپنی دکان بند کر کے گھر پہنچا تو وہاں ایک بہت بڑا مسئلہ کھڑا دیکھا۔ میرے اس واقف کار کی بیوی اس سے طلاق کا مطالبہ کر رہی تھی۔ پوچھنے پر پتا چلا کہ دکان پر آنے والا وہ نادان دوست اپنی شرٹ کی جیب میں موجود Cell Phone پر اس کی بیگم کو وہ ساری گفتگو سنا رہا تھا جو میرا یہ واقف کار آنے والی کسی خاتون سے کر رہا تھا جو کچھ یوں تھا کہ یہ جھمکا آپ پر بہت بچ رہا ہے اور یہ ہار تو ایسا لگتا ہے کہ بنا ہی آپ کے لئے ہے۔ آپ کی خوبصورتی میں بس چار چاند لگ گئے۔ ایک تو آپ ہیں ہی بہت خوبصورت اس پر یہ ہار اور جھمکے قیامت لگ رہی ہیں آپ۔ یہ ایک نارمل بات تھی۔ ایک سیلز مین اور کسٹمر کے درمیان۔ لیکن اس نادان دوست نے تو اس سیل فون کی بدولت ایک بسا بسایا گھر توڑ دیا۔ میرے اس واقف کار اور اس کی بیگم میں علیحدگی ہو گئی ہے۔

میرے ایک اور جاننے والے ہیں ان کے ساتھ بھی ان کے ایک بے تکلف دوست نے بڑا ہی بے تکا مذاق کیا۔ انسان کی فطرت میں یہ بات ہے کہ اگر لوگ بیٹھے کسی شخص کی برائی بیان کر رہے ہوں تو انسان کچھ نہ کہتے ہوئے بھی ہاں میں ہاں ملاتا رہتا ہے۔ جیسے صحیح بات ہے، بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ، جی ہاں ایسا تو ہونا ہی چاہیئے تھا...... وغیرہ وغیرہ۔ اس تھری وے فون لائن نے تو میرے اس جاننے والے کو بڑی مشکل میں ڈال دیا۔ ایک ایک کر کے کئی دوست اس سے بدظن ہوتے گئے اور آخر کار جب اصل وجہ معلوم بھی ہوئی تو بہت دیر ہو چکی تھی۔ دراصل ہوتا یہ تھا کہ میرے اس جاننے والے کے دوست جب اس سے بات کرتے تو تیسری لائن پر پہلے سے کوئی ان کا مشترکہ دوست موجود ہوتا تھا۔ اب وہ کوئی بھی بات کرتا اور اس کی رائے معلوم کرتا تو یہ سچ

بول دیتا۔اس طرح تیسری لائن پر موجود ان کا مشترکہ دوست اس کی سچی باتیں سن کر خفا ہو جاتا اور اس طرح ان کی آپس کی دوستی ختم ہو جاتی۔ ہر انسان میں خوبیاں زیادہ ہوتی ہیں کسی میں خامیاں۔ لیکن اگر کسی کی صرف خامیوں کا ذکر کیا جائے تو ناراضگی تو ہو گی......آج میرا یہ جاننے والا اپنی صاف گوئی اور بے باکی کی وجہ سے کئی اچھے دوست گنوا کر پریشان ہے کیوں کہ اچھے دوست بڑی مشکل سے ملتے ہیں۔

اس لئے لوگوں کو چاہیئے کہ وہ دوسروں کو پریشان کر کے اپنی پریشانیوں کو دعوت نہ دیں۔ کیوں کہ جس نے بھی کبھی دوسروں کے لئے گڑھا کھودا ہے اس میں وہ خود گرا ہے۔ بعض لوگوں نے تو یہ طے کر لیا ہے کہ وہ اپنی ذات سے جتنا بھی ہو سکے گا دوسروں کو نقصان ہی پہنچائیں گے۔ لیکن وہ یہ شاید بھول گئے ہیں کہ نیلی چھتری والا سب دیکھ رہا ہے اور وہی انصاف کرنے والا ہے۔ حقیقت بڑی تلخ ہوتی ہے۔ برداشت کرنے میں بقا ہے۔ جس طرح کڑوی دوا حلق سے نیچے نہیں اترتی لیکن شفا پانے کے لئے اسے پینا ہی پڑتا ہے ۔

دنیا میں ہم آئے ہیں تو جینا ہی پڑے گا
جیون ہے اگر زہر تو پینا ہی پڑے گا

آخر میں اتنا بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ جب بھی آپ کبھی ایسے حالات سے دوچار ہوں کہ کوئی شخص فون پر آپ سے کسی بھی تیسرے شخص کے بارے میں کوئی رائے معلوم کرنا چاہ رہا ہو تو آپ اس سے کہیں کہ میں دو منٹ بعد آپ کو فون کرتا ہوں۔ اس طرح لائن ڈس کنیکٹ ہوتے ہی وہ تیسری لائن بھی ڈس کنکٹ ہو جائے گی۔ اب آپ نئے سرے سے اس شخص کو ڈائل کر لیں لیکن دوران گفتگو اسے اس بات کا موقع ہرگز نہ دیں کہ وہ آپ کو ہولڈ کروا کر دوبارہ اس تیسرے شخص کو ڈائل کر دے۔ اسی صورت میں اگر آپ کو شک پڑ جائے تو پھر وہی طریقہ دہرائیں۔ اس طرح آپ ان لوگوں کے ناپاک عزائم سے بچ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسے شر پسندوں سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

......☆......

http://www.kitaabghar.com

ذمہ داری

کون کہتا ہے کہ ذمہ دار ہوں اس بات کا
مجھ کو ذمہ دار کا مطلب بھی تو معلوم ہو

ذمہ داری کا احساس تو اسے ہوتا ہے جسے کبھی کوئی ذمہ داری دی گئی ہو اور وہ اس بات کا جواب دہ ہو۔ عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ لوگ اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں کا ذمہ دار بھی دوسروں کو ٹھہراتے ہیں۔

مثلاً اگر صبح سویرے آپ کی آنکھ نہیں کھلی اور آپ دفتر جانے کے لئے لیٹ ہو گئے تو یہی کہیں گے کہ کسی نے مجھے جگایا کیوں نہیں۔ یعنی اٹھے خود نہیں وقت پر اور اس کی ذمہ داری دوسروں پر ڈال دی۔ ارے بھئی آج کے دور میں ہر شخص ہی مصروف ہے۔ اپنے اپنے کاموں میں کسی کے پاس اتنا وقت کہاں کہ دوسروں کو جگاتا پھرے۔ آپ کو چاہیئے کہ آپ الارم لگا کر سوئیں۔

کچھ لوگ اتنے بھولے ہوتے ہیں کہ وہ ذمہ داری کا مطلب ہی نہیں سمجھتے۔ ایک جگہ انٹرویو میں گئے ان سے پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں کہ آپ نے کبھی کوئی ذمہ داری کا کام انجام دیا ہے۔ وہ صاحب بولے ایک دو جگہ نہیں میں نے درجنوں جگہ ذمہ داری کا کام کیا ہے۔ سب سے پہلے جس فیکٹری میں کام کرتا تھا وہاں اچانک آگ لگ گئی تھی اور اس کی وجہ کچھ بھی ہو مگر ذمہ دار مجھے ہی ٹھہرایا گیا۔ چونکہ پوری فیکٹری میں میں ہی ایک ذمہ دار ورکر تھا۔

پھر جب ایک فائیو اسٹار ہوٹل کے کچن میں کام کرتا تھا اور وہاں ایک ''والو'' کے کھلے رہ جانے کی وجہ سے ''فلڈ'' آ گیا۔ کئی منزلوں تک پانی ہی پانی ہو گیا اور ایک سیلاب کی سی کیفیت

ہوگئی۔اس بار بھی والو کھلے رہ جانے کی ذمہ داری مجھ پر ہی عائد کی گئی چونکہ میں ہوں ہی ایک ذمہ دار آدمی۔

پھر میں ایک اسکول میں بچوں کی نگرانی کرنے کے کام پر لگا۔اسی دوران ایک بچہ اسکول کی چارمنزلہ عمارت سے گر گیا جسے بہت چوٹیں آئیں اور پھر اس حادثے کی ذمہ داری بھی مجھ پر ہی لاد دی گئی۔اس کے بعد میں ریلوے میں ''کانٹا بدلنے والا'' بن گیا۔گزارا آرام سے ہو رہا تھا کہ ایک دن دو ٹرینیں ایک ہی پٹڑی پر آ کر ٹکرا گئیں۔بہت لوگ مر گئے اور بہت سے زخمی ہو گئے۔اس حادثے کی ذمہ داری بھی مجھ پر ڈالی گئی چونکہ میں ایک ذمہ دار آدمی ہوں۔

ایک اور صاحب اپنی ملازمت کے سلسلے میں جب انٹرویو دینے گئے تو انٹرویو لینے والے صاحبان میں سے ایک نے ان سے سے پوچھا کہ آپ نے کبھی ''کسی کی'' پوسٹ پر بھی کام کیا ہے۔ وہ صاحب فوراً بولے ساری ''عمر کی'' پوسٹ پر ہی کام کیا ہے۔مثلاً میرے پاس دس گوداموں کی چابیاں تھیں اور میرے حکم کے بغیر ایک ڈبہ بھی ادھر سے ادھر نہیں ہوسکتا تھا۔یہ سن کر انٹرویو لینے والوں میں سے ایک نے کہا کہ ''کی پوسٹ'' سے میری مراد اعلیٰ عہدہ ہے' چوکیداری نہیں۔یہ سن کر وہ صاحب بولے ملازمت نہیں دینی ہے تو بے شک نہ دیں لیکن ''کی پوسٹ'' کا مطلب تو نہ بدلیں۔

ہمارے لوگ بھی کتنے سادہ ہوتے ہیں۔بتایئے ''کی پوسٹ'' کا مطلب نہیں سمجھتے۔ارے بھئی ''کی پوسٹ'' کا مطلب ہوا ''چابی والا عہدہ''۔اللہ اللہ خیر سلا۔

آپ نے نوٹ کیا ہوگا کہ کچھ لوگ Evil Minded ہوتے ہیں۔ان کو اپنی زندگی میں سکون میسر نہیں ہوتا۔ہر وقت ہر کسی کی بات میں شر کا عنصر تلاش کر ہی لیتے ہیں۔اگر آپ ان کے گھر ان سے ملنے کے لئے گئے ہیں تو فوراً پوچھیں گے کہ ارے بھئی کیا بات ہے آج کس ارادے سے آئے ہو۔ارادے تو نیک ہیں نا۔تھوڑی دیر بعد شور مچادیں گے۔یہاں پر میں نے اپنی گھڑی رکھی تھی آپ نے تو نہیں دیکھی۔غرض یہ کہ گھڑی کے گم ہو جانے کی ذمہ داری بھی آپ پر مسلط کرنا چاہتے ہیں۔اگر یہی صاحب آپ کے گھر آپ سے ملنے کی غرض سے آئیں تو بھی آتے ہی آپ سے پوچھیں گے کہ ارے بھئی آج میری جان کو تمہارے اس مکان سے کوئی خطرہ تو لاحق نہیں

ہے۔اب آپ گھبرائیں گے ان کا بہتر طریقے سے خیال رکھیں گے کہ کچھ ایسا ویسا نہ ہو جائے اور اللہ اللہ کر کے جب وہ آپ کے گھر سے چلے جائیں تو آپ شکرانے کے نفل ادا کریں گے ورنہ کچھ بھی ہو جاتا۔اگر کھانسی بھی آ جاتی تو بھی اس کی ذمہ داری آپ پر ہی ہوتی۔

میرے ایک لنگوٹیا دوست ہیں بڑے شکی مزاج۔ان کی شروع سے ہی یہ عادت تھی کہ ہر وہ کام جو اچھا ہو گیا وہ انہوں نے خود کیا ہے اور اگر کوئی کام غلط ہو گیا تو اس کی ذمہ داری کسی نہ کسی کے سر ضرور تھوپ دیں گے۔پچھلے سال کینیڈا آئے ہوئے تھے گھومنے پھرنے کی غرض سے۔دو ماہ رہنے کے بعد وطن لوٹ گئے ہیں۔کبھی فون تو کبھی خط سے رابطہ رہتا ہے۔چونکہ میرا بچپن اس کے ساتھ گزرا ہے اس لئے اس کی ہر عادت سے میں واقف ہوں۔مجھے اس کی کوئی بات بری نہیں لگتی۔مجھے یاد ہے کہ ایک بار اس کے گھر کے آگے کسی نے ایک مری ہوئی مرغی ڈال دی تھی۔اس نے پورے محلے کو جمع کر لیا اور کہا کہ یہ مرغی جس نے ڈالی ہے آ کر اٹھا لے ورنہ میں بازار میں جا کر سینکڑوں مری ہوئی مرغیاں لا کر سب کے دروازے پر ڈال دوں گا۔شام ہوتے ہوتے کوئی شخص آیا اور مرغی اٹھا کر لے گیا۔ورنہ نہ معلوم اس کی ذمہ داری کس پر ڈال دی جاتی۔پچھلے ہفتے خبر ملی کہ میرے اسی دوست کے گھر بارہ سال بعد پہلے بچے کی پیدائش ہونے والی ہے۔اب ہر شخص ڈرا ہوا ہے کہ نہ معلوم اس کی ذمہ داری میرا دوست کس پر ڈال دے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو شر پسندوں کے شر سے محفوظ رکھے اور انہیں ہدایت دے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو تنگ نہ کریں کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی لاٹھی بے آواز ہے۔

جب کبھی جس نے کہیں بھی کام کچھ گڑ بڑ کیا
ہر دفعہ مجھ کو ہی ذمہ دار ٹھہرایا گیا

......☆......

http://www.kitaabghar.com

چلے ہو تم اجی کہاں
ذرا سا بیٹھو تو یہاں

تمہیں سناؤں داستاں
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

ہم کون ہیں؟

ہے یہاں پر کون جو بتلائے کہ ہم کون ہیں
ساتھ موسیٰ کا ہے تو پھر ساتھ کیوں فرعون ہیں

جب سے ہوش سنبھالا ہے گھر کے ماحول کو اسلامی پایا۔ نماز‘ روزہ‘ رمضان کا خاص اہتمام‘ تراویح‘ پڑھنے پڑھانے کا انتظام‘ اعتکاف کی اہمیت۔ اسی طرح عید‘ بقر عید پر لوگوں کا گھر آنا اور ہم سب کا لوگوں کے گھر جانا۔ عین اسلامی روایات کے مطابق ہوتے دیکھا۔ اس بات کا ذکر بطور خاص کروں گا کہ والدین کو پانچ وقت کا نمازی اور ہم سب بہن بھائیوں کو نماز پڑھنے کی تاکید کرتے دیکھا۔ آج ہم جو کچھ بھی ہیں اپنے والدین کی دعاؤں کی برکت کی وجہ سے ہیں۔

جب سے اس ملک میں آئے ہیں ’ویلنٹائن ڈے‘ تھینکس گیونگ ڈے‘ سوک ہالیڈے‘ فادرز ڈے‘ مدرز ڈے‘ اور ہالیوین جیسی تقریبات ہوتے دیکھا۔ اس کا اثر بچوں پر بھرپور پڑا کہ آخر ویلنٹائن ڈے میں وہ کیا کریں جبکہ ان کے کلاس میٹ اور دوسری ایکٹی وٹیز میں مصروف ہیں۔ آپ لاکھ سمجھائیں بچے ہیں کہ ماننے کا نام نہیں لیتے اور وہ بھی عجیب کشمکش میں مبتلا رہتے ہیں کہ میرے والدین صحیح کہہ رہے ہیں یا پھر میرے اسکول میٹس۔ جو لوگ ٹھوس دلائل سے اپنے بچوں کو قائل کر لیتے ہیں اور انہیں سمجھانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں وہ تو بچ گئے لیکن جن کے بچے اپنے والدین کی باتوں کو اہمیت نہیں دیتے وہ نہ صرف خود پریشان ہوتے ہیں بلکہ اپنے والدین کو بھی سخت ٹینشن میں ڈال دیتے ہیں۔ جس سے کئی افراد اس صدمے کو برداشت نہ کرتے ہوئے اپنی صحت کے ساتھ ساتھ اپنی زندگی بھی گنوا بیٹھتے ہیں۔ اللہ خیر کرے۔

بچوں کو اگر شروع سے ہی یہ بتا دیا جائے کہ ہمارا مذہب ہمیں کن باتوں کی اجازت دیتا ہے اور کن باتوں کی نہیں تو بچے سمجھ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے مان جاتے ہیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ وہ نہ مانیں۔ اب یہ بڑوں پر منحصر ہے کہ وہ انہیں یہ بات کس طرح بتاتے ہیں یا سمجھاتے ہیں۔ بزرگوں نے کیا خوب کہا ہے کہ اپنے بچوں کو کھلاؤ سونے کا نوالہ مگر دیکھو شیر کی نگاہ سے۔ اس جملے میں کتنی خوبصورت بات کہی گئی ہے کہ بچوں سے پیار و محبت جی بھر کر کرو لیکن نظر ان پر کڑی رکھو کہ کہیں گمراہی کے راستے پر نہ چل نکلیں۔ کیوں کہ کھلی آزادی ان کو دے دی گئی تو اس کا مطلب وہ یہ لیں گے کہ اب جو چاہو کرو لیکن بڑوں نے کہا ہے کہ آزادی کا مطلب بے لگام ہو جانا نہیں۔ بچے اپنے بارے میں اگر خود ہی فیصلے کرنے لگیں کہ انہیں کیا کرنا چاہیئے اور کیا نہیں تو بات بننے سے پہلے ہی بگڑ جائے گی۔ اس لئے ضروری ہے کہ بڑے ان کی رہنمائی کرتے رہیں انہیں ان کے حال پر نہ چھوڑ دیں کیوں کہ وہ معصوم ہوتے ہیں انہیں کچھ پتا نہیں کہ ان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے یا پھر کیا ہونے والا ہے۔

پچھلے دنوں ہمارے ایک دوست نے ہمیں اپنی اکلوتی بیٹی کی سالگرہ کی تقریب میں بلایا۔ ہم سب لوگ وہاں پہنچے تو پتہ لگا کہ یہ ان کی بیٹی کی سولہویں سالگرہ ہے۔ کچھ دیر بعد ہمارے علم میں یہ بات آئی کہ یہ ''سویٹ سکسٹین'' کی تقریب ہے۔ یہ ایک عام سالگرہ کی تقریب نہیں ہے۔ اس تقریب کے انتظامات بھی ان کی بیٹی اور اس کی سہیلیوں نے سنبھال رکھے تھے۔ گویا ماں باپ خود تقریب میں مہمان کی حیثیت سے موجود تھے۔ ان کے اختیارات محدود تھے۔ کچھ علاقے میں ان کو جانے کی اجازت بھی نہیں تھی۔ خیر صاحب خدا خدا کر کے کیک کاٹنے کا لمحہ آیا تو ایک بڑی سی ٹرالی میں کیک رکھ کے لایا گیا۔ بتیاں بجھا دی گئیں صرف کینڈل لائٹ میں سالگرہ کے کیک کو کاٹنے کا عمل وجود میں آیا۔ اس کے ساتھ ہی ''سولو ڈانس'' جوان کی بیٹی نے شروع کیا وہ سولہ لڑکیوں کے ڈانس میں شامل ہو جانے تک جاری رہا۔ یہ اپنی نوعیت کی پہلی تقریب تھی جس میں مجھے شرکت کرنے کا موقع ملا۔ پھر رفتہ رفتہ اور لوگ بھی اس رقص میں شامل ہو گئے۔ جس میں مرد عورت بوڑھے بچے جوان سب ہی شامل تھے۔ میں ایک طرف بیٹھا سوچ رہا تھا کہ یہ کسی بھی صورت ایک مسلمان کے گھر کی تقریب تو نہیں لگ رہی۔ کچھ دیر بعد کھانا لگایا گیا۔ تمام مہمانوں نے کھانا کھایا اور

اپنے اپنے گھر کی راہ لی۔ اس رات میں دیر تک جاگتا رہا اور کسی بھی نتیجے پر پہنچے بغیر رات کے پچھلے پہر یہ کہہ کر سو گیا کہ ان بگڑے ہوئے حالات کو سوائے خدا کی ذات کے کوئی سدھار نہیں سکتا۔

اللہ اللہ کر بھیا اللہ ہی سے ڈر بھیا

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ہم اسکول کے زمانے میں اکثر یہ سوچتے تھے کہ ہمارے ماسٹر صاحبان ہمیں کسی بھی سینما ہال میں فلم دیکھتے ہوئے کیوں نظر نہیں آتے لیکن جب ہوش سنبھالا تو اندازہ ہوا کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنی زبان میں اثر رکھنے کی خاطر اپنے اس شوق اور تفریح کو دبا دیتے تھے کہ جو انہیں سینما ہال میں جا کر فلم دیکھ کر حاصل ہوتی (واہ رے قربانی) لیکن آج کل اس کے برعکس طالب علم اور استاد ایک سینما ہال میں بیٹھ کر ایک ہی فلم دیکھتے ہیں (واہ بھئی واہ)۔

پچھلے دنوں ایک شادی کی تقریب میں جانے کا اتفاق ہوا۔ حسب معمول خوبصورت سے ایک اسٹیج پر دولہا دلہن بیٹھے تھے۔ اسٹیج کے دائیں جانب چند سنگر صاحبان اپنے ساز و سازندوں کے ساتھ موجود تھے۔ اسٹیج کے دوسری جانب چند مولوی حضرات بیٹھے تھے۔ پہلے تو مجھے ایک جھٹکا سا لگا کہ یہ مولوی حضرات اس گانے بجانے کی محفل میں کیسے آ گئے۔ معلوم کرنے پر کسی نے بتایا کہ نکاح چونکہ مسجد میں ہوا ہے اس لئے وہاں سے بلائے گئے تھے تا کہ کھانا تناول فرما سکیں۔ ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ زور دار دھن میں دلہن اور دولہا کو ایک فلمی گانا سنا کر لایا گیا۔ گانے کے بول تھے:

ہم بنے تم بنے اک دوجے کے لئے
اس کے فوراً بعد دوسرا گانا گایا گیا۔
دو دل مل کر رہے ہیں مگر چپکے چپکے
سب کو ہو رہی ہے خبر مگر چپکے چپکے
پھر تیسرا گانا تھا
ایک دن آپ یوں ہم کو مل جائیں گے
پھول ہی پھول راہوں میں کھل جائیں گے
میں نے سوچا نہ تھا

اسی دوران میری نظر مولویوں پر پڑی جو کچھ گھبرائے ہوئے تھے۔ میں ان کے قریب گیا تو سنا کہ وہ منتظمین سے کہہ رہے ہیں ارے بھائی ہمیں اگر آپ لوگ کھانا کھلا دیں تو ہم لوگ چلے جائیں گے ایسا نہ ہو کہ لوگ باتیں بنائیں اور کہیں کہ مولوی حضرات بھی گانا سن کر لطف اندوز ہو رہے تھے۔ اخبار کی خبر بن سکتی ہے۔

میرے دل میں یہ خیال آیا کہ انہیں لوگوں کے باتیں کرنے اور اخبار میں چھپنے کا تو خوف ہے لیکن اللہ کا ڈر نہیں ہے کہ فرشتے آج ان کے بارے میں کیا ریمارکس پاس کر رہے ہوں گے۔ انہیں اگر گانا سننے کا بہت شوق تھا تو یہ گانا گنگناتے ہوئے اس محفل سے نکل جانا چاہیئے تھا کہ:

یہ دنیا یہ محفل میرے کام کی نہیں

آخر میں گھوم پر کر وہی سوال میرے دماغ و دل پر چھا جاتا ہے کہ کوئی ہے جو ہمیں بتلائے کہ ہم کون ہیں......اور کیا کر رہے ہیں؟

......☆......

جو دل کسی سے جوڑیئے
تو منہ کبھی نہ موڑیئے

یوں جیتے جی نہ چھوڑیئے
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

نیم حکیم خطرۂ جان

گر نہیں آتا ہے کوئی کام تو کرتا ہے کیوں
جو نہیں قسمت میں تیرے اس پہ تو مرتا ہے کیوں

ایک صاحب کی گھڑی چلتے چلتے بند ہوگئی تو ان کے ایک بہت ہی بے تکلف دوست نے کہا کہ لاؤ میں ٹھیک کر دوں۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنے دوست کی گھڑی لی اور ایک طرف بیٹھ گئے اور اسے ٹھیک کرنے لگے۔ گھنٹے بھر کی کوشش کے باوجود اسے ٹھیک کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے تو گھڑی کے الگ الگ پرزے لا کر اپنے دوست کے حوالے کرتے ہوئے بولے کہ یار مجھ سے ٹھیک نہیں ہو سکتی تم چاہو تو یہ کسی گھڑی ساز کو دکھا لو شاید وہ ٹھیک کر دے۔ ویسے امید تو مجھے سو فیصد ہے کہ یہ ٹھیک نہیں ہو سکتی۔ ان کی یہ بات سن کر اس دوست نے کہا اگر تم اسے ٹھیک کرنے کی کوشش نہ کرتے تو شاید یہ ٹھیک ہو بھی جاتی لیکن اب تو رہی سہی امید بھی جاتی رہی۔ دوست کہنے لگا کہ آج کل نیکی کا زمانہ نہیں رہا میں نے تو تمہاری مدد کرنا چاہی اب نہیں ہو سکی تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔ اس بات پر دوست بولا یار قصور تو میرا ہے کہ میں تمہارا دوست کیوں بنا۔

اسی طرح ایک صاحب اپنے کسی دوست کے ہمراہ اپنی موٹر کار میں جا رہے تھے کہ اچانک ان کی کار خراب ہوگئی۔ دوست جو ان کے ہمراہ بیٹھے تھے بولے کہ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے مجھے کار کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہے تم بونٹ کھولو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اب وہ صاحب مختلف قسم کے ٹولز کی فرمائش کرتے ان کے دوست ان کو فراہم کرتے رہتے اور یہ کھول اور وہ کھول...... قصہ مختصر کار ٹھیک تو نہیں ہو سکی لیکن کام انہوں نے بڑھا ضرور دیا۔ پہلے تو شاید

'ٹو' کر کے گاڑی گیراج تک چلی بھی جاتی اب تو ٹونگ ٹرک کے بغیر گاڑی گیراج تک نہیں پہنچ سکتی۔خرچہ دوگنا ہو گیا۔

ہمارے ملک میں پولی ٹیکنیک انسٹی ٹیوٹ سے جو لوگ تعلیم حاصل کرتے ہیں تو انہیں ایسوسی ایٹ انجینئر کا ڈپلومہ دیا جاتا ہے۔ یہ لوگ پورے انجینئر تو نہیں ہوتے لیکن اسی قسم کی چیز ہوتے ہیں ۔مثلاً دو سال مزید اگر کسی یونیورسٹی سے اسپیشل کورس کر لیں تو ڈگری مل جاتی ہے۔لیکن اس سے قبل یہ لوگ بڑے پریکٹیکل ہوتے ہیں ۔انہیں اپنے ہاتھ سے کام کرنے کا بہت تجربہ ہوتا ہے ۔میرے ایک عزیز دوست کے بھائی بھی اپنے ملک میں ڈپلومہ ہولڈر ہیں اور ایک پرائیویٹ فرم میں گاڑیوں کی خرید و فروخت کرنے میں ان کی مدد کرتے ہیں ۔گویا کہ سیلز ری پریزنٹیو ہیں ۔پرانی گاڑیاں بھی وہاں بکنے آتی ہیں۔میرے دوست کے بھائی ہر وقت ہاتھ میں ایک ہتھوڑا لئے گھومتے رہتے ہیں۔ نامعلوم اس ہتھوڑے سے وہ کیا کام لیتے ہیں۔اس سے تو گاڑیوں میں ڈینٹ لگانے کا کام ہی لیا جاسکتا ہے نکالنے کا تو نہیں ۔وہ ایک زمانے سے اس فرم میں کام کر رہے ہیں لیکن امید ہی ہے کہ کبھی بھی ان کے بارے میں کوئی اور کسی بھی طرح کی خبر مل سکتی ہے۔

میرے ایک عزیز ہیں ۔انہیں ہم سب ہرفن مولا کہتے ہیں۔ آپ کا کوئی بھی کام ہو وہ کود پڑتے ہیں ۔اگر آپ نے کہا میرے گھر کا ایئر کنڈیشنر ٹھیک سے کولنگ نہیں کر رہا۔فوراً اسکرو ڈرائیور لے کر پورا یونٹ کھول ڈالیں گے۔ٹھیک ہونا نہ ہونا آپ کی قسمت ۔لیکن وہ جان لڑا دیں گے۔صرف یہ سننے کے لئے کہ وہ بڑے کام کے آدمی ہیں۔

ایک اور دوست کے بڑے بھائی بہت دلچسپ آدمی ہیں۔ اپنے آپ کو ٹی وی اسپیشلسٹ کہتے ہیں جس کسی کا بھی ٹی وی خراب ہوتا ہے وہ اپنی گاڑی میں رکھ کر لے جاتے ہیں اور اسے ٹھیک حالت میں واپس لا کر دے دیتے ہیں ۔آج تک کسی نے ان کی دکان نہیں دیکھی ۔نامعلوم وہ یہ ٹی وی کہاں لے جاتے ہیں' کس سے بنواتے ہیں ان کے بارے میں لوگوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ انہیں ٹی وی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ جب بھی کسی نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ آپ کی دکان کہاں ہے' ہے بھی یا نہیں کہ گھر پر کام کرتے ہیں۔ جواب ملا کہ تمہیں آم کھانے سے

مطلب ہے کہ پیڑ گننے سے۔ مجھے آج بھی وہ دن اچھی طرح یاد ہے کہ سن ۲۰۰۰ء میں اپنے وطن واپسی پر ائیر پورٹ سے اپنے ٹکٹ کنفرم کرانے میں جو دشواری پیش آئی تھی اتنی دشواری تو مجھے کینیڈا کا امیگریشن حاصل کرنے میں بھی نہیں ہوئی تھی۔ ہوا یوں تھا کہ میں نے اپنے اہل خانہ کے ہمراہ عمرہ ادا کرنے کے اور پھر واپسی پر اپنے وطن ہوتے ہوئے کینیڈا آنے کی غرض سے ایک مقامی ٹریول ایجنٹ سے اپنا ٹکٹ بنوایا۔ ہر ٹکٹ پر لکھا تھا ''او۔ کے'' دونوں طرف کا جبکہ حقیقت اس کے برعکس تھی ۔جاتے وقت کی کنفرمیشن تھی لیکن واپسی پر ریکوئسٹ ان کے ریکارڈ پر تھا۔ جب پندرہ دن قبل ائیر پورٹ ری کنفرم کرانے پہنچا تو یہ انکشاف ہوا پہلے تو میں گھبرا گیا کہ اب کیا ہوگا۔ بچوں کے اسکول بھی کھل جائیں گے ۔میری جاب کا کیا بنے گا۔اور چند شوز بھی متاثر ہوں گے۔ میں ہوشمندی سے کام لیتے ہوئے ان کے مین آفس گیا۔ساری انفارمیشن جمع کر کے اعلیٰ افسر سے بات کی ۔تمام صورت حال بتائی ۔ بالآخر مجھے واپسی کی سیٹ کچھ پیسے خرچ کر کے مل گئی۔ یہاں آ کر اس ٹریول ایجنٹ کے بارے میں اس وقت کے جی ایم کو بتایا۔انہوں نے فرمایا میں اس کیس کی انکوائری کروں گا۔ان کی طرف سے جواب کیا آتا' ان کا وطن سے بلاوا آ گیا۔ وہ یہاں سے چلے گئے ۔اللہ اللہ خیر سلا۔ آج بھی وہ ایجنسی قائم ہے اور لوگ یقیناً پریشان ہو رہے ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔لیکن ایک دلچسپ بات یہ معلوم ہوئی کہ وہ جی ایم صاحب جو یہاں سے چلے گئے ۔وہ تو خود تیس ڈالر پر ٹکٹ لیتے تھے۔کنفرمیشن کرانے کے لئے بے چارے ٹریول ایجنسی والوں سے وہ بھلا کس طرح انکوائری کراتے اور ایکشن لیتے ۔بات تو گھوم پھر کر ان پر آ جاتی ۔ہم لوگ بھی کیا لوگ ہیں بات سمجھتے ہوئے بھی نہیں سمجھتے ۔ہاں ایک دلچسپ بات اور کہ اب تو ٹریول ایجنسیوں کی اتنی بھر مار ہو گئی ہے کہ لوگوں نے اپنے گھروں کے بیس منٹ میں بھی ٹریول ایجنسی کھول لی ہے اور وہاں سے کاروبار ہو رہا ہے ۔اللہ خیر کرے۔ آخر ٹریول ایجنسی کھولنے کے بھی کچھ اصول ہوں گے۔ کچھ شرائط ہوں گی۔ جو چاہے جہاں چاہے اور جس طرح چاہے ٹریول ایجنسی کھول لے۔کیا تمام ٹریول ایجنسیاں تمام شرائط پوری کر پا رہی ہیں؟ پھر بھی یہ سوچ لیا ہے کہ آئندہ جب بھی اپنے ملک جانا ہو گا تو ڈائریکٹ ایئر لائن سے ٹکٹ خریدوں گا۔

پچھلے دنوں میرے ایک قریبی دوست نے ایک پراپرٹی خریدی تو ایک واقف کار نے میرے دوست سے کہا کہ میں نے نیا نیا کاروبار شروع کیا ہے۔ مارگیج دلوانے کا تمہارے لئے بندوبست میں کروں گا۔ میرا دوست بڑا بھولا ہے۔ وہ زمانے کے داؤ پیچ نہیں جانتا۔ ہر شخص پر اندھا دھند اعتماد کر لیتا ہے جس کی وجہ سے اس کو ہمیشہ نقصان اٹھانا پڑتا ہے اور اس بار بھی وہی ہوا کہ آخری دن کلوزنگ کا آ گیا اور مارگیج کا بندوبست نہ کروا سکا جس کی وجہ سے میرے دوست کو بیس ہزار ڈالر کا نقصان ہوا۔ کیونکہ اسے زیادہ ریٹ دے کر مارگیج کسی پروفیشنل سے لینی پڑی کیونکہ اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔ چونکہ کمیشن پر کام کرنے والے لوگ جو پروفیشنل مارگجز کے لیے کام کرتے ہیں اپنا کمیشن کھرا کرنے کے چکر میں یہ بھول جاتے ہیں کہ ان کی اس غیر ذمہ دارانہ حرکت کی وجہ سے دوسروں کا بڑا نقصان ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان نیم حکیموں سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

......☆......

مجھے وہ سمجھی پھول تھی
وہی تو اس کی بھول تھی

مرے پاؤں کی وہ دھول تھی
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

ڈائری کی شاعری

ہوتا اگر وہ شاعر، کرتا بلا کی شاعری
چونکہ نہ تھا وہ شاعر، لایا چھپا کے ڈائری

ہمارے شہر ٹورانٹو میں بڑے اچھے اور نامور شاعر موجود ہیں جن کا مقابلہ ماضی کے بڑے شاعروں کے ساتھ کیا جا سکتا ہے لیکن ان کی صف میں کچھ ایسے نام نہاد شاعر جنہیں شاعر کہنا بھی شاعری کی توہین ہے گھس گئے ہیں (گھس بیٹھیے)۔ جس کی وجہ سے شاعری کی فضاء خراب ہوگئی ہے اور حقیقی شاعر سخت الجھن اور کرب میں ضرور ہوں گے لیکن وہ اس بات کا برملا اظہار نہیں کر سکتے چونکہ کینیڈا ایک آزاد ملک ہے اور یہاں ہر ایک کو بولنے کی آزادی ہے، اپنا حق لینے اور اپنا مؤقف بیان کرنے کی آزادی ہے بھلے وہ نثر کہے یا نظم ۔

وہ نظم کہے یا کہے نثر
یہ بات ہے اس کی مرضی پر

بچپن سے یہ بات ذہن میں ہے کہ شاعر حضرات بہت پڑھے لکھے لوگ ہوتے ہیں۔ ان کے پاس الفاظوں کا ذخیرہ ہوتا ہے وہ اپنے الفاظ کے چناؤ سے کسی بھی معمولی چیز کو بہت خوبصورت بنا کر پیش کر سکتے ہیں۔ خاص کر غزل کہتے وقت تو شاعر حضرات تصورات کی دنیا میں کچھ اس طرح کھو جاتے ہیں کہ انہیں کچھ یاد ہی نہیں رہتا کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں۔ جیسے ۔

آنکھیں غزل ہیں آپ کی اور ہونٹ ہیں گلاب
سارے جہاں میں آپ کا کوئی نہیں جواب

میرے ایک بہت ہی بے تکلف دوست ہیں ان کی اور میری پہلی ملاقات اس وقت ہوئی جب ہم دونوں ایم اے اکنامکس کا فائنل امتحان دے رہے تھے۔ان ایک عجیب سی عادت تھی ہر ایک سے پوچھ لیتے تھے کہ تم نے کہاں تک تعلیم حاصل کی ہے۔کسی نے جواب دے دیا تو چپ ہو گئے ورنہ یہ کہہ کر جان چھوڑتے تھے کہ میں تم سے زیادہ پڑھا لکھا ہوں۔ہر محفل میں ہر ایک کو تڑی لگاتے رہتے۔ایک محفل میں کسی سے بات کرتے ہوئے حسب عادت جیسے ہی انہوں نے یہ جملہ مکمل کیا کہ ''میں تم سے زیادہ تعلیم یافتہ ہوں'' میں نے فوراً کہا کہ انہیں یہ کہنا پڑتا ہے(چونکہ یہ لگتے نہیں ہیں)۔

اسی طرح جو حقیقی شاعر نہیں ہوتے ہیں وہ بار بار اپنے آپ کو شعر کہلوانے کے لئے اپنے گھر پر یا پھر دوستوں کے ساتھ مل کر کسی جگہ پر اپنے خرچ پر مشاعرہ کرواتے رہتے ہیں تا کہ لوگ ان کو سنیں اور انہیں شاعر سمجھیں۔جبکہ جو حقیقی شاعر ہوتے ہیں انہیں اس بات کی قطعی پرواہ نہیں ہوتی ہے کہ انہیں کوئی شاعر سمجھے نہ سمجھے وہ اپنے کام میں مگن رہتے ہیں بلکہ وہ تو کہتے ہیں ۔

میں شاعر تو نہیں مگر اے حسیں
جب سے دیکھا میں نے تم کو شاعری آ گئی

یا پھر اس طرح اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں کہ ۔

میں جو شاعر کبھی ہوتا ترا سہرا کہتا
چاند کو چاند نہ کہتا، ترا چہرہ کہتا

ایک بہت اچھے شاعر نے یہ بھی کہا کہ ۔

میں پل دو پل کا شاعر ہوں
پل دو پل میری جوانی ہے
پل دو پل میری ہستی ہے
پل دو پل میری کہانی ہے

جو حقیقی شاعر ہوتے ہیں ان کو کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی ہے کہ میں شاعر ہوں۔ان کے الفاظ خود ان کے شاعر ہونے کی گواہی دے دیتے ہیں جیسے ۔

کسی شاعر کی غزل ڈریم گرل
کسی جھیل کا کنول ڈریم گرل
کبھی تو ملے گی کہیں تو ملے گی، آج نہیں تو کل
ڈریم گرل ڈریم گرل

مشہور واقعہ ہے کہ ایک صاحب بس میں سوار ہوئے اور ایک سیٹ پر بیٹھ گئے۔جب بس کچھ دیر بعد چل چکی تو انہوں نے سوچا کہ ساتھ بیٹھے ہوئے شخص سے اپنا تعارف کروانا چاہیے۔چونکہ سفر اتنا لمبا ہے کیسے طے ہوگا۔یہ سوچ کر ساتھ بیٹھے ہوئے شخص سے بولے میں شاعر ہوں۔اس شخص نے دوسرے ہی لمحہ کہہ دیا کہ میں بہرہ ہوں۔اب تو یہ بہت پریشان ہوئے کہ اب کیا ہو گا۔اس نے تو ٹکا سا جواب دے دیا۔موقع پاتے ہی سیٹ تبدیل کر لی۔اب دوسرے صاحب سے تعارف کروانے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ اس شخص نے کہا کہ شاعر صاحب آپ کو اس آدمی نے کیا کہا۔شاعر صاحب بولے وہ کہتا ہے کہ میں بہرہ ہوں۔اس پر اس شخص نے شاعر صاحب سے پوچھا کہ آپ کے خیال میں کیا وہ شخص بہرہ ہے۔شاعر صاحب بولے کہ وہ بہرہ ہو نہ ہو جھوٹا ضرور ہے کیونکہ میں نے جب اس سے کہا کہ میں شاعر ہوں تو پہلے اس نے سنا پھر بولا کہ میں بہرہ ہوں۔اگر وہ بہرہ ہوتا تو سن کر جواب کس طرح دے سکتا تھا۔بات ہے ذرا سوچنے والی۔

اسی طرح شاعروں سے متعلق یہ بات بھی بہت مشہور ہے کہ دو صاحب ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ رہے تھے اور ہانپ رہے تھے دونوں میں سے کوئی بھی رکنے کو تیار نہ تھا۔ایک صاحب جوان دونوں کو بھاگتے ہوئے دیکھ رہے تھے بڑی مشکل سے پیچھے بھاگنے والے صاحب کو روکنے میں کامیاب ہو گئے اور پھر پوچھا کہ کیا بات ہے صاحب آپ اس شخص کے پیچھے کیوں بھاگ رہے ہیں کیا اس شخص نے آپ کی کوئی چیز چرا لی ہے۔وہ صاحب بہت بے کسی سے بولے نہیں نہیں یہ بات نہیں ہے دراصل ہم دونوں شاعر ہیں۔اس نے اپنا شعر تو مجھے سنا دیا ہے اور جب میرے سنانے کی باری آئی تو بھاگ کھڑا ہوا۔یہ سن کر وہ صاحب بولے کہ یہ تو سراسر زیادتی ہے آپ کے ساتھ۔اس کو بھی آپ کی شاعری سن کر اسی طرح برداشت کرنا چاہیے تھا جس طرح کہ

آپ نے اس کی شاعری سن کر برداشت کیا۔

شاعری کسی کی میراث نہیں ہے لیکن اس کے لئے اچھی سوجھ بوجھ کا ہونا لازمی ہے۔ میں نے بہت سے شاعر دیکھے ہیں چند ایک سے ملا بھی ہوں بڑی عمدہ شاعری کرتے ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مجھ سے ایک ٹیلی ویژن پروگرام کے ہوسٹ نے انٹرویو کے دوران پوچھا تھا کہ آپ شعر بھی کہتے ہیں۔ جس پر میں نے جواب میں کہا تھا کہ میں شعر کہتا نہیں ہوں لکھتا ہوں چونکہ میں شاعر نہیں ہوں اور شاعر تو بہت پڑھے لکھے ہوتے ہیں۔ یہ سن کر ہوسٹ صاحب بولے کی جی ہاں جناب اس میں سے ایک آپ کے سامنے بیٹھا ہے۔ پھر ان کے کہنے پر میں نے اپنے چند اشعار ان کی نذر کئے تھے آپ بھی لطف اندوز ہوں۔

پہلا شعر:۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کو سمجھتے نہیں
ہم سمجھتے ہیں انہیں وہ یہ سمجھتے کیوں نہیں

دوسرا شعر:۔ جان ہو میرے تم ہی تو جان تم یہ جان لو
جان دے سکتے ہو تم تو جان دو یا جان لو

ان شاعروں کے پول بھی شاعر حضرات ہی کھولتے ہیں کیونکہ یہ سب ایک دوسرے کو جانتے ہیں کہ کون کتنے پانی میں ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ فلاں فلاں سے اشعار لکھوا کر اپنے نام سے شائع کرواتا ہے۔ کوئی یہ بھی انکشاف کر چکا ہے کہ فلاں نے پاکستان سے اور فلاں نے ہندوستان سے مرحوم شاعروں کے دیوان تک خرید کر منگوا لئے ہیں۔ نہ معلوم ان نام نہاد شاعروں کا یہ شوق انہیں کس دہلیز تک لے جائے گا۔ (اللہ خیر کرے)۔

مجھے آج یہ بات بتاتے ہوئے بڑی خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ میرے چھوٹے بھائی جو آج کل امریکہ کے شہر نیویارک میں ڈاکٹر ہیں نے جب اپنا مکان اپنے وطن میں خریدا تھا تو بہت خوش تھے۔ ہر شخص انہیں مکان کی خریداری پر مبارک باد دے رہا تھا۔ کوئی مٹھائی کی صورت میں کوئی پھولوں کے ہار کی صورت میں۔ میرے ذہن میں بھی اسی قسم کے جذبات تھے جو بالآخر شعر کی صورت میں زبان پر آ ہی گیا وہ کچھ اس طرح تھا کہ۔

جو خوشی تم کو ملی ہے وہ ہے چہرے سے عیاں
ہو مبارک تم کو یہ گھر ہر طرح فیضی میاں

میرے بھائی کو یہ شعر بہت پسند آیا۔ کہتے ہیں ناں کہ اچھے شعر کہنے یا لکھنے کیلئے شاعر ہونا ضروری نہیں۔ جو شاعر کہلاتے ہیں اور اچھے شعر نہیں کہتے یا لکھ پاتے ہیں تو وہ کیا شاعر ہیں۔ صرف نام کے۔ (اللہ کی پناہ)۔ ایک مشاعرے میں بڑی دلچسپ صورت حال دیکھنے اور سننے کو ملی کہ ایک شاعر جو حقیقی نہ تھے ایک ڈائری سے کلام سنانے کے دوران عجلت میں اس کلام کے شاعر حقیقی کا نام بطور تخلص پڑھ گئے۔ جب انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا تو ایک جھوٹ چھپانے کے لئے دوسرا جھوٹ۔ کیا کریں گے یہ بڑے ہو کر......؟

میرے والد کا انتقال ۱۹۹۶ء میں ہوا اور والدہ کا ۲۰۰۰ میں اپنے بھائی بہنوں کے اسرار پر میں نے دو اشعار لکھے۔ ایک والد کی قبر پر کتبے پر لکھا۔

نہ ہوگا اس سے بڑا کوئی غم کہ ہو گئے اب یتیم ہم
اے میرے والد محترم اے میرے والد محترم

اور دوسرا والدہ کی قبر کے کتبے پر۔

اب تو امّی بھی میری دنیا سے رخصت ہو گئیں
ہم بہت تڑپے ہماری آنکھیں پرنم ہو گئیں

میری شاعری کا انداز دیکھ کر میرے ایک بہت ہی بے تکلف دوست نے مجھ سے طنزیہ کہا کہ شاعری نہ کیا کرو۔ آخرت کی فکر کرو۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آخرت کی فکر صرف میں کیوں کروں تم بھی تو کرو۔ کہنے لگے تمہارے بھلے کے لئے کہہ رہا ہوں کیونکہ شاعر جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ اس پر میں نے کہا کہ داخل تو وہ ہوتا ہے جو باہر ہوتا ہے شاعر تو ہوں گے ہی جنت میں (اللہ معافی۔ جنت ملے نہ ملے آسرا تو ہے......!) لیکن ان کی بات پر مجھے ایک بہت مشہور شعر یاد آ گیا۔

گنا ہ گار واں چھوٹ جائیں گے سارے
جہنم کو بھر دیں گے شاعر ہمارے

کہا تھا تم نے آؤ گے
مجھے نہ اب ستاؤ گے

کہاں ہو تم بتاؤ گے
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

رئیل اسٹیٹ

جب بھی جائیداد لینی ہو کبھی اپنے لئے
یاد رکھئے پھرتے ہیں دلال چند اپنے لئے

رئیل اسٹیٹ ایک معزز پیشہ ہے لیکن اس میں موجود چند غیر معزز لوگوں نے اس پیشے کو بدنام کر دیا ہے۔ اب تو لوگ ان کی ٹیلی فون کال سے بھی گھبراتے ہیں۔ آخر کیوں......؟ ہمارے اپنے ملکوں میں بھی یہ ہوتا ہے کہ اگر آپ کسی رئیل اسٹیٹ ایجنٹ اور اس سے کہیں کہ بھائی مجھے فیز۔۵ میں ایک پلاٹ چاہیے تو فوراً کہے گا کہ کیا فرمائش کر دی آپ نے صاحب یہاں اول تو کوئی پلاٹ ہے ہی نہیں اگر ایک آدھ پلاٹ میں نے نکال بھی دیا تو سونے کے بھاؤ کا ملے گا۔ کیا آپ اس بات کے لئے تیار ہیں۔ خود اگر آپ نے اسی ایجنٹ سے یہ کہا ہوتا کہ بھائی میرے پاس فیز۔۵ میں ایک پلاٹ ہے جو بیچنا چاہتا ہوں تو اس پر وہ کہتا ارے صاحب فیز۔۵ کے پلاٹ کو تو کوئی پوچھتا ہی نہیں ہے۔ دس پلاٹوں کی فائلیں تو میرے پاس پڑی ہیں۔ لوگ چھوڑ گئے ہیں کہ جیسے تیسے ہو بیچ ڈالو۔ کوڑیوں کے مول بک رہے ہیں۔ صاحب یہ باتیں سن کر ہمارے کان پک چکے ہیں۔

جب سے نئے امیگرینٹس کینیڈا آنا شروع ہوئے ہیں رئیل اسٹیٹ کے بروکر بھی حرکت میں آ گئے ہیں۔ ان کی تو جیسے لاٹری نکل آئی ہو۔

چند سال قبل میرے ایک رشتہ دار اپنی فیملی کے ساتھ اپنے پیارے وطن سے جب کینیڈا آنے لگے تو انہوں نے مجھ سے رابطہ کر کے کسی ہوٹل میں قیام کا انتظام کرنے کو کہا جو میں نے کر دیا

اور ایئرپورٹ سے سیدھا انہیں ہوٹل تک پہنچا دیا۔ جس کمرے میں وہ فیملی ٹھہری تھی وہاں کچھ کھانے پینے کی چیزیں پھل اور جوس وغیرہ میں پہلے ہی رکھ کر ایئرپورٹ انہیں لینے گیا تھا۔ ہوٹل پہنچانے کے بعد ان لوگوں کو آرام کرنے کا مشورہ دیا اور کل آنے کا وعدہ کر کے میں اپنے گھر چلا آیا۔ جب دوسرے دن شام کو میں ان لوگوں سے ملنے گیا تو ان کے تیور بدلے ہوئے دیکھ کر میں بڑا پریشان ہوا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے یہ لوگ مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں۔ اس بات کا ذکر میں نے جب اپنی بیگم سے کیا تو وہ از راہ مذاق کہنے لگیں کہ کل اور آج میں اتنا فرق ہوتا ہی ہے۔ میں نے بھی اپنا رویہ محتاط رکھا اور ان کی اتنی ہی مدد کرتا جتنی کے وہ لوگ مجھ سے کہتے۔ جب بھی فون کرتا تو بچے فون اٹھاتے اور یہی کہتے کہ ممی اور ڈیڈی اپنے دوست کے ساتھ کہیں گئے ہیں۔ مجھے پریشانی شروع ہوئی کہ آخر یہ لوگ ہر روز کہاں چلے جاتے ہیں جس کا مجھ سے ذکر تک کرنا نہیں چاہتے اور ایسا کون سا دوست ان کا اچانک پیدا ہو گیا جو مجھ سے زیادہ قریب ہے اور روزانہ ان کو لے کر نکل جاتا ہے اور اگر اتنا زیادہ قریبی دوست ان لوگوں کا اس شہر میں موجود تھا تو پھر مجھے اس بات کی تکلیف کیوں دی گئی کہ ہوٹل وغیرہ بک کروں اور ائیرپورٹ بھی لینے جاؤں خیر۔ میں ابھی اس کھوج میں تھا کہ ان لوگوں نے مجھے یہ اطلاع دی کہ ہم لوگوں نے مکان خرید لیا ہے اور اگلے مہینے کی ۳۰ تاریخ کو ہماری کلوزنگ ہے اور ہم لوگ اس ہوٹل سے اپنے مکان میں چلے جائیں گے۔ یہ سن کے تو میں حیران رہ گیا کہ یا اللہ ان لوگوں کو آئے ہوئے ابھی دس دن بھی نہیں ہوئے ان لوگوں نے مکان بھی خرید لیا اور اگلے مہینے کی ۳۰ تاریخ کو کلوزنگ بھی ہے۔ اللہ خیر کرے۔ جب تفصیل معلوم کرنا چاہی تو بہت مشکل سے راز پر سے پردہ اٹھایا اور کہا کہ دراصل مجھے کسی نے منع کیا ہے کہ سب بات ابھی کسی کو نہ بتائیں۔ لوگ یہاں بڑے بدخواہ ہوتے ہیں' بنا بنایا کام بگاڑ دیتے ہیں۔ کسی کی خوشی ان سے برداشت نہیں ہوتی۔ دوسروں کی ترقی سے لوگ جلتے ہیں۔ میں نے ان لوگوں سے پوچھا کہ یہ سب بات آپ کو کس نے بتائی ہے تو ان کی بیگم کے منہ سے نکل گیا کہ اس رئیل اسٹیٹ بروکر نے۔ اس بات پر میں نے کہا کہ ''اور آپ لوگوں نے اس کی بات مان لی۔'' کہنے لگے بڑا ہمدرد آدمی ہے۔ چار لاکھ سے اوپر کا مکان صرف تین لاکھ بیس ہزار

میں دلوا دیا۔ میں نے پوچھا کہ آپ لوگوں نے کسی اور سے تصدیق بھی کی ہے کہ مارکیٹ میں اس کی ویلیو کیا ہے۔ کہنے لگے کہ سب اس نے کمپیوٹر سے نکال کر دیا۔ میں نے کہا کہ ارے بھائی کمپیوٹر سے تو وہی چیزیں نکلتی ہیں جو آپ اس میں ڈالتے ہیں۔ خدا کی مخلوق اتنی سیدھی بھی ہوتی ہے کہ جو کہا اس اللہ کے بندے نے مان لیا۔ میں نے ان لوگوں کے نہ چاہنے کہ باوجود چند مکانات دوسرے بروکر کے ذریعہ جو واقعی خدا کی مخلوق کی خدمت کر رہے ہیں اور چار پیسے کما بھی رہے ہیں' چند مکانات اس سے کم قیمت اور اچھے علاقے میں دکھائے۔ اب تو یہ حضرت بہت کنفیوز ہوئے اور اس رئیل اسٹیٹ بروکر سے بات کی کہ یار تم نے ہمارے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے۔ اس مکان سے بہتر مکان اور بہتر علاقے میں دیکھ کے آ رہا ہوں۔ میں تو یہ مکان نہیں لوں گا۔ یہ سن کر اس رئیل اسٹیٹ بروکر نے انہیں دھمکی دی اور کہا کہ یہ آپ کا وطن نہیں ہے، کینیڈا ہے۔ یہاں کا قانون بہت سخت ہے۔ آپ نے اس فارم پر دستخط کر دئے ہیں اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ آپ کو یہ مکان لینا ہی پڑے گا۔ ورنہ میں پولیس کو اطلاع کر دوں گا تو آپ کی امیگریشن بھی کینسل ہو سکتی ہے کہ جس کے کینیڈا آئے ہوئے ابھی دس دن ہی ہوئے ہیں پولیس کیس میں involve ہو گیا ہے۔ یہ سن کر وہ صاحب ڈر گئے اور مجھ سے کہنے لگے کہ یار تم میرا پیچھا چھوڑ دو۔ وہ شخص بڑا خطرناک ہے پولیس کو خبر کر دے گا۔ میں ایک فارم پر دستخط کر چکا ہوں کہ میں اس کے علاوہ کسی اور بروکر سے بات بھی نہیں کر سکتا۔ غرضیکہ وہ لوگ وہاں move ہو گئے۔ وہ لوگ اب یہاں پرانے ہو گئے ہیں انہیں اچھے اور برے کی تمیز ہو گئی ہے۔ آج بھی اس رئیل اسٹیٹ بروکر کے لیے ہاتھ اٹھا اٹھا کر بد عائیں کرتے ہیں۔

کئی سال گزرنے کے بعد ان لوگوں نے مجھے بتایا کہ جس رات ہم لوگ ہوٹل پہنچے تھے دوسرے دن صبح صبح ہوٹل کے منیجر نے اس رئیل اسٹیٹ بروکر کو ہم سے متعارف کرایا تھا اور کہا تھا کہ یہ شخص آپ کو مکان اچھے علاقے اور اچھی قیمت میں دلوا دے گا۔ آج میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ہوٹل کا منیجر اور رئیل اسٹیٹ بروکر آپس میں ملی بھگت سے یہ کام کرتے ہیں اور سادہ لوگوں کو لوٹ رہے ہیں۔ ہوٹل کا منیجر رئیل اسٹیٹ بروکر کو نئے امیگرنٹس کے بارے میں معلومات فراہم

کرتا ہے۔اس طرح وہ آ دھمکتا ہے اور اپنا شکار بنانے کے بعد ہوٹل کے منیجر کی بھی مٹھی گرم کرتا ہے۔

میرے ایک دوست ہیں جو پیشے کے اعتبار سے سول انجینئر ہیں۔سعودی عرب سے امیگریشن پر یہاں آئے۔کئی ماہ تک ملازمت تلاش کرنے کے بعد جب ناامید ہوگئے تو ایک رئیل اسٹیٹ بروکر کے جال میں پھنس گئے اور ایک ''کافی شاپ'' کی فرینچائز خرید لی ۶۵،۰۰۰ ڈالر میں۔پھر ان کی زندگی میں بہت جلد وہ دن آیا کہ جب ایک دن اس دکان میں تالہ لگا کر پراپرٹی منیجر کو چابی پکڑا کر خالی ہاتھ اس دکان سے نکلنا پڑا۔قصہ یوں ہے کہ جب میرے اس دوست نے رئیل اسٹیٹ بروکر پر بھروسہ کر لیا تو اس نے ان سے کہا کہ آپ اس کافی شاپ پر جا کر اس کا بزنس دیکھیں۔ایک ہفتے تک یہ بے چارہ دکان پر جاتا اور کھڑا رہتا' کچھ سمجھ میں آتا' کچھ سمجھ میں نہ آتا۔ وقت پورا کرتا اور گھر واپس آ جاتا۔ساری زندگی ملازمت کی۔یہ پہلا موقع تھا بزنس خریدنے کا۔ جب کوئی نیا سوال کرتا تو جواب میں اس کو یہی کہا جاتا کہ جب سودا کر لو گے تو سب چیزیں سمجھا دیں گے۔جب اس نے پوچھا کہ آپ ہر ٹرانزیکشن کو ریکارڈ کیوں نہیں کرتے' آپ کبھی مشین چلاتے ہیں اور کبھی نہیں۔اس پر مالک دکان نے کہا کہ اگر ہم ہر بار ٹرانزیکشن کو ریکارڈ کریں گے تو ہر بار ہمیں ٹیکس دینا پڑے گا۔ٹیکس بچانے کی یہ ترکیب ہے' تفصیل ہم آپ کو سودا ہونے کے بعد سمجھا دیں گے۔جب میرے دوست نے ان کاغذات کے بارے میں پوچھا کہ جس پر لکھا تھا کہ بزنس میں خسارہ ہو رہا ہے تو مالک دکان نے فرمایا کہ اگر ہم منافع شو کریں گے بزنس میں تو ٹیکس زیادہ دینا پڑے گا' اسی لیے خسارہ شو کرتے ہیں۔میرے سیدھے سادے دوست نے اس پر پھر بھروسہ کر لیا۔مرتا کیا نہ کرتا کبھی اس قسم کا کام کیا ہوتا تو بحث کرتا۔اس وقت تو بھروسہ کرنے کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔نتیجہ یہ نکلا کہ سب غلط بیانیاں تھیں۔دکان دراصل تھی ہی خسارے میں۔ اب جب میرے دوست نے اس رئیل اسٹیٹ بروکر سے رابطہ کر کے شکایت کی کہ میں تو پھنس گیا یہ دکان تو واقعی خسارے میں چل رہی ہے تو اس بروکر نے جواب دیا کہ سراسر آپ کی غلطی ہے۔ میں نے تو آپ سے پہلے ہی کہا تھا کہ ایک ہفتے تک اس دکان کا بزنس چیک کر لیں۔آپ نے

چیک نہیں کیا تو آپ بھگتیں۔

چند ماہ تک میرے دوست نے اپنے طور پر اس کافی شاپ کو بیچنے کی کوشش کی اور بروکر کے پاس بار بار گیا۔جب کچھ حاصل نہ ہوا تو بے یارو مددگار دکان کو اسی حالت میں چھوڑ کر "Step Out" ہو گیا۔سادہ اور شریف لوگوں کے ساتھ یہ سلوک......؟ وہ بروکر اللہ کے عذاب سے کیسے بچے گا۔

آہ جاتی ہے فلک پر رحم لانے کے لیے
بادلو! ہٹ جاؤ دے دو راہ جانے کے لیے

میرا ایک بہت ہی اچھا دوست ہے۔آج کل بروکری کا کام کرتا ہے۔دوسرے بروکرز سے اپنے آپ کو منفرد ثابت کرنے کے لیے اپنے آپ کو پروفیشنل بروکر کہتا ہے۔یعنی کہ پیشہ ور دلال۔اب وہ کس چیز کی دلالی کرتا ہے مجھے نہیں معلوم۔اپنے وطن میں سٹی کورٹ کے باہر ایک اسٹامپ وینڈر کا منشی ہوتا تھا۔یعنی کہ اسسٹنٹ کم ٹائپسٹ۔وہاں اوتھ کمشنر ساتھ بیٹھے ہوتے تھے۔یہ کورٹ کے اسٹامپ پیپرز کا اندراج کرتا تھا رجسٹر میں۔لیکن وہاں بھی لوگوں کو یہی کہتا تھا کہ میں رجسٹرار ہوں۔جب اس کام سے دل بھر گیا تو دلالی کا کام شروع کر دیا۔آج بھی وہاں ایک شہر کی مخصوص گلی میں اس کا نام بڑی عزت سے لیا جاتا ہے۔

جب کینیڈا آیا تو ایک ٹریول ایجنسی کھولی۔چونکہ فطرت میں دھوکہ دہی بسی ہوئی تھی اس لیے اس کے پورے ''اسٹاک'' کو باہر بیچ کر اس نے ٹریول ایجنسی میں خود آگ لگا دی۔پھر انشورنس سے کافی پیسہ اینٹھ لیا۔اس سے بھی دل نہ بھرا تو بینکرپسی ڈیکلیئر کر دی اور بھاری رقم کمائی۔میں اپنے اس دوست کو بہت سمجھاتا ہوں لیکن وہ میری ایک نہیں سنتا۔تھک ہار کر پھر میں اسے یہی کہتا ہوں۔

ایک تو ہی برا ہے باقی سب لوگ اچھے ہیں
تو جھوٹا' تو چیٹر' سب لوگ سچے ہیں

......☆......

جو تم نے کر دیا کرم
تو رہ گیا میرا بھرم

ادھر تو آؤ کم سے کم
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

جائز یا ناجائز

سمجھ جائز نہ اس کو جو ہمیشہ سے ہے نا جائز
سہولت ہے جو جائز اس کو تو کر دے نہ ناجائز

ہم سب یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ کینیڈا ایک آزاد ملک ہے جہاں دنیا بھر سے آئے ہوئے امیگرنٹس کو بھی وہی حقوق حاصل ہیں جو کہ یہاں کے ایک سٹیزن کو حاصل ہیں۔اچھی تعلیم، اچھی صحت، آلودگی سے پاک ماحول، جان ومال، عزت وآبرو سب محفوظ۔اس کے علاوہ بہتر مستقبل کی ضمانت سب ہی کچھ تو ہے یہاں جس کے لیے ہم سب اپنے وطن چھوڑ آئے ہیں۔لیکن ہم اس ماحول میں رہ کر بھی اپنے آپ کو نہ بدلیں اور اس سسٹم کا فائدہ نہ اٹھائیں تو پھر کیا فائدہ ہوا وطن چھوڑنے کا۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم دنیا کے کسی گوشے میں چلے جائیں بڑے سے بڑے منصب پر فائز ہو جائیں لیکن اپنی فطرت سے باز نہیں آئیں گے۔اپنی حرکت سے یہ ثابت کر دیں گے کہ ہم کون ہیں اور ہمارے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہیے۔وہ خود اپنے آپ کو ایک سوالیہ نشان بنا کر اوروں کے آگے رکھ دیتے ہیں کہ کوئی ہے جو میری اصلاح کرے۔مجھے آئینہ دکھائے......؟

ہمارے شہر میں ایسا لگتا ہے کہ پرانے لوگوں نے اپنے آپ کو پیچھے کر لیا ہے اوران کی جگہ نئے آنے والوں نے لے لی ہے۔اچھی بات ہے۔ہمیشہ سے یہ ہوتا چلا آیا ہے کہ جس طرح درختوں پر جب نئے پتے نکلتے ہیں تو پرانے خود بخود یا تو پیچھے چلے جاتے ہیں یا گر کر ختم ہو جاتے ہیں اوران کی جگہ نئے پتوں نے لے لی ہوتی ہے۔

لیکن نئے آنے والوں میں سے چند نے یہاں کی سہولیات کا ناجائز فائدہ اٹھانا شروع کر

دیا ہے جس کے اثرات آج نہیں تو کل ہم سب پر ضرور پڑیں گے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ جہاں پر یہ دیکھیں کہ کوئی شخص ناجائز کوئی کام کر رہا ہے تو اس کی نشان دہی پہلے کمیونٹی لیول پر کریں تاکہ معاملات نچلی سطح پر ٹھیک ہو کر ختم ہو جائیں ورنہ دیگر جیسے چاہیں اطلاع کریں۔ غلط کو غلط اور ناجائز کو ناجائز کہنا سیکھیں یاد رکھیے جیت ہمیشہ حق کی ہوتی ہے۔ چور کو چور اور کالے کو کالا کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ لوگ طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کر کے حکومت کی دی ہوئی مراعات کا ناجائز استعمال کر کے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں اور دوسروں کو بھی تلقین کرتے ہیں کچھ لوگوں نے تو اس کام کو باقاعدہ کاروبار بنا لیا ہے۔ لیکن حکومت ان تمام لوگوں پر کڑی نظر رکھے ہوئے ہے اور تمام اعداد و شمار جمع کیے جا رہے ہیں اور جب حکومت ہاتھ ڈالے گی تو چیخ کی آواز بھی نکالنے کی انہیں مہلت نہیں ملے گی خاص کر نئے آنے والے امیگرنٹس ان لوگوں کا نشانہ بن رہے ہیں۔ (اللہ انہیں بچائے)۔

میرے ایک دوست ہیں، اسٹیٹس ہے ان کا رفیوجی اور ٹھاٹھ ان کے ہیں نوابی۔ دوسروں کو مارگیج دلواتے ہیں جبکہ خود ان کے مکان کی مارگیج ہوئی اور دیتا ہے کیونکہ ان کا مکان خود کسی سٹیزن کے نام ہے۔ خود ان کو امیگریشن کی ضرورت ہے دوسروں کو امیگریشن کے ٹپس دے رہے ہوتے ہیں اور اس کی باقاعدہ فیس بھی کیش لیتے ہیں۔ میرے ایک دوست ہیں ابھی لینڈڈ امیگرینٹ ہیں دو چار ماہ بعد سٹیزن ہو جائیں گے۔ دو سال قبل ایک فیکٹری میں کام کے دوران چوٹ لگ جانے سے ورک مین کمپینسیشن پر ہیں لیکن حکومت سے پوری تنخواہ لینے کے باوجود ایک گیس اسٹیشن پر کیش پر کام کرتے ہیں اور اپنے آپ کو بہت ہوشیار سمجھ رہے ہیں۔ میں نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی کہ بھائی ایسا نہ کرو پکڑے جاؤ گے تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ لیکن ان کو میری بات اتنی بری لگی کہ تعلقات تک ختم کر چکے ہیں لیکن وہ مجھ سے تعلقات دوبارہ استوار کریں گے مگر کب ''جیل سے آنے کے بعد''۔

حکومت جب کسی کو ورک مین کمپینسیشن دیتی ہے تو مختلف قسم کے کاغذات بھی پر دستخط کرواتی ہے۔ آپ پر پوری نظر رکھتی ہے کہ آپ صبح گھر سے نکل کر کہاں جاتے ہیں، کب لوٹتے

ہیں اور درمیان میں کوئی کام تو نہیں کرتے اگر کرتے بھی ہیں تو حکومت کو اطلاع بھی کرتے ہیں یا نہیں۔ ایک سسٹم ہے جو ہمارے لوگ نہیں سمجھتے اور سمجھتے کب ہیں جب بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔ پانی سر سے اونچا ہو چکا ہوتا ہے۔ پولیس دروازے پر کھڑی ہوتی ہے۔ میرے ایک دوست اسی مصیبت میں گرفتار ہو کر ابھی نکلے ہیں۔ حکومت نے ان کے گھر سے ان کے کام پر جانے، وہاں پر لوگوں سے ڈیلنگ کرنے اور پھر گروسری وغیرہ لے کر بچوں کے ساتھ گھر پہنچنے تک کی ویڈیو فلم بنوا کر انہیں اپنے دفتر بلا کر دکھا دی ہے اور اس کے بعد ان کے ورک مین کمپینسیشن کو ختم کرتے ہوئے انہیں فوراً ڈیوٹی پر حاضر ہونے کی ہدایت دی جس پر انہوں نے فوراً عمل شروع کر دیا تو جان بچ گئی۔ اسی طرح کے بہت سے کیسز پر حکومت کام کر رہی ہے جس کی اطلاع ہمیں آنے والے دنوں میں مل جائے گی۔ انشاءاللہ۔

آپ نے اخبارات میں بڑے بڑے اشتہارات دیکھے ہوں گے۔ ان کی لمبائی چوڑائی پر نہ جائیں غور سے پڑھیں اس میں لکھا کیا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ دنیا کے سارے مسئلے یہ حل کراتے ہیں جبکہ وہ خود مسائل میں گھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کی جو کمپنی ہوتی ہے اس کا کوئی رجسٹریشن نمبر آپ کو ان کے اشتہار میں کہیں نظر نہیں آئے گا۔ انہیں (Inc.) اور (Corp.) کا فرق تک نہیں معلوم وہ تو یہ بھی نہیں جانتے کہ (Ltd.) اور (Pvt.) میں کیا فرق ہے لیکن اپنے نام کے نیچے وہ ایم ڈی یا پریزیڈنٹ ضرور لکھیں گے۔ (اللہ معافی)۔ یہاں کون پوچھتا ہے۔ جو بے چارے وہاں ایم ڈی یا پریزیڈنٹ تھے کسی فرم میں، وہ تو گوشت کی دکان پر گوشت کاٹ رہے ہیں یا گروسری اسٹور پر گوسری بیچ رہے ہیں۔ آپ نے نوٹ کیا ہوگا کہ انشورنس کی کمپنیوں نے آپ کی کار کی انشورنس بڑھا دی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انشورنس کمپنیاں بینک رپٹ ہوتی جا رہی ہیں اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ فالس کلیم اتنے ہوئے ہیں کہ وہ کمپنیاں بے چاری پیسے دے دے کر ختم ہو گئیں۔ بند ہو گئیں۔ چونکہ ایکسیڈنٹ اتنے ہوئے نہیں جتنے کروائے گئے گویا کہ جان بوجھ کر ایکسیڈنٹ کروانے کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ بینیفٹ لینے کے لیے حکومت اس کے بھی اعداد و شمار جمع کر رہی ہے ایک دن ان کا بھی تیا پانچہ ہو جائے گا۔ انشاءاللہ۔ کیونکہ ان لوگوں

کی ان حرکتوں کا اثر ان لوگوں پر بھی پڑ رہا ہے کہ جنہوں نے کبھی کوئی ایکسیڈنٹ کیا ہی نہیں یا کبھی ان سے کوئی ایکسیڈنٹ ہوا ہی نہیں۔ (اللہ کی حفاظت)۔ یہاں پر اس قسم کا کاروبار کرنے والے آپ کو گمراہ کن خدمات کا جھانسا دے کر آپ کو انہونی مصیبت سے بھی دوچار کر سکتے ہیں۔

ایک اور مزے کی بات میں آپ کو بتاؤں۔ میری ایک جاننے والی خاتون ہیں۔ سعودی عرب سے کئی سال پہلے بچوں کے ساتھ آ گئیں تھیں شوہر چونکہ ڈاکٹر تھے اس لیے یہاں ملازمت نہ ملی۔ خیر خاتون نے یہاں اپنی کمیونٹی سے الیکشن میں کھڑے ہونے والے ایک صاحب کے لیے والینٹیئر کی حیثیت سے بھی خوب کام کیا۔ بڑے ممبر بنائے تاکہ الیکشن میں کھڑے ہونے والے صاحب ان کے لیے نرم گوشہ رکھیں اور جب وہ صاحب کامیاب ہو گئے تو خاتون نے موقع پاتے ہی ان سے کہا کہ دیکھئے میں نے آپ کے لیے اتنا کام کیا آپ کو کامیاب کروایا میرا چھوٹا سا کام کروا دیجئے۔ میرے شوہر کو کسی بھی جگہ پر کوئی ملازمت دلوا دیجئے کیونکہ اب زیادہ دنوں تک وہ بچوں سے دور نہیں رہ سکتے۔ جانتے ہیں کیا جواب ملا اس خاتون کو" تم نے والینٹیئر کا کام اپنی مرضی سے اور خوشی سے کیا تھا اس کا نہ تو کوئی معاوضہ ہوتا ہے اور نہ کوئی صلہ۔ تمہارے شوہر کو نوکری ہم نہیں دلوا سکتے۔ جب میرے علم میں یہ بات آئی تو میں نے اس خاتون سے کہا کہ اگر ملازمت مانگنی ہے تو اس سے مانگو جو سب کو دیتا ہے۔ اپنے رب سے مانگو وہی دینے والا ہے۔ خدا کا کرنا کیا ہوا کہ ان کو ایک ہسپتال کے لیے لیبارٹری میں ملازمت مل گئی ہے۔ اب خوش ہیں لیکن خاتون اب بھی کبھی کبھی اپنے زخموں کو تازہ کر لیتی ہیں جب ان صاحب کے ان جملوں پر غور کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کسی بندے کا محتاج نہ کرے۔ آمین۔

......☆......

پٹے مہرے

کون سنتا ہے تمہاری جو یہاں کہتے ہو تم
جو بھی کہنا ہے کہو جا کر جہاں رہتے ہو تم

انسانی فطرت میں سیاست کا عمل دخل تھوڑا بہت ضرور ہوتا ہے۔ آپ جتنا بھی چاہیں اپنے آپ کو سیاست سے دور نہیں رکھ سکتے۔ اس کی ایک چھوٹی سی مثال آپ کو دوں۔ میں نے اپنے ایک دوست کی پانچ سالہ بچی سے سوال کیا کہ تم مجھے یہ بتاؤ کہ تمہیں اپنے امی اور ابو میں سے کون زیادہ چاہتا ہے۔ بچی نے ایک لمحے کے لئے سوچا اور جھٹ سے بولی۔ دونوں۔ جس پر میں نے کہا کہ مجھے سیاسی جواب نہیں چاہیے جو بات حقیقت ہے مجھ سے وہ بیان کرو۔ بچی نے پھر کہا جب میں گھر پر ہوتی ہوں تو امی چاہتی ہیں اور جب میں گھر سے باہر کہیں جاتی ہوں تو ابو چاہتے ہیں۔ اس لئے حساب برابر گویا اس بار بھی بچی نے سیاست سے کام لیتے ہوئے اپنے آپ کو بچا لیا اور والدین کو بھی۔ اگر سیاست سے کچھ بچا لیا جائے تو خیر ہے لیکن کچھ لوگوں نے تو اپنی سیاست سے ملک کا ایک حصہ گنوا دیا ہے۔ تو پھر کیا فائدہ اس سیاست کا۔ سیاست رہے نہ رہے ملک تو برقرار رہے۔ اس وجہ سے میں نے اپنے آپ کو سیاست سے بہت دور رکھا ہے۔ نہ میں کسی ایسی محفل میں جاتا ہوں جہاں سیاسی اکھاڑا بننے کے روشن امکانات ہوں۔ چونکہ ان پٹے ہوئے مہروں کی اپنے ملک میں تو کوئی سنتا نہیں ہے اس لئے پردیس آ کر خود اپنا بھی وقت ضائع کرتے ہیں اور دوسروں کا بھی۔ اور یہ دوسرے کون ہیں وہی جو ان کی گندی سیاست سے گھبرا کر ملک چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں نے ''سلام سرزمین پاکستان'' نام کی ایک ڈاکیومنٹری فلم بنائی تھی جس کی بڑی پذیرائی ہوئی تھی خاص کر انڈین چینل پر کیونکہ ہم پاکستانیوں کو تو ان سب کی کوئی پرواہ نہیں ہے اور نہ فرصت۔ ہم تو کسی اور ہی دھندے میں لگے ہوئے ہیں۔ ایک ریڈیو پروگرام کے میزبان نے اپنے ریڈیو پر بلا کر میرا انٹرویو کیا اور اسی دوران اس نے پوچھا کہ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ ''سلام سرزمین پاکستان'' نامی ڈاکیومنٹری فلم بنا کر آپ نے ایک محبِّ وطن ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ ابھی میں نے کچھ بولنے کے منہ کھولا ہی تھا کہ انہوں نے دوسرا سوال داغ دیا کہ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ پاکستان جس مقصد کے لیے معرضِ وجود میں آیا تھا کیا وہ مقصد حاصل ہو گیا......؟ یہ سوال سن کر مجھے معاشرتی علوم کے وہ استاد یاد آ گئے جو اسکول میں ہمیں جغرافیہ تاریخ اور شہریت پڑھاتے تھے۔ جو کچھ ان سے سیکھا تھا اسی کی روشنی میں میں نے ریڈیو پروگرام کے اس میزبان کو جواب میں کہا کہ میں ایک ثقافتی انسان ہوں۔ ثقافت سے متعلق اگر آپ کوئی سوال پوچھیں تو بہتر ہوگا چونکہ سیاست سے میرا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے اس لئے جواب دینے سے قاصر ہوں۔

ارے بھئی ثقافتی لوگوں کا سیاست سے کیا تعلق۔ بزرگوں نے کہا کہ اگر کبھی مٹھائی کھانے کی خواہش ہو تو مٹھائی کی دکان پر صبح صبح پہنچ جاؤ۔ تاکہ مٹھائی کے اوپر بیٹھی ہوئی مکھیوں کو دیکھ کر تمہارے دل میں سے مٹھائی کھانے کا خیال جاتا رہے۔

اسی طرح ناچ گانے کے شوقین اگر ناچنے والیوں کے پاس صبح صبح پہنچ جائیں تو شاید کبھی ان کے ناچ دیکھنے نہ جائیں۔ اور جوا کھیلنے کے عادی جو بھی لوگ ہیں ان کے لئے بھی یہی کہا گیا ہے کہ اگر عبرت حاصل کرنی ہے تو پرانے جواری کو تلاش کریں اور جب وہ تمہیں مل جائے تو اس کی حالت کو دیکھیں تو شاید ہو سکتا ہے کبھی جوا نہ کھیلیں اور اس سے دور بھاگیں۔ اس طرح سیاست دانوں سے جو کہ ہمارے آزمائے ہوئے کھوٹے سکے ہیں جو کہ ''پٹے ہوئے مہرے'' ہیں ان سے ہم کیوں نہ دور بھاگیں کیونکہ انہی کی غلط حکمت عملی کی وجہ سے ہمارا ملک دولخت ہوا اور اب کیا چاہتے ہیں کہ جو بچا کھچا ہے اس کا بھی یہ سودا کر دیں۔ انہیں پھر باگ ڈور سنبھالنے دے دیا جائے۔ آزمائے ہوئے کو آزمانا کیا۔

اپنے ملک میں تو اب ان کو کوئی سنتا نہیں ہے تو یہ اپنے پیسوں کے بل بوتے پر ملک سے باہر نکل جاتے ہیں۔ کبھی علاج کا بہانہ بنا کر کبھی رشتہ داروں سے ملنے کی غرض سے۔ انہیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ایک سوراخ سے انسان ایک بار ہی ڈسا جاتا ہے۔ لوگوں کا ضمیر جاگ اٹھا ہے اب یہ کسی کی بھی چکنی چپڑی باتوں میں نہیں آئیں گے۔ ایک بات پر آپ خود غور کریں کہ جب ان کی اپنے ملک میں کوئی شنوائی نہیں ہے تو پھر اتنے دور دراز سے ہمارے کہنے سے کیا ان کی وہاں شنوائی ہو جائے گی۔ مجھے تو لگتا ہے کہ دھندہ کچھ اور ہے۔

ہمارے ملک میں ہمارے سیاست دان اگر اچھے ہوتے تو آج ہمارے ملک کا یہ حال نہ ہوتا۔ یہ ہمارے ملک کی ریت ہے کہ جب بھی کوئی سخت اور بہتر حکمران حکومت میں آیا تو سب ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتے جب تک یا تو اس کو ہٹا نہیں دیتے یا وہ اللہ کو پیارا نہیں ہو جاتا۔ سیاست دان جتنی مرضی چاہیں کینچلی بدل لیں اب ہماری قوم ان کی باتوں میں ہرگز نہیں آنے والی۔

ہمارے سیاست دان جتنی جلدی جلدی پارٹی بدلتے ہیں اتنی جلدی تو خواتین نظریں نہیں بدلتیں۔ آج کسی پارٹی میں ہیں تو کل کسی اور پارٹی میں۔ اس طرح قوم بھی کنفیوز ہو کر رہ گئی ہے۔ اس کے پاس کوئی اور چارہ بھی تو نہیں ہے کہ ان کو بھگتیں یا پھر ملک کو خدا حافظ کہہ دیں۔

ہمارے سیاست دانوں کی ایک بات بڑی نرالی ہے، آج جو کچھ ہمارے ملک میں ہو رہا ہے دیکھتے رہیں گے، سنتے رہیں گے، نہ منہ کھولیں گے نہ قلم اٹھائیں گے۔ جب حکومت بدل جائے گی سارا ڈرامہ ختم ہو جائے گا۔ دو چار ان میں سے ابدی نیند سو رہے ہوں گے تو یہ پریس کو بیان دے دیں گے کہ جب یہ ہوا تھا میں اس وقت خاموش تھا اس کی بڑی مصلحت تھی۔ کیا مصلحت تھی میری جان کو خطرہ تھا۔ مار دیئے جانے کا۔ آج مار دینے والے خود مر گئے ہیں اس لئے حق بول رہا ہوں۔ لیکن اب حق کس کام کا کہ جب بے گناہ اپنی سزا کاٹ چکا' یا ملک چھوڑ چکا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا فرض نبھانے اور نیکی کرنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

......☆......

جو اب کے پاس آؤ تم
نہ پھر اداس جاؤ تم

یہیں سے آس پاؤ تم
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

شادی کی سالگرہ

مل گئی بیوی بھی جن کو ان کی ہی قسمت سے نیک
پھر بھلا کاٹیں نہ کیوں ہر سال وہ شادی کا کیک

کہتے ہیں کہ ''شادی'' ایک ایسا لڈو ہے کہ جسے اگر کسی نے کھایا تو وہ پچھتایا اور جس نے نہیں کھایا وہ للچایا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں کنوارہ تھا گویا کہ میری شادی نہیں ہوئی تھی اور میں اپنے والدین بھائی بہنوں کے ساتھ رہتا تھا۔ میرے محلے کے ایک دوست جو شادی شدہ تھے اپنی بیگم کے ہمراہ میرے محلے میں کسی کے گھر آئے اور جب جانے لگے تو میں نے دوڑ کر انہیں پکڑ لیا اور کہا کہ آپ میرے گھر آئیں۔ وہ صاحب بولے کہ میں غیر شادی شدہ لوگوں کے گھر اپنی بیگم کو لے کر نہیں جایا کرتا۔ اس پر میں نے کہا میرے والد صاحب شادی شدہ ہیں آپ ان کے گھر آ جائیں۔ میری آپ کی ملاقات ہو جائے گی۔ یہ سن کر وہ صاحب میرے گھر آ گئے۔ کہتے ہیں نا کہ یا تو قائل کر دو یا پھر قائل ہو جاؤ۔ درمیان میں کوئی چیز نہیں ہوتی۔ ان ہی دنوں ''اخبار جہاں'' نامی ایک پرچہ نکلا کرتا تھا شاید اب بھی شائع ہوتا ہے۔ اس میں ایک صفحہ نئے شادی شدہ جوڑوں کی تصویروں کا ہوتا تھا۔ لوگ شادی کے فوراً بعد اپنی شادی کے دن کی سہرے والی یا پھر ویسے کے سوٹ والی تصویر اخبار کے دفتر پوسٹ کر دیا کرتے تھے اور بلا معاوضہ چھپ بھی جایا کرتی تھی۔

میرے ایک بہت ہی بے تکلف دوست کی جب شادی ہوئی تو اس نے مجھے ایک تصویر دیتے ہوئے کہا کہ یار اسے کسی اخبار میں چھپوا دو تا کہ لوگوں کے علم میں یہ بات آ جائے کہ میں اب شادی شدہ ہوں اور رشتے نہ بھیجیں۔ میں نے وہ تصویر چھپوانے کے بعد ''اخبار جہاں'' کے اس

صفحے پر جہاں لکھا تھا کہ آج کے شادی شدہ جوڑے اس کے اوپر ایک پرچی لگادی کہ ''ایسے ایسوں کی بھی شادی ہوجاتی ہے'' اور اپنے دوست کی بیگم کو دے آیا لیکن یہ بات یہاں ضرور کہوں گا اپنے دوست کے بارے میں کہ یہ میرا دوست کتنا سادہ دل اور سچا دوست تھا کہ اس نے شادی ہوتے ہی تمام برائیوں سے توبہ کر لی اور نیک انسان بن گیا۔لوگ تو یہاں شادی شدہ ہوتے ہوئے بھی غیر شادی شدہ کہلوانا پسند کرتے ہیں۔خاص کر خواتین۔

شادی جہاں دو دلوں کے ملاپ اور دو خاندانوں کے فلاپ ہونے کی کہانی ہے وہاں بہت سی چیزوں کی بنیاد بھی پڑنے اور اچھے معاشرے کی تشکیل کا ذریعہ بھی بنتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ہم بعض اوقات اپنی ہی بنائی ہوئی چیز کو پسند نہیں کرتے اور اپنے کئے پر شرمندہ بھی نہیں ہوتے۔ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں۔لیکن اس کے باوجود اچھا رشتہ ملنے پر اپنی عقلمندی اور ہوشیاری پر بڑا رشک کرتے ہوئے اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ اس پوری کائنات کا مالک بھی کوئی ہے جس کے حکم کے بغیر ایک پتہ بھی نہیں ہلتا۔میاں بیوی کا رشتہ بہت ہی قریبی سمجھا جاتا ہے لیکن ذہنی ہم آہنگی نہ ہونے کی وجہ سے اس رشتے پر اکثر دراڑیں پڑ جاتی ہیں جس سے میاں بیوی کا اتنا نقصان نہیں ہوتا جتنا کہ ان کے بچوں کا۔بچے معصوم ہوتے ہیں انہیں تو یہ بات بھی سمجھ ہی نہیں آتی کہ والدین کیا ہوتے ہیں اور کیوں ہوتے ہیں اور اگر ہوتے ہیں تو پھر جدا کیوں ہوجاتے ہیں۔مشرقی تہذیب میں ماں باپ کے درمیان ذہنی ہم آہنگی نہ ہونے کے باوجود بھی اپنے بچوں کے مستقبل کی خاطر علیحدگی اختیار نہیں کرتے جبکہ مغربی تہذیب میں ماں باپ اپنے بچوں کا خیال کئے بغیر کوئی بھی فیصلہ کر لیتے ہیں صرف اپنی خوشی کے لئے۔دیکھا آپ نے اللہ تعالیٰ نے مشرقیت میں کتنا ظرف رکھا ہے۔پھر یہی بچے جن کی خاطر والدین قربانی دیتے ہیں بڑے ہوکر ماں باپ کا سہارا بنتے ہیں جبکہ اس کے برعکس مغربیت میں دور دور تک اس کی مثال نہیں ملتی۔ہمیں اللہ تعالیٰ کا ہر دم شکر ادا کرتے رہنا چاہیے کہ ہم نے مغرب میں نہیں مشرق میں جنم لیا۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ اگر میاں بیوی میں کوئی ناچاقی ہو بھی گئی ہو تو پھر کچھ وقفے سے

دور ہو جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے نظام ہی کچھ اس قسم کا بنایا ہے۔کبھی شوہر پہل کر لیتا ہے تو کبھی بیوی۔اس لئے تو میاں بیوی کو گاڑی کے دو پہیوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔

ایک بہت ہی بے تکلف دوست نے اپنے دوست سے پوچھا کہ کیا تمہاری اور تمہاری بیوی کی لڑائی ختم ہوئی۔یہ سن کر دوسرے دوست نے جواب دیا ہاں ہاں ختم ہوگئی۔دراصل وہ گھٹنے ٹیکتی ہوئی میرے پاس آئی تو میں نے بات ختم کر دی۔اس پر دوست نے پھر پوچھا کہ اس نے گھٹنے ٹیکتے ہوئے کچھ کہا بھی۔دوست نے جواب میں کہا کہنے لگی چارپائی کے پیچھے سے نکل آؤ اب میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گی۔

خیر یہ سب باتیں تو مذاق کی ہیں لیکن یہ بات بالکل سو فیصد درست ہے کہ ہر شریف آدمی اپنی بیوی سے ڈرتا ہے۔اس کی وجہ کچھ بھی ہو۔اگر بیوی نے اپنے شوہر سے کہہ دیا کہ فلاں کام ہونا ہے تو یہ پتھر پر پڑی لکیر ہے جسے آنے والا وقت بھی نہیں مٹا سکتا۔بیگمات کو اپنے شوہر کی عادات پر بھی بہت اعتراض ہوتا ہے جیسے اگر شوہر سگریٹ کے عادی ہیں تو ان کو اس کے دھوئیں سے الرجی ہے۔شوہر اگر پرفیوم تیز استعمال کرتے ہیں تو وہ بھی ایک پرابلم ہے لیکن شوہر بے چارہ اپنی بیگمات کی ہر عادت کو برداشت کرنے کی صلاحیت کا پورا مظاہرہ کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑتا۔اور اسی میں اس کی بقاء ہے اور شائد بخشش کا سامان بھی۔بعض اوقات بڑے دلچسپ واقعات ہوجاتے ہیں میاں بیوی کے حوالے سے۔میرے ایک بہت ہی بے تکلف دوست ہیں۔ان کی اپنی بیگم سے ہمیشہ لڑائی رہتی تھی۔ہم چند دوستوں نے مل کر ایک شرارت سوچی اور اخبار میں اپنے دوست کے لئے ضرورت رشتہ کا اشتہار دے دیا۔صبح ہوتے ہی فون کی گھنٹی بجنی شروع ہوئی۔اب تو خاتون بہت گھبرائیں۔شوہر سے پوچھا کہ اگر آپ کو دوسری شادی ہی کرنی تھی تو مجھ سے چھٹکارا حاصل کرنے کے بعد کرتے۔میں ابھی اس گھر میں ہوں اور یہ چونچلے۔بات بڑھی تو ہم سب ان کے گھر گئے میرا وہ بے قصور دوست پہلے تو خاموشی سے حالات کا جائزہ لیتا رہا پھر معاملات کو سمجھ کر چیخ اٹھا اور کہنے لگا کہ یہ سب تم لوگوں کی شرارت ہے یاد رکھو میری بیوی جیسی بھی ہے مجھے بہت عزیز ہے تم لوگ اپنے اپنے گھر دیکھو میرے بیوی جیسی کوئی ہو بھی نہیں سکتی میں ساری

زندگی اس کے ساتھ رہوں گا۔تم لوگوں کی کسی چال میں نہیں آؤں گا۔ یہ سن کر میرے اس دوست کی بیوی نے رونا شروع کر دیا اور اپنے شوہر سے معافی مانگنے لگی کہ آپ مجھے معاف کر دیں میں نے آپ کے ساتھ بہت زیادتی کی۔گویا کبھی کبھی شرارت کام آجاتی ہے کسی کو راہ راست پر لانے کے لئے۔

پچھلے دنوں ہمارے ایک بہت اچھے دوست نے چند دوستوں کو اپنے گھر کھانے پر بلایا جن میں میں بھی شامل تھا۔اس موقع کی خاص بات یہ تھی کہ انہوں نے کہا تھا کہ سب لوگ اپنی اپنی بیگمات کے ساتھ آئیں۔خیر ہم وہاں پہنچے تو سننے میں آیا کہ شائد آج میرے دوست کی شادی کی سالگرہ ہے کیونکہ ٹیلی فون کی گھنٹی مستقل بج رہی تھی اور میرا یہ دوست ہر ایک سے یہی کہہ رہا تھا کہ نہیں بھائی میری شادی کی سالگرہ آج نہیں ہے۔بس چند دوستوں کو کھانے پر بلایا ہے اور کوئی خاص بات نہیں۔نہ معلوم کیسے خبر ہوگئی زمانے کو۔ہم لوگ کھانا کھاتے رہے لیکن ٹیلی فون کی گھنٹی مستقل بجتی رہی اور میرا یہ دوست مبارک بادی وصول کرتا رہا لیکن یہ بات طے ہے کہ کسی نہ کسی دوست نے کوئی شرارت ضرور کی ہوگی کیونکہ آنے والے دوستوں میں سے کوئی کیک بھی بنوا کر لایا تھا تو کھانے سے قبل میرے دوست اور اس کی پیاری سی بیگم کے ہاتھوں کٹوایا گیا۔میری اپنی پوزیشن اس لئے خراب تھی کہ میں بھی اتفاقاً کیک ہی لے کر گیا تھا۔اس لئے خاموش سے بیٹھا تماشہ دیکھتا رہا۔

میرا یہ دوست اپنے وضاحتی بیان میں کہتا رہا کہ آج میری شادی کی سالگرہ ہو ہی نہیں سکتی۔کہو تو میں نکاح نامہ دکھادوں۔اس پر ایک دوسرے دوست نے برجستہ کہا کہ نکاح نامے پر تو وہ تاریخ ہوگی نا جس دن تمہارا نکاح ہوا تھا۔آج تو وہ دن ہے جس دن تم نے شادی ڈکلیئر کی تھی۔کئی بار تردید کے بعد۔دوستوں میں مذاق چلتا ہے لیکن مذاق مذاق کی حد تک رہے تو ٹھیک ہے اس سے بڑھ جائے تو پھر مذاق مذاق نہیں رہتا۔

......☆......

ہمارے سماجی کارکن

جو سماجی کارکن اپنے کو کہتے ہیں یہاں
کوئی بتلائے کہ ہیں وہ کون اور وہ ہیں کہاں

ہمارے ترقی پذیر ملکوں میں جہاں ''سوشل ویلفیئر'' نامی حکومتی ادارہ قائم نہیں ہے وہاں لوگوں نے اپنے طور پر چھوٹی چھوٹی فلاحی تنظیمیں بنالی ہیں جو آئے دن لوگوں کے کام آتی ہیں۔یہ تنظیمیں بعد میں ادارے کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔یہ ادارے ملک کے مخیّر حضرات کی سرپرستی میں پروان چڑھتے ہیں اور شب و روز کام کرتے ہیں۔ان اداروں کو بعض اوقات ملکی امداد بھی مل جاتی ہے کسی فلاحی کام کے لئے۔لیکن یہ سماجی تنظیمیں جو ادارہ چلاتی ہیں وہ جتنا ضرورت مندوں کے کام آتی ہیں اس سے زیادہ بدعنوانی کا شکار ہو جاتی ہیں چونکہ مخلص اور ایماندار لوگوں کی ہر دور میں کمی رہی ہے جو آج تک پوری نہ ہوسکی۔اس کے برعکس ترقی یافتہ ملکوں میں ''فول پروف'' ویلفیئر سسٹم کا نظام رائج ہے جس سے ہر ضرورت مند فائدہ اٹھاتا ہے۔جس سے نقصان بھی پہنچ سکتا ہے اگر ''مس یوز'' کیا جائے تو۔ورنہ وقتی فائدہ تو بہرحال ہوتا ہی ہے۔

اس کے باوجود یہاں چند نام نہاد سماجی تنظیمیں ہیں جو کوئی فلاحی کام نہیں کرتیں پھر بھی قائم ہیں ان تنظیموں کے سرپرستوں کو سوائے اپنے تصویریں اخبار میں چھپوانے کے اور کوئی کام نہیں۔یہ چھوٹی چھوٹی تنظیمیں یا ادارے جن لوگوں نے بنائی ہیں وہ خود اس کے سرپرست ہیں یعنی پریذیڈنٹ بھی،اسی طرح بارہ سے پندرہ لوگ ان کے ممبر ہیں اور ڈائریکٹر بھی۔اب جبکہ سارے ممبر ڈائریکٹر ہیں تو سماجی کام کون کرے کیونکہ یہ سماجی کارکن تو ہیں نہیں۔گویا مذاق بنایا ہوا ہے۔

اور سستی شہرت حاصل کرنے کے لیےادارے بنالئے گئے ہیں نہ کوئی کام اور نہ کوئی دھام۔بس نام ہی نام،صبح ہو یا شام۔

اللہ اللہ کر بھیّا

مال ملے تو دھر بھیّا

ایک دلچسپ بات آپ کو بتاؤں پچھلے دنوں مقامی ٹیلی ویژن پروگرام میں ایک سماجی کارکن کا انٹرویو پیش کیا گیا۔انہیں اپنے ادارے کے پریذیڈنٹ اور سرپرست ہونے کا بھی شرف حاصل ہے۔پروگرام کے میزبان نے بڑی خوبصورتی سے سوالات کی بوچھاڑ کی جن کا انہوں نے بچتے بچاتے جواب دیا۔انٹرویو میں پوچھے گئے سوالات کے دوران سماجی کارکن نے بہت ہی پراعتماد طریقہ سے بتایا کہ انہوں نے حکومتی ''ویلفیئر'' جیسی مراعات کی موجودگی میں بھی اپنی ذات اور اپنے ادارے کو فلاحی کاموں کے لئے وقف کر رکھا ہے۔اسی دوران انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ جب کوئی بھی ضرورت مند مجھے فون کرتا ہے یا آ کر ملتا ہے،اپنی ضرورت بتاتا ہے تو میں اور میرا ادارہ اس کی بھر پور مدد کرتے ہیں۔میرے ادارے کی دہلیز سے کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹتا ہے۔اللہ تعالیٰ آسمان پر سے زمین پر اتر کر اپنے بندوں کی مدد نہیں کرتا بلکہ اس نے اپنے بندوں سے ہی بندوں کے کام کروانے ہیں۔اور اس طرح ہم خدمت خلق کر رہے ہیں۔انٹرویو کے دوران سماجی کارکن نے یہ بھی بتایا کہ میں نے ان گنت بے سہارا لڑکیوں کی شادی کرائی ہے جو کہ بہت ہی نیک کام ہے۔کئی خاندان لڑ جھگڑ کر الگ ہو گئے تھے ان کو ایک دوسرے کے قریب لایا' یہ عمل بھی اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔اگر مجھے یہ پتہ لگ جائے کہ کسی کے گھر کھانا نہیں پکا ہے تم ہم کسی طرح وہاں کھانا بجھوانے کی بھر پور کوشش کرتے ہیں۔اگر کسی کے پاس سردی سے بچنے کے لئے کمفرٹر نہیں ہے تو کسی نہ کسی طرح لوگوں سے جمع کر کے اس جگہ تک پہنچوا دیا جاتا ہے۔گویا کہ ہم وہ ہر کام جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے ایک بندے کو دوسرے بندے کے لئے کرنے کو کہا ہے وہ ہم کر رہے ہیں۔

ابھی ٹیلی ویژن پر سماجی کارکن کا انٹرویو ختم ہی ہوا تھا کہ مونٹریال سے ایک خاتون کا فون

اس ٹی وی پروگرام کے پروڈیوسر کے پاس آیا کہ ابھی جس سماجی کارکن کا انٹرویو پیش کر رہے تھے ان کا فون نمبر مجھے چاہیے۔میں اسکرین پر سے لکھ نہ سکی۔ٹی وی پروڈیوسر نے اس خاتون کو ٹیلی فون نمبر فراہم کر دیا۔دو دن بعد اسی خاتون کا پھر مونٹریال سے فون آیا اسی ٹی وی پروڈیوسر کے پاس کہ جن سماجی کارکنوں کو آپ اپنے ٹی وی پروگرام میں بلاتے ہیں انٹرویو کے لئے کیا آپ تصدیق بھی کرتے ہیں کہ وہ لوگ واقعی سماجی کارکن ہیں اور کمیونٹی کی واقعی خدمت کر رہے ہیں یا سماجی کارکن ہیں اور دھندہ کچھ اور ہے۔ٹی وی پروڈیوسر کے استفسار پر کہ آپ ایسی باتیں کیوں کر رہی ہیں مونٹریال والی خاتون نے اپنے بیان میں کہا کہ جس سماجی کارکن کو آپ اپنے ٹی وی پر انٹرویو کے لائے تھے میں نے آپ سے نمبر لے کر جب ان سے رابطہ کیا اور اپنا مدعا بیان کر کے مدد چاہی تو انہوں نے نہ تو میرا کام کیا بلکہ ٹکا سا جواب دے دیا۔یہ لوگ ٹی وی پر جتنی چکنی چپڑی باتیں کرتے ہیں حقیقت میں اس کے برعکس کیوں کرتے ہیں۔تفصیل بتاتے ہوئے خاتون نے کہا کہ میری والدہ بیمار رہتی ہیں چونکہ ان کی ساری اولادیں اپنے وطن میں ہیں اس لئے وہ اپنے ملک جانا چاہتی ہیں اور ان کے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ وہ ٹکٹ خرید سکیں۔اگر کسی فلاحی ادارے سے ٹکٹ مل جائے تو وہ وطن چلی جائیں۔یہ سن کر سماجی کارکن نے کہا کہ مجھے اپنے ڈائریکٹر سے پوچھنا ہوگا۔میٹنگ کال کرنی ہوگی۔تم اپنی درخواست مجھے فیکس کرو......وغیرہ وغیرہ......پھر ہم دیکھیں گے وعدہ نہیں کرتے۔گویا کہ ٹال مٹول کرنا شروع کر دیا اور فون گفتگو کے دوران ہی بند کر دیا جیسے جان چھڑالی ہو۔خاتون کی یہ بات سن کر ٹی وی پروڈیوسر نے اس سماجی کارکن کو فون کر کے اس معاملے کی تحقیق کرنی چاہی تو انہوں نے فرمایا کہ ہم نے کیا لوگوں کے لئے ٹریول ایجنسی کھول رکھی ہے کہ ہر آڑے ترچھے لوگوں کو ان کے ملک بجھواتے رہیں۔تو یہ کیسا زمانہ آ گیا ہے۔ان کی یہ باتیں سن کر مجھے میرا ایک دوست یاد آ گیا جو اپنے ملک میں ایئر پورٹ پر کسٹم آفیسر تھا۔وہ کبھی بھی کسی کا کوئی کام نہیں کرتا تھا لیکن جب لوگ جانے لگتے تو آخر میں یہ ضرور کہتا تھا کہ پھر کبھی کوئی کام ہو میرے لائق تو ضرور بتایئے گا۔

ایک اور دلچسپ بات ایک لڑکے نے لڑکی سے پوچھا کیا تم مجھ سے شادی کرو گی۔لڑکی نے

فوراً کہا ہاں میں کروں گی۔ یہ سن کر لڑکا گھبرا گیا۔ کہنے لگا اچھا میں سوچ کر بتاؤں گا۔ سنا آپ نے کیسا زمانہ آ گیا ہے۔ آخر میں ان سماجی کارکن سے کہنا چاہوں گا کہ اگر اس کام کے لئے بیڑہ اٹھایا ہے تو پھر کام کریں کام' صرف نام نہیں۔

جب سماجی کارکن اپنے کو کہتے ہو بھلا
کیوں نہیں کرتے بھلا کہ کر بھلا تو ہو بھلا

......☆......

تم ہی تو وہ حسین ہو
تم ہی تو ماہ جبین ہو

خدا کرے ذہین ہو
مذاق ہی مذاق میں

❍ ❍ ❍

''گھر داماد'' سے ''بے گھر داماد''

اپنی ہی حرکت سے گھر داماد بے گھر ہو گئے
گھر بسانے آئے تھے پر گھر سے بے گھر ہو گئے

ہماری نئی نسل جواب پروان چڑھ رہی ہے بہت زیادہ آزاد خیال اور خود اعتمادی سے بھرپور ہے اس لئے اپنے فیصلے خود کرنا چاہتی ہے۔ لیکن کم عمری' نا تجربہ کاری اور دور اندیشی نہ ہونے کی وجہ سے نقصان بھی اٹھاتی ہے تو کہتی ہے:

We Learn By Our Mistakes.

پہلے زمانے میں والدین یا خاندان کے بزرگ اپنے تجربے کی روشنی میں نئی نسل کو نصیحت کرتے تھے اور مفید مشورے سے نوازتے تھے۔ چونکہ اس زمانے کی نئی نسل ان کی باتوں کو غور سے سنتی تھی اور اس پر عمل بھی کرتی تھی جس کا انہیں فائدہ بھی پہنچتا تھا۔ لیکن آج کے دور میں ایسا ہونا' ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ چونکہ زمانہ بدل گیا' سوچ بدل گئی۔ فی زمانہ نصیحت پر عمل کرنا تو کجا نصیحت سننے کو بھی کوئی تیار نہیں۔ اس کی وجہ ''جدید طرز تعلیم''!

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ہمارے والدین کہا کرتے تھے کہ جب تم اپنے بچوں کی شادی کرو تو اس بات کا خیال ضرور رکھنا کہ لڑکے اور لڑکی کی عمروں میں ۶ سے ۸ سال کا فرق ضرور ہو۔ جب ہم نے وضاحت چاہی تو بتایا کہ لڑکی چونکہ بچوں کی پیدائش کے بعد جلد ڈھل جاتی ہے اس لئے لڑکے کا اس سے زیادہ عمر کا ہونا لازمی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی لیکن آج کل کی نئی نسل کو کون سمجھائے۔ ان کا کہنا ہے کہ لڑکا اگر لڑکی سے ۶ یا ۸ سال بڑا ہے تو اس کی سوچ میں فرق لازمی ہو

گا۔ گویا کہ وہ زیادہ معتبر ہو گیا ہو گا۔ اس لئے آؤٹ آف ڈیٹ ہو گیا۔ چلئے چھٹی ہوئی ان کی جو پرانے خیالات رکھتے تھے۔

یہ بات طے ہے کہ لڑکے کے مقابلے میں لڑکی زیادہ سمجھ دار ہوتی ہے اس لئے ہر اس شخص کا گھر بس گیا جس کی عورت سمجھدار ہوئی۔ ورنہ گھر کو اجاڑنے میں مرد بہت تیزی دکھاتے ہیں چونکہ انہیں یقین ہوتا ہے کہ ایک چھوڑ دو تیار ہو جائیں گی اور جب تک یہ سوچ ہم نہیں بدلیں گے ہمارا معاشرہ کبھی سدھر نہیں سکتا اور اس کے ذمہ دار بھی ہم خود ہوں گے کوئی دوسرا نہیں۔

ہر عورت کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا اپنا گھر ہو، اپنا شوہر ہو جو صرف اپنا ہو پھر اس کے بچے ہوں، پھر وہ رات اور دن اپنے رب کے حضور سر بہ سجود شکرانے ادا کرتی ہے اور برائے حاجت دعا بھی مانگتی ہے اپنے گھر کی سلامتی کے لئے، اپنے شوہر کے رزق حلال کے لئے، بچوں کی پرورش کے لئے ان کے روشن مستقبل کے لئے۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ اچھی بیوی بھی قسمت والوں کو ہی نصیب ہوتی ہے۔ اب قسمت والا بننے کے لئے آپ کو بھی تو کچھ کرنا ہو گا۔ مستقل مزاجی اور بردباری اپنے اندر پیدا کرنی ہو گی لیکن وہ آئے گی عمر اور تعلیم سے نہ کہ تجربے سے۔

پردیس میں رہنے والوں کا ایک مسئلہ شروع سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ وہ ہے بچوں کی شادی۔ اپنے وطن میں تو اپنے سارے رشتہ دار خاندان سب ہی موجود ہوتے ہیں تو مسئلہ زیادہ مسئلہ نہیں رہتا۔ دشواری ضرور ہوتی ہے لیکن قدرے کم۔ کیونکہ لوگوں کا آنا جانا پھر آپ کا خود کہیں آنا جانا۔ دوست احباب سب مل کر کوئی نہ کوئی رشتہ ڈھونڈ ہی لیتے ہیں۔ کبھی کسی کو کسی کی لڑکی پسند آ گئی پھر کبھی کسی کو کسی کا لڑکا۔ چٹ منگنی اور پھر پٹ بیاہ۔ اللہ اللہ خیر سلہ۔ لیکن یہاں مسئلہ کچھ اور ہے۔

ہمارے ایک دوست ہیں انہوں نے اپنی بیٹی کا رشتہ اپنے بھائی کے بیٹے سے اپنے وطن جا کر کر دیا۔ نکاح بھی ہو گیا۔ لڑکی واپس کینیڈا آ گئی۔ کاغذات جمع کرا دیئے گئے۔ یہ طے ہو گیا کہ جب لڑکا یہاں آ جائے گا تو پھر رخصتی ہو گی۔ اس دوران لڑکا گھر داماد بن کر رہے گا۔ چند مہینوں میں موصوف کینیڈا پہنچ گئے اور اپنے سسرال میں رہنے لگے گھر داماد بن کر۔ میرے

دوست نے اپنے داماد کی آمد کے فوراً بعد مکان بھی تبدیل کر لیا۔ ایک کمرہ الگ دے دیا تا کہ گھر داماد صاحب کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ لیکن نصیب کے لکھے کو کون مٹا سکتا ہے۔ گھر داماد صاحب کے یہاں پہنچنے کے بعد طور طریقے تبدیل ہونے شروع ہوئے۔ نئے نئے دوست بننے لگے، روز روز تاخیر سے گھر آنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ پھر اچانک میرے دوست کے علم میں یہ بات آئی کہ موصوف کو اداکاری کا شوق ہے اور وہ پڑھائی کے ساتھ ساتھ ایکٹنگ کے سلسلے کو بھی جاری رکھیں گے۔ روز روز ''ڈرامے'' اور پھر ڈرامے کے سلسلے کی ڈرامے بازیاں، پھر کچھ پردہ نشینوں کے نام، میرے دوست تنگ آ گئے۔ گھر والے پریشان رہنے لگے اور اس سوچ میں پڑ گئے کہ اب کیا کریں۔ میرے اس دوست نے اپنے کئی قریبی دوستوں اور بہی خواہوں سے اس سلسلے میں مشورہ کیا۔ پھر دوستوں کے کہنے پر ہی میرے اس دوست نے اپنے بھائی کو اپنے وطن سب کچھ لکھ بھیجا تا کہ لڑکے کے والدین باخبر رہیں کہ ان کا بیٹا یہاں پہنچنے کے بعد کیا گل کھلا رہا ہے۔ لڑکے کے والد نے میرے دوست کی باتیں سننے کے بعد فون پر اپنے بیٹے کی باتیں سنیں اور پھر اپنے بیٹے کے حق میں فیصلہ دیتے ہوئے اپنے بھائی کو کہا کہ آپ میرے بیٹے کو جینے دیں۔ اس کے لئے اگر آسانی پیدا نہیں کر سکتے تو دشواری بھی پیدا نہ کریں۔ میں اپنے بیٹے کو اچھی طرح جانتا ہوں اور اب تو آپ کو بھی سمجھنے لگا ہوں۔ یہ سن کر میرے دوست کا جیسے کلیجہ پھٹ گیا کہ جس بھائی کے لیے میں نے آسانی پیدا کی کہ ان کا بیٹا اگر میرا داماد بن گیا تو پہلے کی رشتہ داری اور مضبوط ہو جائے گی۔ میرے بھائی اپنے وطن سے یہاں اور پھر یہاں سے اپنے وطن بہ آسانی آ اور جا سکیں گے۔ اس پر اتنا بڑا الزام۔ ہم نے نیکی کرنی چاہی، برائی ہو گئی۔ دل ٹوٹ گیا میرے اس دوست کا۔ اب تو وہ ہر ایک کو یہی کہتا ہے کہ غیروں میں رشتہ کر دینا اپنے بچوں کا لیکن اپنوں میں نہ کرنا۔

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

میرا یہ دوست ابھی اس غم میں ڈوبا ہوا ہی تھا کہ اب جناب گھر داماد صاحب رات گئے دیر سے آنے لگے۔ کبھی رات کے ایک بجے، کبھی دو بجے اور کبھی ڈھائی بجے گھر میں بول چال بھی

بند کھانا پینا بھی نہیں۔ اب نامعلوم موصوف کہاں جاتے ہیں اور کہاں سے آتے ہیں۔ اس صورت حال میں تو میرا یہ دوست اور بھی گھبرایا کہ کل کلاں کو کوئی حادثہ ہو جائے لڑکے کے لئے نیا شہر ہے نئے لوگوں میں یہ اٹھتا بیٹھتا ہے۔ خیر سلسلہ یوں چلتا رہا۔ اب میرا یہ دوست سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ جب اس لڑکے نے اپنا رویہ ہمارے ساتھ اس طرح کا رکھا ہوا ہے تو ہم مستقبل قریب میں اس سے کیا امیدیں وابستا کر سکتے ہیں۔

ایک رات گھر داماد صاحب تین بجے تک گھر نہیں آئے تو گھر والوں نے دروازہ بند کیا اور سو گئے۔ صبح اٹھ کر سب کو جاب پر جانا تھا۔ جب صبح دروازہ کھولا تو دیکھا کہ محترم گھر داماد صاحب دروازے کے باہر کوریڈور میں زمین پر پڑے ہیں اور سو رہے ہیں۔

میرے دوست کا کہنا ہے کہ وہ اپنی نہیں تو کم از کم ہماری عزت کا ہی خیال رکھ لے۔ پڑوسی کیا کہیں گے کہ گھر داماد گھر کے باہر زمین پر سو رہے تھے۔ گویا گھر داماد گھر سے بے گھر ہو گئے۔ اب گھر داماد صاحب نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور دوسرا دن گزارنے کے بعد رات پھر کسی کافی شاپ میں اپنا وقت گزارا، پھر ایک رات کسی دوست کے گھر پھر دوسرے دوست کے گھر رات گزارنے لگے۔ اب یہ ان کا معمول بن گیا ہے۔ والدین کی سرپرستی ان کی اولاد کے لئے اس قدر ضروری ہے اس بات کا احساس کسی کو ہو یا نہ ہو میرے اس دوست کو ضرور ہو گیا ہے۔ دوسروں کے بچوں کو اسپانسر کر کے یہاں منگوانے والوں کو ان تمام باتوں کا خیال رکھنا کس قدر ضروری ہے اس واقعہ سے سب کی آنکھیں کھل جانی چاہیے۔

میرے اس دوست نے اپنے بھائی کو آخری خط لکھ بھیجا ہے کہ میں آپ کے بیٹے کی ان حرکات کے پیش نظر اپنی بیٹی کا ہاتھ فی الحال اسکے ہاتھوں میں دینے سے قاصر ہوں اور نہ میں آپ کے بیٹے کی کسی حرکت کا ذمہ دار ہوں۔ بہتر تو یہی ہوگا کہ آپ اسے اپنے پاس بلا لیں اور اپنی سرپرستی میں رکھیں ورنہ ہوسکتا ہے کہ اگر زیادہ دیر ہو جائے تو آپ کو پچھتانا پڑے۔ اور اس کے ذمہ دار آپ خود ہوں گے میں نہیں۔ ''آپ کا بیٹا فلم اسٹار تو بن گیا ہے لیکن آنکھ کا تارہ نہیں رہا۔''

ایسے نہ معلوم کتنے واقعات اس دیارِ غیر میں رونما ہوتے ہوں گے جن کا ہمیں علم نہیں لیکن اس واقعہ کی روشنی میں اتنا تو کہنے کا حق ہے کہ جو لوگ بھی اپنی اولاد کا، خاص کر بچیوں کا رشتہ اپنے وطن میں موجود اپنے رشتہ داروں یا دوستوں کے بچوں سے کرتے ہیں اس بات کا اطمینان ضرور کر لیں کہ اس ناگزیر حالات میں ان کا ردعمل کیا ہوگا۔ چونکہ بقول آج کل کے بچوں کے کہ ہم اپنی غلطیوں سے سیکھتے ہیں۔

''سیکھو گے مجھ سے تم جو لگن سیکھنے کی ہو''

آج کل کے اس دور میں اپنے سگے بھی اپنے سگوں کو اپنی اولاد کے لئے بطور ''برج'' استعمال کرتے ہیں لیکن وہ یہ فیصلہ کرتے وقت بھول جاتے ہیں کہ خدا کی ذات سب دیکھ رہی ہے۔ بعض اوقات یہی اولاد ''رحمت'' کی بجائے ''زحمت'' بن جاتی ہیں۔ اس طرح نیا رشتہ جوڑتے جوڑتے پرانے رشتے میں بھی دراڑ پڑ جاتی ہے۔ اور لوگ قریب آنے کی بجائے اور دور ہو جاتے ہیں۔

آئے گھر داماد، گھر، پھر گھر سے بے گھر ہو گئے
خود سے آئے تھے یہاں پھر خود سے خودسر ہو گئے

......☆......

وہ آ رہے ہیں میرے پاس
تو پوری ہوگی دل کی آس

نہ میں رہوں گا پھر اداس
مذاق ہی مذاق میں

❍ ❍ ❍

شادی میرے شوہر کی

ہو گئی شادی بھی جن کے شوہروں کی خیر سے
ان وفا کی پُتلیوں اور ان کی عظمت کو سلام

ہمارے یہاں شادی شدہ لوگوں میں مزید شادیاں کرنے کا رواج بڑھتا جا رہا ہے۔ مانا کہ اسلام چار شادیاں کرنے کی کی اجازت دیتا ہے (مردوں کو) اس کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ ایک بسے بسائے گھر کو اجاڑ کر ایک دوسرا گھر آباد کرلیں۔ ہاں اگر آپ کی بیوی فوت ہو چکی ہے یا بیمار رہتی ہے، حق زوجیت ادا نہیں کر سکتی ہے، بچے پیدا کرنے کے قابل نہیں ہے، آپ کے حکم کی خلاف ورزی کرتی ہے یا پھر بدچلن ہے تو اور بات ہے۔ دوسری شادی کوئی مذاق نہیں ہے کہ جب اور جس سے چاہا کر لی۔ جو لوگ اپنی زندگی کی پچاس سے زائد بہاریں دیکھ چکے ہیں، صاحب اولاد ہیں اپنی جوان بیٹیوں کی شادی کر چکے ہیں یا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں انہیں تو کم از کم ہوش سے کام لینا چاہیے۔

ہمارے ایک بے تکلف دوست ہیں بہت شاعرانہ طبیعت کے مالک ہیں۔ ہماری طرح دو چار الٹے سیدھے شعر لکھ لیتے ہیں۔ بہت دل پھینک واقع ہوئے ہیں۔ آج کل اپنی تیسری بیگم کے ساتھ رہ رہے ہیں۔ پہلی شادی بقول ان کے ان کی اس وقت ہوئی تھی جب وہ بہت چھوٹے تھے۔ شادی کا مفہوم بھی نہیں سمجھتے تھے۔ ماں باپ نے ان کی شادی زبردستی اپنے کسی رشتہ دار کی لڑکی سے کروا دی تھی جو زیادہ عرصے نہ چلی لیکن ان سے بچے ہیں۔ جواب صاحب اولاد بھی ہیں۔ ان کی دوسری شادی کسی غریب خاندان میں ہوئی اور وہ خاتون بقول میرے دوست کے

ان کی دولت سے مرعوب ہو کر ان کی زوجیت میں آئی تھیں اس لئے تھوڑے عرصے میں ہی اس سے پیچھا چھڑا لیا یہ کہہ کر مجھے سچی محبت کرنے والی بیوی چاہیے دولت کی پجاری نہیں۔ تیسری شادی میرے دوست نے بہت دولت مند خاتون سے کی جو بیوہ تھیں۔ اس نے ڈھونگ تو یہ رچایا کہ میں تم سے محبت کی بنا پر شادی کر رہا ہوں تمہاری دولت پر نظر نہیں۔ جبکہ حقیقت میں اس کے برعکس تھا چونکہ خاتون کے پاس کوئی چوائس بھی نہیں تھی۔ میرے اس دوست کی باتوں میں آ گئی اور اپنا سب کچھ ہار دیا۔

لیکن یہاں تک بھی بس ہو جاتا تو ٹھیک تھا۔ موصوف کی طبیعت چونکہ شاعرانہ تھی اس لئے عاشقانہ ہونے میں زیادہ وقت نہ لگا اور وہ کئی زلفوں کے اسیر ہوتے چلے گئے۔ لیکن میں اپنے دوست کی اس خوبی کی تعریف کروں گا کہ اس نے ہمیشہ بیواؤں یا علیحدہ زندگی گزارنے والی خواتین میں ہی دلچسپی لی اور انہیں اپنی آنکھوں کا ''نور'' دل کا ''سرور'' سمجھتے ہوئے ان کی ''عصمت'' کی ''عظمت'' کو سلام کیا اور اس کی حفاظت پر اپنے آپ کو معمور کیا۔ میرے دوست کو ہر دولت مند ''بیوہ'' میں اپنے ہونے والے بچوں کی ''ماں'' نظر آتی ہے۔ اللہ رے شوق۔

میرا یہ دوست دراصل ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتا ہے اور چونکہ انسان ساری زندگی اپنی اس کمی کو پورا کرنے میں لگا رہتا ہے جس چیز کی کمی اس کے اندر ہوتی ہے۔ میرا یہ دوست اگر بیواؤں کے ''مال'' پر نظر رکھتا ہے تو یہ ایک فطری بات ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام بیواؤں کو میرے اس دوست کے ناپاک عزائم سے محفوظ رکھے اور ان کی حفاظت خود کرے۔ آمین۔

پچھلے دنوں میرا یہ دوست لندن کسی کام سے گیا تو اس کی حالیہ محبت اس کے ساتھ گئی۔ آخری خبریں آنے تک میرا یہ دوست لندن میں ہی مقیم تھا۔ شائد اس نے وہاں گھر بسا لیا ہو۔ اس بات کی تصدیق نہیں ہوئی۔ میرے اس دوست کی زبان پر ہر دم یہ شعر رہتا ہے ؎

قناعت نہ کر، صرف دو بیویوں پہ
شریعت میں دو بیویاں اور بھی ہیں

میرا ایک اور قریبی دوست جو خیر سے بہت سمجھدار بھی ہے جوان جوان بچوں کا باپ ہے جو

سب کے سب شادی کے لائق ہیں۔ پچھلے دنوں اس سے متعلق ایک منحوس خبر سننے کو ملی کہ اس نے دوسری شادی کر لی ہے۔ یقین نہیں ایا کہ اتنا سمجھدار آدمی ایسی غلطی کیسے کر سکتا ہے۔ پاگل ہونے کے لئے ایک بیوی ہی کافی ہوتی ہے دوسری کا تصور بھی انسان کیسے کرے۔ اور وہ بھی یہاں کینیڈا میں جہاں صرف ایک ''لیگل وائف'' رکھنے کی اجازت ہے۔ خیر صاحب بھاگا بھاگا اس کے گھر پہنچا تو اس کی میری ملاقات اس کے گھر کے دروازے پر ہی ہوگئی۔ کہنے لگا کہ سمجھاؤ اپنی بھابھی کو۔ حالات کی نزاکت کو نہیں سمجھتی ہیں کہ کبھی کبھی ایسا کرنا پڑتا ہے لیکن نہیں وہی دو کا پہاڑا پڑھے جا رہی ہیں کہ ''مجھے طلاق دے دو، مجھے طلاق دے دو''۔ طلاق نہ ہوگئی مذاق ہو گیا کہ کہیں طلاق بھی مسئلے کا حل ہے۔

خیر صاحب جب میں گھر کے اندر داخل ہوا تو میں نے اپنے دوست کی بیگم کی بھرائی ہوئی آواز سنی وہ چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی کہ تم خواہ دوسری شادی "Common Law" کے تحت کرو یا "House of Common" کی اجازت سے کرو میں کسی سوکن کے ساتھ "Common House" میں نہیں رہ سکتی۔

"Common Sence" استعمال کرو اگر ہے تو۔ جوان جوان بیٹیاں گھر میں موجود ہیں۔ ان کے ہاتھ پیلے کروانے کی بجائے اپنا منہ کالا کرتے پھر رہے ہو۔ ابھی یہ لعن طعن کا سلسلہ جاری تھا کہ دوسری جانب سے لوگ میرے دوست کے ''سیل'' پر مبارک باد دے رہے تھے۔ جن میں خواتین کی تعداد زیادہ تھی۔

میں ایک طرف بیٹھا یہ سوچ رہا تھا کہ ایک خاتون کے گھر میں آگ لگی ہے اس کا گھر اجڑ رہا ہے، دوسری طرف سے ایک خاتون میرے دوست کو مبارک باد دے رہی ہے۔ کاش یہ خواتین اس خاتون کا دکھ سمجھ سکتیں یا وہ بھی اپنے آپ کو میرے اس دوست کی بیوی کی جگہ رکھ کر سوچ سکتیں کہ اگر ان کے اپنے گھر یہ معاملہ ہوتا اور کوئی ان کے شوہر کو مبارک باد کہہ رہا ہوتا تو ان کے دل پر کیا گزرتی۔ ذرا سوچیں......ایسے لوگ اللہ کے عذاب سے کیسے بچنے لگے۔

اگر ہم کینیڈا جیسے ملکوں میں رہتے ہیں اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ ہم اپنی من مانی

کریں کہ یہاں کا اسلام flexable ہے۔حرام چیز کو بھی ''بسم اللہ'' پڑھ کر کھالیں۔ناجائز کو جائز کرلیں۔ہمارے ایک دوست ہیں غصے کے بہت تیز۔ذرا ذرا سی بات پر لڑنے مرنے کو تیار رہتے ہیں۔یہ عادت ان کی بچپن سے ہے۔شادی ہوگئی تو لوگ سمجھتے کہ اب شاید یہ سدھر جائیں گے لیکن ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی''۔ایک دن کسی بات پر بیگم سے ناراض ہوگئے۔بات بڑھتے بڑھتے طلاق تک پہنچ گئی اور ایک دو تین کہہ کر ایک طرف جا کر بیٹھ گئے۔بیگم نے زوردار چیخ ماری اور پوچھا کہ یہ آج آپ نے کیا کردیا۔کہنے لگے میں نے غصے میں کہا ہے نارمل حالات میں نہیں کہا ہے اس لئے طلاق نہیں ہوئی۔دوسرے دن لوگوں کے کہنے پر مولوی صاحب کے پاس گئے۔انہوں نے کہا کہ آپ دونوں میں علیحدگی ہوگئی ہے ''حلالہ'' کے بغیر آپ لوگ حرام کاری کریں گے۔اس پر میرے دوست نے مولوی صاحب کو کہا کہ میں نے غصے کے عالم میں کہا ہے میں نارمل نہیں تھا۔اس پر مولوی صاحب نے کہا کہ ''طلاق'' ہمیشہ غصہ کے عالم میں ہی انسان دیتا ہے۔کون ہنس ہنس کر طلاق کے الفاظ اپنے منہ سے نہیں نکالتا ہے۔اس لئے اسلام میں غصہ حرام ہے۔

(نوٹ طلاق کا معاملہ بڑا نازک معاملہ ہے۔ایسی صورت میں کسی مفتی اور عالم حضرات سے رجوع کریں۔)

ہمارے ایک بہت ہی قریبی دوست کے بہنوئی ہیں۔عمر تقریباً ۷۰ سال ہے۔جوان جوان بچوں کے باپ ہیں۔کچھ کی شادیاں ہوچکی ہیں، کچھ کی کرنی باقی ہیں۔نانا بھی ہیں دادا بھی۔جسم کے بیشتر حصوں نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے لیکن دل ابھی تک جوان ہے۔پڑوس میں آکر آباد ہونے والے نئے لوگوں سے جا کر ملنا اپنا مکمل تعارف کرانا اور ان کے لائق کوئی کام ہو یہ پوچھنا ان کے معمول کا حصہ ہے۔ایک دن پڑوسن کے بیوہ بہن سے رشتہ پکا کر آئے۔اب گھر کے تمام لوگ پریشان ہوگئے کہ یہ عمر ان کی معاملات سمیٹنے کی ہیں لیکن یہ تو مزید پھیلا رہے ہیں۔گھر کے تمام لوگوں نے انہیں بہت سمجھایا لیکن نہیں مانے اور نکاح پڑھوا آئے۔معلوم ہوا کہ اس گھر کے بچوں کو قرآن پڑھانے والے مولوی صاحب نے ان کا نکاح پڑھایا ہے۔کوئی

کاغذات تیار نہیں کئے گئے۔نکاح کی نہ کوئی رجسٹری ہوئی۔کہتے ہیں کہ اللہ کے سامنے اللہ کو گواہ بنا کر نکاح کیا ہے۔اسی کو جواب دہ ہوں۔آخر ہمارے والدین یا پھر والدین کے والدین کا نکاح بھی تو ایسے ہوا تھا۔کہاں ہوئی تھی کوئی رجسٹری اور کہاں تیار ہوا تھا کوئی نکاح نامہ۔اس طرح بڑے میاں کینیڈا کے قانونی شکنجے میں بھی نہ آئے۔نکاح کا نکاح اور بچت کی بچت۔ان تمام حالات کا ان کی پہلی بیگم جائزہ لیتی رہیں۔پھر اچانک ان کے بیوی بچوں نے شور مچانا شروع کردیا۔بیگم نے ۹۱۱ کال کرنے اور مکان اپنے نام لکھوانے اور گھر سے نکل جانے کی جب دھمکی دی تو بڑے میاں گھبرائے اور ان کو اپنی موت نظر آنے لگی۔گھبرا کر ''قرآن مجید'' پر ہاتھ رکھ کر قسم کھالی کہ دو دن بعد نکاحی دلہن کو طلاق دے دوں گا۔نکاح نہ ہوا مذاق ہوگیا۔اگر طلاق دے دی تو بچ جائیں اور نہیں دی تو تباہ ہوجائیں گے۔آخر مظلوم بیوی اور معصوم بچوں کی آہ کہاں جائے گی۔کہتے ہیں نا۔

آہ جاتی ہے فلک پر رحم لانے کے لئے
بادلو ہٹ جاؤ دے دو راہ جانے کے لئے

......☆......

سنو یہ بات اے صنم
نہ دو مجھے کوئی قسم

کہ ٹوٹ جائے نا بھرم
مذاق ہی مذاق میں

❍ ❍ ❍

میں بنا دولہا

میں بنا دولہا، جو اور اک بار، تو سمجھے یہ لوگ
اک ذرا سی مسکراہٹ زندگی بھر کو ہے روگ

صاحب جولوگ ایک سے زیادہ شادی کرتے ہیں وہ کوئی نہ کوئی جواز ضرور بنا لیتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ پہلی شادی والدین کی پسند سے کر لی تھی اب دوسری شادی اپنی پسند سے کر رہا ہوں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ پہلی والی بیوی چند سالوں میں چونکہ پرانی ہو جاتی ہے اس لئے اپنے شوہر کو وہ توجہ اور اہمیت نہیں دیتی جس کا وہ عادی ہو چکا ہوتا ہے یا پھر مجاز ہے۔

ایک اور صاحب نے بتایا کہ پہلی بیوی کا دماغ ٹھکانے پر رکھنے کے لیے دوسری بیوی کا ہونا بہت ضروری ہے۔ کسی نے یہ بھی کہا کہ آپ نے پہلی بیوی سے ڈر کر دوسری شادی نہیں کی تو گویا شرک کیا۔ کیونکہ ڈرنے کا حکم تو صرف اللہ سے ہے اور کسی سے بھی نہیں۔

ایک صاحب نے از راہ مذاق کہا کہ جس شخص نے دو شادیاں کی ہوئی ہوں گی وہ قیامت کے دن سیدھا جنت میں جائے گا۔ کسی کے پوچھنے پر فرشتے کہیں گے کہ اس شخص نے تو دنیا میں ہی جہنم دیکھ لیا ہے اب دوبارہ جہنم میں کیا ڈالنا۔

جن لوگوں کا خیال ہے کہ ۔

قناعت نہ کر صرف دو بیویوں پہ
شریعت میں دو بیویاں اور بھی ہیں

گویا چار شادیاں کرنے کے شوقین یاد رکھیں کہ ان سے پرسش بھی اتنی ہوگی جتنی کہ وہ

شادیاں کریں گے۔ چونکہ ہر ایک کے ساتھ برابری کا سلوک برابر دن٬ برابر رات اور پھر برابر مال وزر اور زمین کیسے کر سکیں گے۔ یاد رکھیں کہ حقیقت میں پہلی شادی میں جو بیوی آپ کے گھر آتی ہے وہی سچی اور حقیقی بیوی ہوتی ہے۔ آپ مانیں یا مانیں۔

پہلی بیوی ناز اٹھائے، دوسری نخرے کرے
تیسری عزت اتارے چوتھی بولے ارے ترسے

ہمارے ایک دوست تھے اپنے وطن میں ہمارے ساتھ ہی ملازمت کرتے تھے۔ شوق میں دو شادیاں کر بیٹھے۔ دونوں بیگمات علیحدہ علیحدہ مکان میں رہتی تھیں لیکن کھانا بے چارہ باہر ہی کھاتا تھا وہ بھی اکیلا۔ دراصل ویک اینڈ پر جب میں اپنے بیوی بچوں سمیت کسی ریستوران میں کھانا کھانے جاتا تو میری نظر اکثر میرے دوست پر پڑ جاتی تھی۔ ایک دن میں نے ہمت کر کے اس سے پوچھ ہی لیا کہ یار تمہاری ایک نہیں دو بیگمات ہیں تو تم کھانا گھر کی بجائے باہر کیوں کھاتے ہو یا تمہاری دونوں بیگمات میں سے کسی کو بھی کھانا پکانا نہیں آتا ہے کیا ......؟۔ میرا دوست کہنے لگا نہیں نہیں یہ بات نہیں ہے ہوتا دراصل اس طرح ہے کہ پہلی سے جب میں کہتا ہوں کہ میں آج شام دوسری کی طرف جاؤں گا تو وہ کہتی ہے کہ دوسری کی طرف جا رہے ہو نا تو کھانا وہیں کھا لینا۔ اب جب دوسری کے پاس جاتا ہوں تو وہ کہتی ہے کہ تم پہلی کے پاس سے آ رہے ہو تو کھانا کیوں نہیں کھا کر آئے۔ اس لئے میں دونوں میں سے کسی کو یہ نہیں بتاتا ہوں کہ میں نے کھانا کب اور کہاں کھایا ہے۔ دوسری نے پوچھا تو کہہ دیا کہ پہلی کے پاس سے کھا کر آ رہا ہوں یا پھر دوسری کے پاس جا کر کھا لوں گا پہلی کو کہہ دیا۔ اس طرح دونوں خوش رہتی ہیں چونکہ عقل نام کی چیز دونوں میں سے کسی کے پاس نہیں ہے۔ اپنی زندگی اجیرن کرنے سے بہتر ہے کہ وقت پر کھانا کھا لیا جائے۔ اللہ اللہ خیر سلہ۔ جو غلطی کی ہے اس کو تو بھگتنا ہے۔

میرے ایک عزیز ہیں ان کے بیٹے نے بھی اپنے وطن میں ہی دو شادیاں کی ہیں۔ اس سے جب میری پہلی ملاقات ہوئی تو میں نے چھوٹتے ہی ایک سوال داغ دیا کہ میاں صاحب زادے یہ اتنی چھوٹی عمر میں اور دو دو گھر کس طرح چلا رہے ہو۔ لڑکے جواب دیا پہلی شادی تو گھر

والوں نے میری کرائی تھی لیکن دوسری شادی ''مذاق ہی مذاق'' میں ہو گئی۔ میں نے کہا کہ یہ تو میرے TV پروگرام کا نام ہے کہنے لگا میری شادی کو بھی آپ اپنے ٹی وی پروگرام کا حصہ ہی سمجھ لیں کیونکہ میری دوسری بیگم کو دن بھر سونے اور رات بھر ٹی وی دیکھنے کے علاوہ کوئی کام نہیں ہے۔ گھر کا کام کاج تو میری پہلی بیوی کرتی ہے۔ ہاں میری دوسری بیوی کو باہر گھومنے کا بڑا شوق ہے جبکہ پہلی بیوی کو بالکل نہیں وہ تو صوم وصلوٰۃ کی بڑی پابند ہے۔ میں نے پوچھا کہ جب تمہاری پہلی بیوی اتنی اچھی تھی تو پھر تم نے دوسری شادی کیوں کی۔ کہنے لگا میری پہلی بیوی ایک متوسط گھرانے سے ہے جبکہ دوسری مالدار فیملی سے ہے۔ دوسری بیوی کے گھرانے سے میں دبتا ہوں جبکہ پہلی بیوی کے گھر والوں کو میں دباتا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ وہ کس طرح۔ بہت آسان جواب ہے پہلی کچھ بھی کہتی ہے میں نہیں مانتا اور دوسری کچھ بھی کہتی میں مان جاتا ہوں۔ ''سمجھا کریں'' ایسا کرنا پڑتا ہے۔ پہلی کو میں نوکرانی سمجھتا ہوں جبکہ دوسری مجھے اپنا نوکر سمجھتی ہے۔ پہلی بیوی کے پاس کتنے جوڑے ہیں یا کتنے سینڈل ہیں مجھے نہیں معلوم جبکہ دوسری کے پاس کتنے جوڑے اور سینڈلز ہیں مجھے سب معلوم ہے۔ چونکہ ان جوڑوں پر میں ہی استری کرتا ہوں اور سینڈلز میچ کر کے لاتا ہوں تا کہ بیگم صاحبہ پہن کر کسی پارٹی میں جائیں۔

میرے محلے میں جہاں میں رہتا ہوں ایک صاحب نے ایک مکان کرائے پر لیا تھا جو تین منزلہ تھا۔ ان کی تین بیگمات ہیں۔ ہر منزل پر ایک بیگم۔ دو بیگمات سے ان کی اولادیں تھیں جبکہ تیسری سے کوئی اولاد نہ تھی۔ جن بیگمات سے ان کی اولادیں تھیں وہ تو ہر وقت گھر پر رہتی تھیں جبکہ تیسری بیگم ہر وقت دم چھلّہ بنی رہتی تھیں۔ محلے میں آنا جانا لوگوں سے لین دین بھی تیسری نئی نویلی بیگم ہی کرتی تھیں۔ پھر ایک دم اچانک ہم سب لوگوں کو ایک خبر نے ششدر کر دیا۔ خبر ملی کہ موصوف نے چوتھی شادی کر لی ہے اور غائب ہیں۔ گھر نہیں آئے۔ شائد چوتھی کی ساتھ ہنی مون پر گئے ہوئے ہیں۔ بہت تلاش کیا گیا۔ اب تینوں مل کر چوتھی کے خلاف پلاننگ کرنے بیٹھ گئیں۔ میں نے ان سے کہا کہ جب وہ شخص ایک کے بعد ایک شادی کر رہا تھا تو آپ لوگوں نے اس کو حوصلہ دیا۔ خاموش تماشائی بنی رہیں۔ آج جب وہ آپ سب کو چھوڑ کر چلا گیا ہے تو آپ

تینوں ایک ساتھ ہو گئیں۔ کاش یہ بات آپ لوگ پہلے سوچ سکتیں۔

یاد رکھئے جو شخص پہلی بیوی کا نہ ہوا تو وہ کیا دوسری کا ہوگا، یا تیسری اور پھر چوتھی کا (اللہ معافی)۔

یہ بات ہمارے سوچنے کی نہیں ہے یہ بات ہے سوچنے کی ان لوگوں کو جو یہ جانتے بوجھتے کہ یہ شخص پہلے سے شادی شدہ ہے اس کے جوان جوان بچے ہیں۔ ان سے شادی کا خواہش مند ہے تو انکار کر دیں۔ ٹھکرا دیں اس کی اس گھناؤنی سوچ کو اور اس سے کہیں کہ جاؤ اپنے بیوی بچوں میں لوٹ جاؤ کہ جنہوں نے اپنا سب کچھ پہلے سے ہی تم پر نچھاور کر رکھا ہے۔ کیسے ایک عورت دوسری عورت کا گھر برباد کر کے اپنا گھر آباد کر سکتی ہے۔ کیسے ایک گرے ہوئے مکان کے ملبے پر اپنا مکان تعمیر کر سکتی ہے۔ اس گھر سے تو مظلوم عورت کے بچوں کی سسکیاں سنائی دیں گی۔ وہاں چین اور سکون کس کو نصیب ہوگا۔ ہرگز ہرگز نہیں۔ بہتری اسی میں ہے کہ کسی کا گھر نہ اجاڑا جائے۔ کیونکہ ایک مظلوم عورت کی صدا ہر وقت سنائی دے گی ؎

تو نا جا میرے بالما
ایک وعدے کیلئے
ایک وعدہ توڑ کر

......☆......

زیادہ لالچ بری بلا

جس نے کی لالچ یہاں پر، اس نے منہ کی کھائی ہے
عقل پہ اس کے تو جیسے، اک گھٹا چھائی ہے

دین اسلام نے مسلمانوں کو جن بہت سی برائیوں سے روکا ہے۔ ان میں سے ایک برائی ''لالچ'' بھی ہے۔ انسان لالچ میں اس قدر اندھا ہو جاتا ہے کہ اسے اپنا انجام دکھائی نہیں دیتا اور اس کی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ وہ ایسا کام کر گزرتا ہے کہ جس کا تصور بھی انسان کے وجود کو ہلا کر رکھ دیتا ہے۔ لالچ انسان کو ہٹ دھرم، خودغرض، موقع پرست، بے حس اور بے غیرت بنا دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان ''لالچ'' میں پڑ کر دوسروں کے علاوہ اپنی نظر میں بھی گر جاتا ہے۔ سڑک پر گرا ہوا انسان تو پھر بھی اٹھ کر چلنے لگتا ہے لیکن نظروں سے گرا ہوا انسان زندگی بھر نہیں اٹھ سکتا۔ آپ نے سنا ہوگا کہ ایک ''کتا'' اپنے منہ میں روٹی کا ٹکڑا دبائے جیسے ہی ایک پُل پر پہنچا تو اس کی نظر دریا کے پانی میں اپنے عکس پر پڑی تو سمجھا کہ وہ کوئی دوسرا کتا ہے جس کے منہ میں اس سے ''بڑا'' روٹی کا ٹکڑا ہے۔ اس خیال کے آتے ہی اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ سیدھا دریا میں چھلانگ لگا دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے روٹی کے اس ٹکڑے کے ساتھ ساتھ اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔

اسی طرح ہمارے ایک دوست جو اپنے ملک میں کسٹم آفیسر تھے تنخواہ کے علاوہ اوپر کی آمدنی بہت تھی پھر بھی خوش نہ تھے۔ اپنے کلکٹر آف کسٹمز کی تنخواہ اور ان کی اوپر کی آمدنی کو دیکھ دیکھ کر بہت کڑھتے، تڑپتے تھے اور ہر دم اسی سوچ میں رہتے تھے کہ کلکٹر آف کسٹمز صاحب کی جگہ ان کو کلکٹر بنا دیا جائے اور وہ بے چارہ کلکٹر آف کسٹمز اپنے گھر کی راہ لے۔ لیکن کلکٹر صاحب کو اس کی سازش کا

پتہ چل گیا اور کسٹمز آفیسر کو اوپر شکایت لگانے سے پہلے ہی اس کا تبادلہ کروا دیا۔ کسی ایسی جگہ جہاں سے وہ نکلنے کی کوشش کرتا تو بھی نہیں نکل سکتا تھا۔ گویا ''کالا پانی'' بھجوا دیا۔ اس طرح وہ اپنے منطقی انجام کو پہنچ گیا۔

ایک سرکاری افسر اپنی لیڈی سیکریٹری میں بہت دلچسپی لیتے تھے جبکہ وہ پہلے سے ہی شادی شدہ تھی۔ اس کے بار بار منع کرنے کے باوجود بھی انہوں نے اس کے بارے میں سوچنا نہیں چھوڑا۔ وہ بے چاری اپنی ملازمت کی خاطر ان کی چھوٹی موٹی بدتمیزی برداشت کرتی رہی۔ مزے کی بات یہ کہ سرکاری افسر بھی پہلے سے شادی شدہ تھے۔ صاحب اولاد اور پھر اولاد کی بھی اولاد ''ایک رکھ دوسرا چکھ''۔ یہ سلسلہ کچھ دن تو چلا لیکن لیڈی سیکریٹری ہر دم یہ دعا کرتی رہی کہ اللہ کرے اس افسر کا یہاں سے تبادلہ ہو جائے یا پھر میرا۔ ان دونوں میں سے تو کچھ نہ ہوا ہاں البتہ یہ ہوا کہ سرکاری افسر نے باقاعدہ اس سیکریٹری سے شادی کرنے کا پلان بنا لیا اور اس سیکریٹری سے کہا کہ تم اپنے شوہر سے علیحدگی اختیار کر لو اور مجھ سے ناطہ جوڑ لو۔ لیڈی سیکریٹری کو یہ بات ایک آنکھ نہ بھائی۔ اس نے اسی دن اپنے شوہر سے پورا ماجرہ بیان کر دیا۔ شوہر غیرت مند تھا اس نے دوسرے دن اسے دفتر جانے کو منع کیا اور خود اس کے دفتر جا کر استعفیٰ داخل کر دیا۔ اب تو سرکاری افسر پہلے سے زیادہ پریشان ہو گئے۔ چند دن کے انتظار کے بعد خود اس سے ملنے اس کے گھر چلے گئے اور جا کر اس سے کہا کہ چلو چھوڑو وہ شادی والی بات اب ختم کرو لیکن کم از کم میری لیڈی سیکریٹری تو رہو۔ پرسنل ریلیشن نہ صحیح ورکنگ ریلیشن تو رکھو۔ لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی اور ایسا ممکن نہیں تھا۔ انسان ایسی حرکت ہی کیوں کرے کہ دوسرا کوئی ایسا قدم اٹھا لے جس سے اس کا نقصان بھی ہو اور پریشانی بھی۔

ہمارے ایک دوست کینیڈا آئے تو گھبرا گئے۔ وہاں بینک میں افسر تھے اچھی آمدنی تھی، موٹر کار دروازے پر کھڑی اپنا مکان، نوکر چاکر سب ہی کچھ تو تھا ان کے پاس۔ بس نہیں تھا تو دماغ۔ بیگم نے شور مچایا کہ خاندان کے سارے لوگ امریکہ، کینیڈا نکل رہے ہیں ایک ہم ہیں کے جنہوں نے سوائے ''مری'' اور ''کاغان'' کی سیر کے علاوہ بچوں کو کچھ نہیں دکھا پائے۔ اس بات کو

لے کر اکثر ان کے گھر میں جھگڑا رہنے لگا۔ آخر کار صاحب خانہ نے تھک ہار کر کینیڈا آنے کا فیصلہ کر لیا اور تمام مراحل سے گزرتے ہوئے یہاں پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر ان کی پریشانیوں میں ایک دم سے اضافہ ہوا کہ انہیں ملازمت بینک میں تو ملی نہیں بیٹھ کر سارے پیسے کھائے۔ اب جب پیسے ختم ہو گئے تو فکر ہوئی کہ اب کیا کیا جائے۔ خیر ایک فیکٹری میں ملازمت کر لی۔ تھک ہار کر گھر آتے تو بیگم سے کہتے بیگم بہتر تو یہی ہوگا کہ واپس اپنے ملک چلے جائیں لیکن بیگم نہیں مانیں اور انہوں نے ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا کہ سب رشتہ داروں سے دعوت کھا کر یہاں آئے ہیں کہ ہم کینیڈا جا رہے ہیں اور اب ہم کس منہ سے جا کر کہیں گے کہ ہم واپس آ گئے ہیں۔ یہ ہم سے نہیں ہو سکتا۔ شوہر بولے تو پھر تمہیں بھی کام کرنا ہوگا۔ بیگم بولیں کریں گے۔ دوسرے دن کسی ایجنسی جا کر نام رجسٹر کروا آئیں۔ آج کل دونوں میاں بیوی خوب کما رہے ہیں اور قرضہ اتار رہے ہیں بقول ان کے جو انہوں نے یہاں آ کر مکان خریدا ہے اسے جلد از جلد پے آف کرنا ہے۔ یہاں تک ہوتا تو بات ٹھیک تھی۔ میرے یہ دوست اور اسکی بیگم بقول ان کے ہم لوگ دو دو جابز کرتے ہیں کبھی کبھی تو ہمیں ٹھیک سے سونا بھی نصیب نہیں ہوتا ہے۔ شوہر بے چارے صبح ۶ بجے سے لے کر ۲ بجے تک ایک فیکٹری میں اور پھر ۴ بجے سے لے کر ۱۲ بجے تک دوسرے ''وئیر ہاؤس'' میں کام کرتے ہیں بعض اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ وہ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے بھی سو جاتے ہیں۔ کئی بار ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بھی بچے ہیں۔ اب تیسری جاب کی تلاش میں ہیں۔ کہہ رہے تھے کہ سیمی ڈی ٹیچڈ سے نکل کر ڈی ٹیچڈ مکان میں جانا ہے بھلے چوتھی جاب بھی کرنی کیوں نہ پڑے۔

ایک اور صاحب جو ابھی حال ہی میں اپنے ملک سے آئے ہیں کہتے ہیں کہ وہاں شو بزنس سے وابسطہ تھے۔ کئی کانسرٹس اور اسٹیج شو کرا چکے ہیں۔ اب اسی قسم کا کام یہاں کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ان تمام لوگوں سے وہ مل چکے ہیں جو یہاں شوز کراتے ہیں۔ جب مجھ تک پہنچے تو کہنے لگے کہ میں نے آپ کا بڑا نام سنا ہے۔ آپ اسٹیج شوز کراتے ہیں۔ ڈرامے بھی کرتے ہیں۔ فلم میں بھی آپ نے کام کیا ہے۔ ٹی وی شوز بھی آپ کرتے ہیں، مجھے بتایئے کہ میں کیا کام کروں کہ میں پیسے بناؤں۔ یہ سن کر میں نے ان سے کہا کہ اگر یہ بات مجھے معلوم ہوتی تو کیا میں آپ کے انتظار

میں بیٹھا رہتا کہ آپ جیسا کوئی پہنچا ہوا شاہکار آئے گا تو کام شروع کریں گے۔ میں خود نہ کر لیتا۔ یہ سن کر وہ صاحب کہنے لگے آپ پیسہ بنانا نہیں چاہتے شاید۔ اس پر میں نے کہا کہ پیسے کس کو برے لگتے ہیں لیکن جس طرح آپ چاہ رہے ہیں اس طرح ہرگز نہیں۔ کہنے لگے میں دو مہینے میں بیس ہزار کے چالیس ہزار بنا کر دکھاؤں گا۔ میں نے کہا ''گڈ لک''۔ قسمت کی خرابی کو کیا کہئے۔ اپنے ملک میں نہ جانے انہوں نے کتنے لوگوں کو دھوکہ دیا ہوگا اور کتنے لوگ ان کی تلاش میں ہوں گے۔ یہاں ان کی ملاقات کسی ایسے شخص سے ہوگئی جو فلم بنانا چاہتے تھے اور ان کے پاس کوئی ہٹ اسٹوری تھی۔ یہ ان کے ساتھ منسلک ہوگئے۔ دو چار نشستیں ہوئیں، آٹھ دس آرٹسٹوں کا آڈیشن لیا، دو چار ملاقاتیں کیں۔ وہ شخص ان صاحب کا اٹھارہ ہزار لے کر کہیں روپوش ہوگیا ہے۔ ہوسکتا ہے کسی اور شہر میں آڈیشن لے رہا ہو......

اب تو مجھے بھی آڈیشن کا مطلب کچھ کچھ سمجھ میں آ رہا ہے۔

......☆......

مجھے وہاں پہ آنے دو
جو گزری ہے بتانے دو

سبھوں کو ترس کھانے دو
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

مہمان اور میزبان

بن کے رحمتِ خدا، آتا ہے ہر مہمان گھر
جب چلا جاتا ہے تو لگتا ہے پھر سنسان گھر

بزرگوں نے کہا ہے کہ قسمت والوں کے گھر مہمان آتے ہیں چونکہ مہمان کو اللہ کی رحمت کہا گیا ہے گویا مہمان اللہ کی رحمت لے کر میزبان کے گھر آتے ہیں۔ اب یہ رحمت زحمت میں کب تبدیل ہو جاتی ہے اس کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔ بزرگوں کا کہنا ہے کہ جب بھی تم کسی کے گھر مہمان بن کر جاؤ کوئی سوغات تحفتاً ضرور لے کر جاؤ۔ خالی ہاتھ نہ جاؤ کیوں کہ تحفہ لینے اور تحفہ دینے سے آپس میں محبت بڑھتی ہے۔ مہمانوں کو کہا گیا ہے کہ میزبانوں کو اپنے آنے کی اطلاع قبل از وقت کر دیا کرو اور اس سے اجازت لئے بغیر اس کے گھر مہمان نہ جاؤ اگر وہ مصروف ہے تو کسی اور وقت تک کے لئے اپنا جانا ملتوی کر دو۔ اور برا نہ مناؤ۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مہمان کی مہمان داری دو دن تک تو کی جا سکتی ہے تیسرے دن مہمان مہمان نہیں رہتا بلکہ بلائے جان ہو جاتا ہے۔ آج کے اس مصروف دور میں جب کہ ہر شخص مشینی زندگی گزار رہا ہے کس کے پاس اتنا وقت ہے کہ وہ مہمان داری کے لئے نکالے۔

میزبانوں کو کہا گیا ہے کہ اپنے مہمانوں کی خاطر تواضع کیا کرو چونکہ اللہ تعالیٰ جو تم کو رزق دیتا ہے اس میں مہمانوں کا بھی حصہ ہے اسی لئے میں نے اپنے وطن میں استعمال ہونے والے دسترخوان پر یہ شعر لکھا دیکھا ہے ؎

شکر کر رزاق کا بد دل نہ ہو مہمان سے
رزق کھاتا ہے وہ اپنا تیرے دسترخوان سے

پہلے زمانے میں لوگ دوسرے شہروں سے بھی آ کر مہمان رہتے تھے۔ دو چار دن' ہفتہ اور کبھی زیادہ بھی۔ کچھ لوگ مہمان خاطر مدارت کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں اور کچھ لوگ صرف رسم نبھاتے ہیں۔

ایک صاحب کے گھر بہت مہمان آتے تھے۔ ان کی بیگم خاطر مدارت کر کر کے تھک چکی تھیں۔ ایک دن ان کو ایک ترکیب سوجھی۔ میاں نے بیوی سے کہا کہ جب ہمارے دوست آ کر بیٹھیں تو تم کسی بہانے سے باورچی خانے چلی جانا اور وہاں جا کر کوئی برتن گرانا اور جب میں پوچھوں گا کہ ارے بھائی کیا ہوا تو تم کہنا کہ وہ جو کڑاہی گوشت کا سالن تھا وہ گر گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد کوئی اور برتن گرانا پھر میں پوچھوں گا کہ ارے کیا ہوا تو تم کہنا کہ دھی بڑے جو بنائے تھے وہ گر گئے۔ پھر تھوڑی دیر بعد کچھ اور گرا دینا اور جب میں پوچھوں گا کہ اب کچھ بچا ہے یا سب کچھ گر گیا تو تم کہنا صرف دال بچی ہے۔ میں کہوں گا چلو وہی لے آؤ۔ مہمان دوست کو بھلا کچھ کھلائے بغیر کیسے جانے دے سکتے ہیں۔ اس طرح دال کھانے کے بعد دوبارہ وہ نہیں آئے گا اور ہماری اس سے ہمیشہ کے لئے جان چھوٹ جائے گی جب مہمان آئے بیگم باورچی خانے گئیں جب برتن گرا تو شوہر نے پوچھا کیا ہوا۔ بیگم بولیں جو دال تھی وہ ہی گر گئی۔

ایک اور صاحب کے گھر مہمان آتے تھے۔ ایک مہمان جوان کے گھر آ کر ٹھہر گئے جانے کا نام نہیں لیتے۔ اب میاں بیوی نے ایک ترکیب سوچی جیسے ہی مہمان باہر سے گھوم پھر کر آئے میاں بیوی نے ڈرامہ شروع کر دیا اور آپس میں لڑنے لگے۔ خوب چیخ و پکار ہوئی۔ یہ صاحب مہمان چپ چاپ تھوڑی دیر تک تماشا دیکھتے رہے پھر کہنے لگے اچھا بھیا میں ان حالات میں یہاں مزید نہیں رک سکتا اور یہ کہہ کر میں جا رہا ہوں، کمرے سے باہر نکل گیا۔ اب میاں نے اطمینان کا سانس لیا اور آپس میں باتیں کرنے لگے۔ میاں نے بیوی سے کہا میں نے تمہیں مارنے کے لئے ہاتھ اُٹھایا لیکن مارا میں نے نہیں۔ بیگم بولیں چلائی میں ضرور مگر روئی پھر بھی نہیں۔ دوسری جانب مہمان دروازے کی اوٹ سے باہر نکل کر سامنے آئے اور بولے کہ نکلا میں بھی ضرور تھا لیکن گیا میں بھی نہیں۔ انہی لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے ''مان نہ مان میں تیرا مہمان۔''

ایک دوست نے بڑی اچھی بات کہی کہ جب تم کسی کے گھر مہمان جاؤ اور یہ محسوس کرو کہ میزبان کوئی نئی بات شروع کرنے کے بجائے صرف تمہاری ہاں میں ہاں ملا رہا ہے تو سمجھ جاؤ کہ اب تم اس سے اجازت لے کر وہاں سے فوراً نکل جاؤ۔ عزت اسی میں ہے۔ یا پھر گفتگو کے درمیان میزبان تم سے یا پھر گھر کے کسی فرد سے یہ پوچھے کہ کیا وقت ہوا ہے'' اور جواب میں جب کوئی کہے کہ ''دس'' بجے ہیں تو اگر یہ سن کر میزبان اچھل پڑے اور یہ کہے اچھا ''دس'' بج گئے۔ تو یہ سمجھ لو کہ تم دیر تک بیٹھ گئے ہو اور اب فوراً وہاں سے نکل لو اسی میں تمہاری بہتری ہے اور عزت بھی۔

ہمارے ایک دوست صوبہ بلوچستان کے شہر کوئٹہ گئے وہاں ان کا نہ کوئی دوست نہ رشتہ دار۔ سیدھا مسجد گئے اور وہاں صحن میں نماز پڑھ کر اس انتظار میں بیٹھے رہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی نہ کوئی انتظام ضرور کر دے گا۔ اتنے میں ایک صاحب آئے اور ان کو سلام کر کے پوچھا کہ سب لوگ چلے گئے تم یہاں کیوں بیٹھے ہو کیا مسافر ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہاں یہ سنتے ہی ان صاحب نے کہا کہ میرا نام ''گل خان'' ہے اور میں تمہیں اپنا مہمان بناتا ہوں لیکن تم یہاں تھوڑی دیر ٹھہرو میں تمہارے لئے روٹی کا بندوبست کر کے آتا ہوں۔ تم یہاں سے کہیں نہ جانا۔ گل خان کا تو کہیں پتہ نہیں چلا البتہ ایک اور اللہ کا بندہ ''زرخان'' کا وہاں سے گزر ہوا۔ انہوں نے بھی ان کو اپنا مہمان بنانا چاہا اور ساتھ چلنے کو کہا۔ میرے اس دوست نے موقع غنیمت جانا اور ان کے ساتھ ہو لیا۔ ایک ہفتہ گزر جانے کے بعد میرا یہ دوست بازار میں کچھ خرید وفروخت میں مصروف تھا کہ وہاں گل خان کی ان پر نظر پڑی۔ غصے میں بہت آگ بگولا ہوئے اور کہا کہ تم اس دن مسجد سے کہاں چلے گئے تھے۔ میرے دوست نے جواب دیا کہ تمہارے آنے میں چونکہ بہت دیر ہو گئی تھی اس لئے میں زرخان کے گھر مہمان چلا گیا۔ یہ سن کر گل خان کا غصہ اور بڑھ گیا اور میرے دوست کو کہا کہ تم یہاں پر ابھی ٹھہرو میں بندوق لے کر آتا ہوں۔ تم کو گولی ماروں گا۔ جیسے ہی گل خان نے اپنی گاڑی کی طرف رخ کیا میرا دوست وہاں سے بھاگ کر زرخان کے پاس پہنچ گیا اور کہا کہ زرخان کچھ کرو گل خان سخت ناراض ہے وہ مجھے جان سے مار دے گا بندوق لینے گیا ہے۔ یہ سن کر زرخان نے میرے دوست کو جواباً کہا کہ بات تو ٹھیک ہے تم گل خان کا مہمان تھا۔ میرے پاس تم کو نہیں ٹھہرنا

چاہئے تھا۔ چلو کوئی بات نہیں ہے تم مرجاؤ ہم گل خان کا دس مہمان مارے گا۔

ہمارے ایک دوست ہیں بقول ان کے وہ شاعر ہیں جب کہ جو حقیقی شاعر ہیں وہ انہیں شاعر نہیں مانتے ۔ ہمیں کیا ہمیں تو اپنے دوست کی دوستی سے مطلب ہے ان کی ایک عادت ہے جب بھی ہندوستان یا پاکستان سے ان کے پاس کسی مرحوم شاعر کا کلام موصول ہو جاتا ہے اپنے گھر دعوت رکھتے ہیں ۔ چند دوستوں کو بلا کر اس میں سے چند اشعار یہ کہہ کر سناتے ہیں کہ یہ میرا تازہ کلام ہے ۔ تمام دوستوں کو پتہ ہے اس کی عادت کا لیکن وہی میری والی بات کہ لوگ جاتے ہیں تفریح کے لئے شعر وغیرہ کو کون سنتا ہے لوگ تو کھانا کھاتے ہیں نکل لیتے ہیں ۔ ان مہمانوں میں سے چند مہمان بالکل نئے ہوتے ہیں وہ چونکہ پہلی بار آئے ہوتے ہیں اس لئے انجوائے کرتے ہیں۔ میرا یہ دوست بڑا ہوشیار ہے ہر بار مہمانوں میں نئے دوست شامل کرتا رہتا ہے۔ اسے اچھی طرح معلوم ہے کہ جو مہمان میرے گھر آتے ہیں ان میں سے بیشتر کھانے کھانے میں انٹرسٹڈ ہوتے ہیں اور شعر کوئی سننا نہیں چاہتا اس لئے اس بار سے اس نے پروگرام کی ترتیب الٹ دی ہے ۔ پہلے میرے اشعار سُنو پھر کھانا کھاؤ۔ میں صرف ایک بار اپنے دوست کے گھر گیا تھا وہاں کی صورت حال دیکھ کر اب حوصلہ نہیں ہے۔ ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ شاعر آپس میں کچھ اس طرح کہہ رہے ہیں کہ ایک کلام سناتا اور پھر چل پڑتا، دوسرا دوڑ کر اسے پکڑ لیتا اور کہتا ؎

میں نے تو تجھے سن لیا
اب تو بھی مجھے سن

میرے اس دوست کی یہ عادت بھی عجیب ہے کہ جب کوئی اس کے گھر مہمان آتا ہے تو وہ اسے بولنے نہیں دیتا۔ سارا وقت وہ خود بولتا رہتا ہے۔ اسے کئی بار میں نے سمجھایا لیکن وہ کہتا ہے کہ مہمان جس کو میں بلاتا ہوں اس کا حوصلہ اتنا ضرور ہو کہ وہ مجھے سنے کیوں کہ میں بولنے کے لئے پیدا ہوا ہوں سننے کے لئے نہیں اور مزید یہ کہ میرے گھر آنے والا مہمان میری عادت کو جانتا ہے اس لئے نہ اسے کوئی پریشانی ہوتی ہے اور نہ مجھے پشیمانی۔ اللہ رے شوق۔

......☆......

http://www.kitaabghar.com

عروج و زوال

وقت ہر وقت پوچھتا ہے وقت سے بس اک سوال
کیوں نہیں کہتے ہو تم کہ ہر عروج کا ہے زوال

دنیا میں جتنی بھی چیزیں ہیں وہ سب کی سب فانی ہیں اور باقی رہ جانے والی صرف خدا کی ذات ہے جو کل بھی تھا آج بھی ہے اور کل بھی رہے گا۔ اللہ اکبر۔

دنیا میں بڑے بڑے بادشاہ گزرے ہیں جنہوں نے اپنے ہوش و حواس میں اپنا عروج دیکھا اور پھر زوال پذیر ہوئے تو اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ تاریخ کے اوراق ان واقعات سے بھرے پڑے ہیں کہ انسانوں نے جب بھی عزت، دولت اور شہرت کمائی تو اپنے آپ ہی نہ رہے بلکہ آپے سے باہر ہو گئے جس کا انہیں وقتی طور پر فائدہ تو ضرور پہنچا لیکن اس کے دوررس نتائج برآمد نہ ہوئے اور مستقبل قریب میں انہیں فائدے کی بجائے نقصان اُٹھانا پڑا۔

جس طرف بھی نظریں دوڑا کر دیکھ لیں ایک سے ایک کہانیاں سننے کو ملیں گی۔ اور پھر سب کا انجام ایک جیسا ہی ہوا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر عروج کو زوال دیا ہے۔ جس طرح سورج طلوع ہو کر غروب ہو جاتا ہے اسی طرح بادشاہ وقت یا صدر مملکت کو بھی ایک دن تخت و تاج یا پھر اپنا منصب چھوڑنا پڑتا ہے چاہتے، یا نہ چاہتے ہوئے بھی، یہ قدرت کا نظام ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے خود بنایا ہے۔ بقول شاعر ؎

یہ چمن یوں ہی رہے گا اور سارے جانور
اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اُڑ جائیں گی

انسانی فطرت ہے کہ وہ مشاہدے سے زیادہ تجربے سے سیکھنا چاہتا ہے۔دوسروں کے تجربے سے فائدہ اُٹھانا نہیں چاہتا۔ یہ ہی وجہ ہے کہ انسان ساری عمر سیکھتا رہتا ہے۔اور وہ پرفیکٹ نہیں ہوتا۔ جو یہ کہتے ہیں کہ میں پرفیکٹ ہوں گو یا کہ انہوں نے شرک کیا۔ کیوں کہ پرفیکٹ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔اور کوئی بھی نہیں۔

شہنشاہ ایران رضا شاہ پہلوی کی مثال ہو یا عراق کے صدر صدام حسین کی، یوگنڈا کے صدر عیدی امین کی مثال ہو یا پاکستان کے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کی، چونکہ ہمارا تعلق ثقافت سے ہے، سیاست سے نہیں اس لئے میں اس پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گا۔لیکن ذکر کروں گا اپنے فلمی چاکلیٹی ہیرو وحید مراد کا جس نے فلمی دنیا میں تہلکہ مچا دیا تھا۔جس کا ہیئر اسٹائل دنیا میں جانا اور پہچانا جاتا تھا۔گانے کی پکچرائزیشن میں حقیقت کا رنگ بھر دیتا تھا۔اس کی بیشتر فلمیں سپر ہٹ ہوتی تھیں۔اتنا بڑا اداکار کہ جسے دیکھنے کے لئے دنیا جمع ہو جاتی تھی۔خواتین اس پر جان نچھاور کرتی تھیں۔جس کے بارے میں دشمنوں نے مشہور کر دیا تھا کہ وہ مغرور ہو گیا ہے جب کہ ایسی بات نہیں تھی۔اس بات کی وضاحت اداکار لہری صاحب نے مجھ سے سن ۲۰۰۰ء میں اس وقت کی جب میں اپنے وطن گیا ہوا تھا۔میں نے اداکار لہری صاحب سے پوچھا کہ آپ نے اداکار وحید مراد کے ساتھ کئی فلموں میں اکٹھے کام کیا ہے تو کیا آپ یہ بات بتا سکتے ہیں کہ وہ ایک مغرور انسان تھے؟ یہ بات سننے کے بعد لہری صاحب بولے ''جھوٹ بات'' کیا واسطہ مغروریت سے ان کا۔وہ تو بہت ہی پیارے انسان تھے۔بھئی شوٹنگ ہو رہی ہے درمیان میں وقفہ ہوا اور وحید مراد سیٹ سے الگ ہوئے تو ایک صاحب نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور ہلانے لگے مستقل ہلا رہے ہیں یہاں تک کہ وقفہ بھی ختم ہو گیا اب جب وحید مراد کو سیٹ پر دوبارہ بلایا گیا تو وہ صاحب ہاتھ چھوڑنے کا نام ہی نہیں لے رہے ہیں۔وحید مراد کیا کرتے ہاتھ کو جھٹک دیا۔تو اب ''مغرور'' ہو گئے۔جبکہ مغروریت تو ان کو چھو کر بھی نہیں گزری۔لیکن پھر بھی زوال پذیر ہوئے۔اس کے اسباب کچھ بھی ہوں لیکن اتنا ضرور ہے کہ وہ اپنے زوال کو برداشت نہیں کر سکے اور اس طرح جلد ہی اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ایک فن کار ہونے کے ناطے میرے دل سے ان کے لئے دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی تمام

تر کوتاہیوں اور غلطیوں کو معاف کر کے انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔آمین۔

ہمارے ایک رشتے کے ماموں جو حیدرآباد سندھ میں فاریسٹ افسر تھے انہوں نے دو شادیاں کی تھیں ان کی دونوں سے اولادیں تھیں لیکن دونوں بیگمات علیحدہ علیحدہ رہتی تھیں اور دونوں بیگمات کا آمنا سامنا ان کے موت والے دن ہوا۔ ماموں بڑے امیر آدمی تھے ان کا عروج میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے لیکن ماموں ہمارے بڑے یار باش آدمی بھی تھے۔اپنے گھر بہت مشکل سے جاتے تھے۔دنیا کا ہر برا کام انہوں نے کیا۔ پینا پلانا، ریس میں گھوڑے دوڑانا اور نقدی کمانا یا ہار جانا۔ایک دن کی بات مجھے یاد ہے جب ماموں ہمارے گھر آئے اور میری والدہ سے کہنے لگے پہلے دروازے پر کھڑی ٹیکسی کا کرایہ ادا کرو پھر دوسری بات کرنا۔والدہ اپنے بھائی کے حکم کی تعمیل کرتے ہی پوچھنے بیٹھیں کہ آپ کے پاس ٹیکسی کا کرایہ بھی نہیں ہوتا۔یہ سن کر ماموں نے جواب دیا کہ شام کے وقت میرے پاس ۵ لاکھ روپیہ تھا ہارتا گیا ہارتا گیا اور پھر ہارتا گیا۔"Was A Bad DAY"۔یہ سن کر والدہ بولیں کہ جب آپ کے پاس ایک لاکھ روپیہ بچ گیا تھا تو اسی وقت وہاں سے نکل آتے تو کم از کم ہمیں ایک لاکھ ہی آپ دے دیتے۔یہ سن کر ماموں نے کہا کہ کمال کی بات کرتی ہو تم؟ بھئی جب تک میری جیب میں روپیہ ہوتا ہے تو تم لوگ مجھے تھوڑا ہی یاد آتے ہو۔ارے جب میرے پیسے ختم ہو جاتے ہیں جب ٹیکسی کا کرایہ بھی دینے کو پاس کچھ نہیں ہوتا پھر جا کر تم سب ایک ایک کر کے یاد آنے شروع ہو جاتے ہو۔اور جس کا گھر پہلے یاد آ جاتا ہے میں اس کے گھر پہنچ جاتا ہوں۔تمہیں خوش ہونا چاہئے کہ بھیا تمہیں برے وقت میں صحیح تم کو یاد تو کرتے ہیں نا۔کتنے بھائی ایسے ہیں اس جہاں میں کہ وہ کوئی فکر یا کوئی ذکر نہیں کرتے ہیں اپنی بہنوں کا۔

ماموں کا اچانک ایکسیڈنٹ ہوا ٹانگ ٹوٹی پھر ماموں سنبھل نہیں پائے اور رفتہ رفتہ زوال پذیر ہو گئے۔کوئی بیوی کوئی اولاد کام نہیں آئی اور اپنے اعمال کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہو کر اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔اللہ تعالیٰ انہیں غریقِ رحمت کرے۔آمین۔ہم اپنے گرد ہونے والے واقعات سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔مشاہدات بھی بڑی چیز ہوتی ہے۔تجربہ کر کے سیکھنا

ضروری نہیں ہے۔لیکن ہم تو ہم ہیں۔ ہمارے کان پر جوں اس وقت رینگتی ہے جب پانی سر سے اوپر ہو جاتا ہے ۔

اب پچھتا وت کیا ہوت
جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

سوائے پشیمانی کے اور کچھ حاصل نہیں۔اس قسم کے حالات سے ہماری پاکستانی فلمی صنعت بھی دوچار رہے۔عروج کا زمانہ تو ختم ہو گیا اب زوال پذیر ہے۔اس کی وجہ کچھ بھی ہو پر مجھے اداکار محمد علی کی یہ بات بہت اچھی لگی کہ کپڑوں پر استری کرنے والے لوگ اب فلمیں بنا رہے ہیں تو ظاہر ہے فلموں کا معیار کیا ہوگا۔زوال پذیر تو ہونا ہی تھا۔اب کوئی معجزہ ہی پاکستانی فلمی صنعت کو سنبھالے ویسے ہم نے تو فاتحہ پڑھ لی ہے۔

......☆......

نہ ہو سکی جو تیری دید
تو ہو سکی نہ میری عید

ملا ہے درد بھی شدید
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

فخرِ پاکستان واجد علی خان

آنِ پاکستان مانِ پاکستان
شانِ پاکستان جانِ پاکستان

کہتے ہیں خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا۔آسمان پر سے فرشتے ہماری قیادت اور رہنمائی کے لئے نہیں آئیں گے ہم میں سے ہی کوئی ہوگا جو آگے بڑھ کر باگ ڈور سنبھالے گا۔مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کون؟ پچھلے الیکشن میں ہم نے یہ دیکھ لیا کہ لوگوں نے ان تمام امیدواروں کو مسترد کر دیا جن کا ماضی داغ دار تھا۔انہیں نہ صرف عبرتناک شکست ہوئی بلکہ وہ ناکامی کے اندھیرے میں ڈوب گئے ۔واجد علی خان اُسی اندھیرے میں سے اُمید کی کرن بن کر ابھرے ہیں جو نہ صرف مایوس پاکستانیوں کی خدمت کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں بلکہ ان کے روشن مستقبل کے بارے میں فکر مند رہتے ہیں واجد علی خان سے میری پہلی ملاقات اس وقت ہوئی جب میں ''سلام سرزمینِ پاکستان'' نامی ڈاکومنٹری فلم بنا رہا تھا اُس ڈاکومنٹری فلم میں واجد علی خان نے جس جوش و جذبے سے اپنے جذبات ریکارڈ کروائے اسے دیکھ کر اور سن کر میرے دل نے یہ کہا کہ اگر یہ شخص سچا ہے اور ہمارا لیڈر بن کر سامنے آئے تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ لوگ اس کے ساتھ چل پڑیں گے۔کیونکہ جھوٹے اور منافق لوگوں کی باتیں سن سن کر تو ہم جوان ہوئے ہیں۔ہمیں ان کی پہچان ہے اسی تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ واجد علی خان ان میں سے نہیں ہے۔الیکشن کے حوالے سے یہ بات بھی کرنا ضروری ہے کہ پچھلے الیکشن میں کچھ اچھے اور مخلص دوست بھی کھڑے ہوئے تھے اور وہ بھی کامیاب نہ ہو سکے

آپ سب جانتے ہیں گندم کے ساتھ تو گھن بھی پس جاتا ہے۔وہی ہوا ان بیچاروں کے ساتھ۔ ہمارے سادہ طبیعت امیدواران شاطرانہ اور منافق لوگوں کی چال کو نہ سمجھ سکے اور ایک ساتھ مل کر فنڈ ریزنگ ڈنر کا اہتمام کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان سادہ طبیعت اور مخلص امیدواروں کو بھی لوگوں نے ان ہی کا ساتھی سمجھا اور ان کے ساتھ ساتھ ان کو بھی مسترد کر دیا۔کوئی ہم سے پوچھے تو ہم بتلائیں ناں......ہم پاکستانیوں کے بارے میں بہت سے قصے مشہور یوں ہی تو نہیں ہیں۔آخر اس میں کچھ نہ کچھ تو حقیقت ہوگی ہی۔ایک صاحب کہنے لگے کہ ایک جیل میں جگہ کم پڑ گئی تو جیلر نے اپنے ماتحت سے کہا کہ جو لوگ بچ گئے ہیں،انہیں اس چار دیواری کے اندر ڈال دو،ماتحت نے کہا''سر اس چار دیواری کے اوپر تو چھت ہی نہیں ہے،یہ قیدی تو بھاگ جائیں گے''جیلر نے کہا''تم ان لوگوں کو نہیں جانتے جب بھی ان لوگوں میں سے کوئی بھاگنے کی کوشش کرے گا تو ان میں سے کوئی دوسرا اُس کی ٹانگ کھینچ لے گا تم اطمینان رکھو میں ان کی خصلت سے واقف ہوں''کچھ لوگوں کی عادت میں یہ بات شامل ہوگئی ہے کہ وہ کسی کو خوش نہیں دیکھ سکتے یا پھر یوں کہہ لیں کہ کسی کو پھلتا پھولتا نہیں دیکھ سکتے اس لئے ایسے لوگوں کا دل بیمار اور شکل پر پھٹکار ہے۔پچھلے دنوں ایک صاحب ملے کہنے لگے آپ شوز وغیرہ کراتے ہیں کوئی ایسا چکر چلایئے مسی ساگا میں کہ مارکھم میں جو میلہ ہوتا ہے۔ اس کا زور ٹوٹے۔گویا ایک میلہ مارکھم کی طرح کا مسی ساگا میں کریں میں آپ کے اسی پروگرام کو اسپانسر کروں گا۔بڑے بزنس مین ہیں لیکن چھوٹے دل کے "MAN" ہیں۔یعنی کے آدمی ہیں (اللہ معافی)۔

پچھلے دنوں ایک فنڈ ریزنگ ڈنر میں جانے کا اتفاق ہوا جو ایک پاکستانی امیدوار نے ایک مقامی ریسٹورینٹ میں منعقد کیا تھا وہاں پر لوگوں کی تعداد اتنی تھی کہ صرف پانچ منٹ میں وہاں موجود تمام لوگوں سے آپ ہاتھ ملا کر باہر آسکتے تھے۔اسی دن ایک بھارتی امیدوار نے بھی فنڈ ریزنگ ڈنر رکھا ہوا تھا وہاں گیا تو اس بینکوئیٹ ہال کے اطراف میں کہیں بھی گاڑی کھڑی کرنے کی جگہ باقی نہیں تھی۔مجبوراً سامنے کے مال میں گاڑی کھڑی کرنی پڑی ہال کے اندر گئے تو حدِ نگاہ لوگ ہی لوگ تھے۔دو گھنٹے وہاں گزارنے کے بعد بھی میں بمشکل پچیس فیصد لوگوں سے مل پایا ہوں

گا۔مزے کی بات یہ ہے کہ ہمارے وہ پاکستانی امیدوار بھی وہاں پہنچ گئے جن کا اسی دن دوسرے ریسٹورنٹ میں فنڈ ریزنگ ڈنر تھا۔مرتا کیا نہ کرتا وہ امیدوار اس خالی ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر کیا کرتا جہاں اس کے اپنے لوگ اس کا حوصلہ بڑھانے وہاں نہیں پہنچے تھے کچھ تو ایسے آئے کہ بس شکایت مٹانے کے لئے تقریب شروع ہونے سے پہلے ہی مل کر چلے گئے کسی ضروری کام کا بہانہ بنا کر۔یہ وہ لوگ ہیں نہ خود کھیلے گے نہ دوسروں کو کھیلنے دیں گے بہت چھوٹے دل کے لوگ ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کے شر اور ناپاک ارادوں سے سب کو محفوظ رکھے آمین۔مشہور واقعہ ہے کہ ایک جنازے میں بہت سے لوگ شامل تھے کسی نے رک کر پوچھا کہ بھائی یہ کس کا جنازہ ہے۔جواب ملا جو اپنی زندگی میں ہر ایک کے جنازے میں شریک ہوتا تھا۔اللہ رے اس کی قسمت۔

کہتے ہیں کہ دنیا میں جب بھی اور جہاں بھی کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اس بات کی گواہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ابھی اپنے بندوں سے مایوس نہیں ہوا۔فرد سے افراد،افراد سے خاندان،خاندان سے محلّہ اور محلّہ سے کمیونٹی اور پھر معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔جس طرح ہر خاندان کا ایک سربراہ ہوتا ہے اسی طرح ہر قوم کا ایک لیڈر ہوتا ہے،ہر ٹرین کا ایک ڈرائیور اور ہر جہاز میں ایک پائلٹ ہوتا ہے۔ پائلٹ سے مجھے یاد آیا کہ واجد علی خان اپنے وطن پاکستان میں پائلٹ تھے تو پھر جس شخص نے اپنے وطن میں رہ کر وطن کے''فضائی حدود کی حفاظت''کی وہ شخص دیارِ غیر میں ہم وطنوں کے بنیادی حقوق کی حفاظت کیوں نہیں کر سکتا۔ذرا سوچیں کہ ایک ایئر فورس کا پائلٹ اگر ہماری کمیونٹی کا پائلٹ بن جائے تو کیا بات ہو۔لیکن لوگ ایسا کیوں کریں گے لوگوں کا اس میں کیا فائدہ ہے لوگ اجتماعی فائدے کا نہیں سوچتے ذاتی فائدے کا سوچتے ہیں،انہیں یہ سوچ بدلنی پڑے گی اور اس کے لئے ایک ایسا لیڈر چاہئے جو لوگوں میں شعور پیدا کر سکے۔واجد علی خان نے اپنی تقریروں میں اکثر بچوں کی نگہداشت ان کی تعلیم و تربیت اور ان کے اچھے مستقبل کے بارے میں ذکر کیا ہے وہ چاہتے ہیں کہ ہماری نئی نسل ہم سے بہت بہتر ہو۔ہم نے جو پاپڑ بیلے ہیں انہیں نہ بیلنے پڑیں وہ ایک صاف ستھرے کینیڈین ماحول میں ہماری آنے والی نسل کو پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتے ہیں۔واجد علی خان کینیڈا آنے والے مسلمانوں کے لئے ایسا سیٹ اپ بنانا چاہتے ہیں کہ انہیں کینیڈا کی سرزمین پر کم

سے کم دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے۔واجد علی خان کہتے ہیں کہ ہمیں اپنے بچوں کو اپنی تہذیب اور روایات سے روشناس کروانا چاہئے ۔واجد علی خان اپنی مسز ڈاکٹر تسنیم اور اپنے بیٹے عمر کے ساتھ نارتھ یارک میں رہائش پذیر ہیں ۔ایک کامیاب بزنس مین ہیں انہوں نے اپنے کار شوروم میں بہت سے پاکستانیوں اور کینیڈینز کو ملازمتیں دیں۔وہ کہتے ہیں اللہ نے مجھے جو کچھ دیا ہے اس میں اس کے بندوں کا بھی حصّہ ہے ۔اللہ اپنے بندوں کے لئے رزق کا بندوبست اپنے بندوں ہی سے کرواتا ہے۔تو آیئے آج یہ طے کریں کہ ہم اللہ کے بندوں کی خدمت کا جذبہ رکھنے والے ہر دلعزیز انسان واجد علی خان کو کاروں کے شوروم سے نکال کر اسمبلی میں پہنچا کر ہی دم لیں گے تا کہ وہ زیادہ سے زیادہ پاکستانیوں کی خدمت کر سکیں ۔آخر میں MISSISSAUGA STREETSVILE میں رہنے والے تمام پاکستانیوں اور ذی شعور لوگوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ پیر ۲۸ جون کو اپنے گھروں سے نکل کر ووٹ ڈالنے ضرور جائیں اور واجد علی خان کو کامیاب بنائیں ۔واجد علی خان کے الیکشن کمپین آفس کا فون نمبر 905-812-1811 ویب سائٹ WWW.ELECTWAJID.COM ہے۔

ہاتھوں میں ہاتھ دو

واجد خان کا ساتھ دو

......☆......

میں کہاں منزل کہاں

چھوڑ آئے ''پوسٹ'' پھر ''اسٹار'' ہم کس کے لئے
کون جانے کہ ہیں یہ خدمات اب کس کے لئے

ٹورانٹو میں آزادی صحافت کا چرچا ایک زمانے سے کیا جا رہا ہے لیکن اس پر کتنا عمل ہوا یہ ہم سب بخوبی جانتے ہیں پرانے لکھنے والے نئے لکھنے والوں کا کتنا حوصلہ بڑھاتے ہیں یہ کوئی نئے لکھنے والوں کے دل سے پوچھے اور نئے لکھنے والے پرانے لکھنے والوں کی کتنی عزت کرتے ہیں یہ کوئی پرانے لکھنے والوں سے پوچھے۔کہتے ہیں اگر آپ کو اپنی عزت کروانی ہے تو پہلے آپ عزت کرنا سیکھیں جب تک آپ دوسروں کی عزت نہیں کریں گے دوسرے آپ کو عزت نہیں دیں گے میرے ایک غیر مسلم دوست نے ایک دن بڑی اچھی بات کہی تھی:

FIRST DO

THEN DESERVE

THEN DESIRE،لیکن بعض لوگوں کو اپنی عزت کی کوئی پروا نہیں ہوتی چونکہ وہ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ بے عزتی ہمیشہ اُن لوگوں کی ہوتی ہے جن کی کوئی عزت ہو۔میرے ایک اور غیر مسلم دوست نے مجھے ایک بہت عمدہ بات بتائی کہنے لگا SMALL MIND DISCUSS PEOPLE,AVERAGE MIND DISCUSS EVENT.GREAT MIND DISCUSS IDEAS- تین لائنوں میں اُس نے کتنی خوبصورت بات کہی تھی۔کاش ہم میں سے ہر ایک اس بات کو سمجھ سکتا۔لوگوں کے بارے میں تو

بات کر کے ہم میں سے ہر ایک نے ہی SMALL MIND رکھنے کا ثبوت فراہم کیا ہے اب اگر میں کسی تقریب کا ذکر کروں تو مجھ پر AVERAGE MIND رکھنے کا الزام لگ جائے گا۔کوئی حرج نہیں ہے پہلے ایک تقریب کا ذکر کرتے ہیں اس کے بعد چند IDEAS کو DISCUSS کر کے GREAT MIND رکھنے کا دعویدار بن جاؤں گا۔تو ذکر کرتے ہیں اس تقریب کا کہ جس تقریب میں شرکت کرنے کے لئے خاص طور پر پاکستان کی جانی پہچانی شخصیات اور ممتاز مزاح نگار جناب انور مقصود صاحب پاکستان سے تشریف لائے تھے مقامی بینوکوئیٹ ہال لوگوں سے کھچا کھچ بھرا تھا کہ جیسے پورا شہر ہی اُمڈ آیا ہو۔آپ جانتے ہیں کہ یہ تقریب کیا تھی ’’جشن ملن و پاکیزہ‘‘ پاکستانی ریڈیو پروگرام ’ملن‘ اور ہفتہ روز پاکیزہ کے بلترتیب 30 سال اور 25 سال پورے ہونے پر ’ملن‘ ریڈیو کے میزبان و پروڈیوسر اور پاکیزہ انٹرنیشنل کے ایڈیٹر و پبلشر محترم جناب صبیح الدین منصور کو اُن کی خدمات کے اعتراف پر اُن کی خدمت میں ’’کمیونٹی سروس ایوارڈ‘‘ کمیٹی نے ایوارڈ دینے کا اعلان کیا۔اس تقریب میں مسلم ویلفیئر سوسائٹی کے روح رواں مجید عباس علی کینیڈا کے نامور صحافی جناب ہارون صدیقی، پاکستان کے مایہ ناز موسیقار جناب سہیل رعنا۔وینکوور سے کالم نگار جناب شمس جیلانی، محترم جناب شان الحق حقی کے علاوہ ریڈیو ٹیلی ویژن اور اخباروں سے متعلق لوگوں کی بڑی تعداد موجود تھی۔اس پروگرام کی کمپیئرنگ جناب ڈاکٹر خالد انصاری نے بہت خوبصورتی سے کی جن کی تعریف خود جناب انور مقصود نے بھی اور کہا کہ یہ ایک بہت مشکل کام تھا جو انصاری صاحب نے بخوبی انجام دیا۔صبیح منصور صاحب کے متعلق ان کے قریبی دوستوں نے بڑی دلچسپ باتیں بتائیں جنہیں سن کر ہال میں موجود تمام لوگ بہت محظوظ ہوئے۔اُن کے ایک بہت ہی قریبی دوست جناب عابد رضوی نے اس بات کا انکشاف کیا کہ صبیح منصور صاحب اور وہ پچھلے چالیس سال سے دوست ہیں؟ اور دونوں ایک ہی جہاز سے 1970 میں کینیڈا آئے تھے۔اور تب سے اُن کی دوستی پروان چڑھ رہی ہے دونوں ایک جان دو قالب ہیں اُن کی ایک عادت کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ صبیح کی ایک بُری عادت ہے ہر ایک کو کینیڈا کے بارے میں معلومات فراہم کرتے وقت یہ ضرور کہتے ہیں کہ ارے

http://www.kitaabghar.com

تمھیں کیا معلوم میں تم سے پہلے کینیڈا آیا ہوں اس لئے میں تم سے زیادہ جانتا ہوں بھائی میری معلومات تم سے زیادہ ہیں۔اب ’’صبیح‘‘ کی مشکل یہ ہے کہ وہ سب سے یہ جملہ کہہ سکتے ہیں کہ مجھ سے نہیں چونکہ میں اور وہ ایک ہی دن ایک ہی جہاز سے کینیڈا آئے تھے۔پھر بھی بحث کے دوران وہ یہ کہنے میں نہیں چوکتے کہ جہاز سے اترتے وقت تم مجھ سے پیچھے تھے اس لئے جہاز کی سیڑھیوں سے کینیڈا کی سرزمین پر قدم پہلے میں نے رکھا تھا۔جس پر سارا ہال دیر تک ہنستا رہا، نامور صحافی جناب ہارون صدیقی نے بھی کینیڈا میں صحافت اور اُس کے فروغ پر روشنی ڈالتے ہوئے لوگوں پر زور دیا کہ وہ آگے بڑھیں اور معاشرے میں اپنا مقام بنائیں۔جناب سہیل رعنا نے جناب انور مقصود کی موجودگی کو اس تقریب کے لئے خوش آئین قرار دیا اور اپنی انور مقصود صاحب سے رفاقت کا ذکر کیا۔جناب شمس جیلانی نے جو ایک اچھے شاعر اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں اور منجھے ہوئے کالم نگار ہیں صبیح الدین منصور صاحب کی خدمات پر روشنی ڈالی۔اور انہیں اس ایوارڈ کا مستحق قرار دیا۔مسلم ویلفیئر سوسائٹی کے روح رواں جناب محترم میجر عباس علی نے جناب صبیح الدین منصور سے اپنے مشاہدے کی روشنی میں بہت مفید باتیں بتائیں جو نہایت معلوماتی اور دلچسپ تھیں۔

جناب انور مقصود کی جب باری آئی تو انہوں نے فرمایا کہ میں صبیح منصور سے پہلی بار ملا ہوں اور چونکہ ان کے گھر میں ان کے ساتھ چار دن سے ہوں اس لئے چالیس سالہ دوستوں کا مقابلہ تو نہیں کر سکتا لیکن یہ بات میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ’’صبیح الدین منصور کمال کے آدمی ہیں۔شکوہ شکایت غیبت عیاری مکاری ان کو چھو کر نہیں گزری اور یہ ہی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو عزت دی ہے جس کا ثبوت آپ سب کی ہال میں موجودگی ہے اس موقع پر ایک ’’مجلّہ‘‘ بھی لوگوں میں تقسیم کیا گیا جس میں جناب صبیح الدین منصور کی خدمات کا ذکر ہے۔ان کے کارنامے لکھے گئے ہیں۔پاکستان اور کینیڈا کے نامور لوگوں کے ساتھ تصاویر ہیں حکومتی پیغامات اور کمیونٹی کی جانی پہچانی شخصیتوں کی مبارک بادیں موجود ہیں۔تقریب کے آخر میں جناب صبیح الدین منصور صاحب کو جناب انور مقصود نے ایوارڈ پیش کیا۔تو پورا ہال تالیوں سے گونج اُٹھا۔جناب صبیح

الدین منصور صاحب نے بہت مختصر سی تقریر میں تمام لوگوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنی شریکِ حیات محترمہ شاہتاج کا خصوصی ذکر کیا کہ اُن کی معاونت اور تمام بچوں کے تعاون کے بغیر میں اس کامیابی کی منزل تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ آج مجھے اپنی والد کی ایک بات یاد آئی کہ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ جو شخص اچھا ہے تو اُس کو زندگی میں بتا دینا چاہئے کہ وہ اچھا ہے تاکہ اُس کو اطمینان رہے کہ آخرت اُس کی بہتر ہوگی اور جو شخص بُرا ہے تو اُس کو بھی دنیا میں بتا دینا چاہئے کہ تم نے یہ بُرے کام کئے ہیں تاکہ وہ اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ دنیا میں جو کیا سو کیا اب آخرت اچھی ہوگی۔ اس سے بُرے آدمی کو یہ فائدہ پہنچ سکتا ہے کہ شاید وہ اپنا رویہ تبدیل کر لے اور بہتر انسان بن جائے۔ آخر میں سجاد حیدر جو اس کمیٹی کے کوآرڈینیٹر ہیں نے جناب انور مقصود صاحب کو ایک تحفہ پیش کیا۔ اس تقریب کی ایک خاص بات جو سبھی نے نوٹ کی کہ پاکستان کے قونصل کے دفتر سے کسی کی نمائندگی نہیں ہوئی، معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ وہاں کسی کو بھی دعوت نامے نہیں بھیجے گئے تھے جناب صبیح الدین منصور صاحب کی گوناگوں خدمات کا اعتراف تو ہوگیا اب دیکھنا یہ ہے کہ اور کون لوگ ہیں جو اُن کی پیروی کر کے اس ایوارڈ کا اپنے آپ کو مستحق بناتے ہیں۔ ایوارڈ کمیٹی کے اراکین جناب سجاد حیدر، ایوب قریشی، عابد رضوی، جاوید عالم، ایم مرزا، عابد جعفری، توقیر سید اور مشکور حسن مبارک باد کے مستحق ہیں کہ جنہوں نے ایک قابل اور مستحق انسان کو اُس کی زندگی میں اُس کی خدمات کے اعتراف کے طور پر اُسے ایوارڈ سے نوازا۔

یہ چمن یوں ہی رہے گا اور سارے جانور
اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اُڑ جائیں گے

......☆......

سانجھے کی ہانڈی

پھوٹی چوراہے پہ جا کے سانجھے کی ہانڈی تو کیا
میں نے تو پیسے بنائے لوگ برا بولیں تو کیا

یہ بات سب نے سنی ہے کہ سانجھے کی ہانڈی چوراہے پہ پھوٹی، لیکن ہم میں سے کتنے لوگ ایسے ہیں جو محاورہ سمجھ کر نظر انداز کرتے چلے آرہے ہیں۔ لیکن اس بات میں کتنا وزن ہے یہ آپ ان لوگوں کے دل سے پوچھیں جو ان کا شکار ہوتے ہیں۔ یا جو آئندہ شکار ہوں گے۔ کہتے ہیں نا کہ جب تک بے وقوف زندہ ہیں، عقلمند بھوکا نہیں مرے گا۔ لیکن یہ جو شاطر لوگ اپنے آپ کو عقلمند سمجھ کر سادہ لوگوں کو بے وقوف بنا رہے ہیں، اللہ کو کیا منہ دکھائیں گے۔

سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ 90s میں جب میں نیا نیا ادھر آیا تھا تو اپنی فیلڈ میں جاب ملنے میں دشواری ہو رہی تھی تو میں نے سوچا کیوں نا کوئی کاروبار کر لیں، اس وقت تو کچھ پیسے بھی تھے ہاتھ میں جو اب رفتہ رفتہ ختم ہوگئے ہیں۔ کاروبار وہ بھی میں اکیلا کروں ممکن نہیں تھا۔ جس کام کو پہلے کبھی کیا نہ ہو گھبراہٹ تو ہوگی، اب آپ شادی کی مثال ہی لے لیں پہلی پہلی میں جو ہوتی ہے دوسری، تیسری میں وہ گھبراہٹ کہاں۔ یہ تو آپ ان لوگوں سے پوچھیں جو ایک رکھ دوسرے چکھ کے اصولوں پر کارفرما ہیں، میں تو یہ سمجھتا ہوں پہلی شادی ہی شادی ہے باقی سب بربادی ہے۔ اللہ سب کی پہلی بیویوں کو صحت کے ساتھ زندگی دے تاکہ وہ اپنے شوہر کا زندگی بھر ساتھ دیں۔ میں یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں کیوں کہ میں نے بے شمار گھر برباد ہوتے ہوئے دیکھے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ان سے محفوظ رکھے۔

ہاں تو میں بات کر رہا تھا شراکت کی میں نے سوچا کیوں نا کسی ایسے شخص کو تلاش کر کے کاروبار کیا جائے جو کینیڈا میں پرانا ہو۔ خیر صاحب ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا ملتا گیا اور میں ان سے بہت کچھ سیکھتا گیا۔ اور پھر میں نے سوچا کاروبار کو تو مارو گولی odd جاب شروع کر لوں تا کہ عزت سے باقی ماندہ زندگی گزر جائے۔ ہر شخص اپنی اچھائی اور دوسرے کی برائی میں لگ گیا، ہر شخص کی کوشش کے وکیل کے کاغذ پر مجھ سے دستخط لے لے۔ لیکن کسی نے مجھ سے جھوٹے منہ بھی یہ وعدہ نہیں کیا کہ ہم لوگ ایمانداری سے کام کریں گے، ایک دوسرے کے ساتھ سچے، اور مخلص رہیں گے۔ اور ایک دوسرے کے حقوق کی حفاظت کریں گے۔ میرے دل میں ایک خیال آیا کیوں نا ان میں سے ہر ایک کو مسجد چلنے کو کہوں۔ اور جو ان میں سے میرے ساتھ چل کر مسجد میں دو رکعت نماز برائے حاجت پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے میرے ساتھ مل کر دعا مانگے کہ یا اللہ ہم دونوں کو کاروباری شراکت کرنے کا سلیقہ دے اور ہم دونوں کو ایمانداری، دیانت داری سے ایک دوسرے کے حقوق کی حفاظت کرنے کی توفیق عطا فرما اور اگر ہم میں سے کوئی بد دیانت ہو جائے تو اسے ہدایت دینا اور اگر پھر بھی نہ سدھرے تو وہ دنیا میں ہی ذلت دیکھے اور آخرت میں بھی، آخرت میں تو لوگ دیکھ نہیں پائیں گے، دنیا میں جو ہوگا تو لوگ تو عبرت پکڑیں گے اور ہم میں سے کوئی بھی یہ کہہ سکے گا۔

''دیکھو اسے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو'' میری یہ بات سن کر سب کے سب بھاگ کھڑے ہوئے، کسی نے اگلے ہفتے کا وعدہ کیا، کسی نے کہا چلنے کو تو ابھی تیار ہوں لیکن پاکی ناپاکی کا مسئلہ ہو سکتا ہے کسی نے کہا کاروبار میں مسجد کو بیچ میں نہیں لانا چاہیے، جانے انجانے میں کاروبار میں کچھ بھی ہو سکتا ہے، کسی نے کہا ہماری شراکت میں اللہ کا ذکر کہاں سے۔ غرضیکہ کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے لوگ غائب ہو گئے۔ اور میں اپنی مذکورہ جاب پر ڈٹا رہا۔ آج مجھے کسی سے اس بات کا کوئی گلہ نہیں ہے۔ کہ کسی نے مجھے شراکتی کاروبار میں نقصان پہنچایا سوائے ایک کے جس کا ذکر چھیڑوں تو شائد اور دوسرے معاملات بھی نکل آئیں لیکن یہ میرا ایمان ہے کہ جس نے مجھے دھوکہ دیا وہ خود بخود

http://www.kitaabghar.com

اپنے منطقی انجام کو پہنچ جائے گا انشاءاللہ۔ چونکہ میرا تعلق سید گھرانے سے ہے اور اِس گھرانے کو نقصان پہنچانے والے کو ضرور سزا ملتی ہے یہ میرا ایمان ہے۔

نا معلوم اس جہان میں اور کتنے لوگ ہوں گے جو اپنے ہی مسلمان بھائیوں کے ہاتھوں لٹے ہوں گے۔ لوگ اپنے ہی بھائی کی لاش پر سیاست کرتے ہیں، اپنے ہی بھائی کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے ہوئے ہیں اور مزے کی بات یہ ہے کہ وہ شرفا میں بھی جا کر بیٹھتے ہیں اور انہیں کوئی قاتل، خونی، لٹیرا، دھوکہ باز یا بے ایمان نہیں کہتا۔

میں کس کے ہاتھ اپنا لہو تلاش کروں
کہ سارے شہر نے پہنے ہوئے ہیں دستانے

پچھلے دنوں میرے ایک بہت ہی قریبی دوست بہت عجلت میں مجھے ملے اور دلگیر آواز میں بولے میں تمہیں سلام کرتا ہوں، میں نے کہا وعلیکم سلام، وہ بولے نہیں میں تمہاری پیش گوئی اور اصولوں کو سلام کرتا ہوں۔ میں نے پوچھا کیا ہوا کہنے لگا تم نے ہمیشہ شراکت میں کاروبار کرنے سے منع کیا تھا، میں نے کیا اور بہت دھوکہ کھایا، میں تو لٹ گیا ہوں، برباد ہو گیا ہوں تمہاری بات سچ ثابت ہوئی ہے۔ میں نے اسے تسلی دی اور کہا کہ آرام آرام سے کہو کیا بات ہے۔ مگر وہ کہنے لگا میرے پاس وقت کم ہے، میں قانونی مشورے کے لئے وکیل کے پاس جا رہا ہوں۔ میں نے اسے کہا جذباتی ہو کر کچھ نہ کرو اب جو غلطی کر چکے ہو اسے تھوڑا برداشت کرو۔ لیکن جو اس نقصان سے سبق ملا ہے اس سے اپنی باقی زندگی سنوارو' لکیر پیٹنے کا اب کوئی فائدہ نہیں۔

میرا مشورہ مانو اپنے شراکتی دوست سے بیٹھ کر بات کرو۔ کسی مشترکہ دوست کو بیچ میں ڈالو۔ ہو سکتا ہے وہ تمہاری بات مان جائے، اور تمہارا نقصان اس طرح پورا ہو جائے۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو پھر جو مرضی آئے کر لینا۔ میرا دوست میری بات مان گیا اور ہم دونوں میرے گھر آ گئے۔ دوسرے دن پھر اس کا فون آیا کہ مشترکہ دوست بھی اس مسئلے کو حل کروانے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ اب میں وکیل کے پاس جا رہا ہوں اور اس کو کبھی بھی معاف نہیں کروں گا۔ اور میں اس وقت تک ٹیبل ٹاک نہیں کروں گا جب تک وہ میرے نقصان پورے نہیں کر دیتا۔ اس بات پر میں اس سے متفق تھا

کہ سیدھے سادے لوگوں کو جو بے وقوف بنا کر کاروبار سجا لیتے ہیں اور اس کا فائدہ انہیں ہی پہنچتا ہے، بڑی تکلیف دہ بات ہے۔

دنیا میں جتنی بھی قومیں آباد ہیں مسلمان ان سب سے افضل اور مختلف ہیں یہ بھی میرا ایمان ہے۔ واقعی مسلمان جو کام کر رہے ہیں شائد ہی کوئی اور قوم کرتی ہوگی۔ اسی لئے مسلمان قوم کو آج کل ہر کوئی جانتا ہے کس نام سے یہ میں نہیں کہتا سب اپنے اپنے ضمیر کو ٹٹولیں سچا فیصلہ اسی کا ہوتا ہے۔

مت دیں کسی کو دکھ
مت چھینیں کسی کا سکھ
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا
جب لاد چلے گا بنجارہ

......☆......

میرا صنم ہے کیوں خفا
ہوئی ہے مجھ سے کیا جفا

کریں گے پھر بھی ہم وفا
مذاق ہی مذاق میں

○ ○ ○

پاکستان ٹیلی ویژن کے فنکار ٹورانٹو میں

ہیں یہاں فنکار جو بھی سوچتے ہیں کچھ کریں
پر انہیں بتلائے کوئی کہ کریں تو کیا کریں

صاحب یہ المیہ نہیں ہے تو کیا ہے کہ ہمارے اس شہر ٹورانٹو میں بے شمار فنکار جو پاکستان ٹیلی ویژن پر اپنے فن کا لوہا منوا چکے ہیں یہاں ٹورانٹو میں گمنامی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ جن میں نفیس حسن، عظمیٰ بیگ، شارقہ فاطمہ، نیلما حسن اور ماہ نور بلوچ کے نام قابل ذکر ہیں صرف فنکار ہی نہیں بلکہ پاکستان ٹیلی ویژن کے چند مایہ ناز پروڈیوسرز بھی اس شہر میں موجود ہیں جن میں ناظم الدین ناظم اور زورادین آفریدی کے نام قابل ذکر ہیں اور تو اور پاکستان ٹیلی ویژن کے معروف نیوز کاسٹر زبیر الدین یہاں اس شہر میں موجود ہیں اور اگر میں غلط نہیں ہوں تو پاکستان ٹیلی ویژن کے ہر دلعزیز اور معروف اداکار محمود اختر بھی ایک زمانے سے یہاں موجود ہیں۔ لیکن اُن کا پاکستان ٹیلی ویژن سے ناطہ اس لئے بھی نہیں ٹوٹ پایا کہ وہ اب بھی وہاں کام کر رہے ہیں۔ پرائیویٹ پروڈکشن اور پاکستان ٹیلی ویژن پروڈکشن دونوں جگہوں پر اُن کے ڈرامے آج بھی بہت مقبول ہیں اور دکھائے جا رہے ہیں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ان تمام لوگوں میں سے بیشتر کے گھر میرا آنا جانا ہے اور ان میں سے ہر ایک ہی نے تقریباً میرے ٹیلی ویژن پروگرام ''مذاق ہی مذاق میں'' آ کر اس بات پر زور دیا ہے کہ یہاں پر باقاعدہ کام شروع ہونا چاہیے پاکستان ٹیلی ویژن کے معیار کا۔ جب رائٹر موجود، ڈائریکٹر موجود، پروڈیوسر موجود اور وہی پرانے فنکار موجود تو پھر کس بات کا انتظار ہے۔ ایک مکمل ٹیم تو بن گئی اب کام شروع ہونا چاہیے تھوڑی سی حکمت عملی کی

ضرورت ہے لیکن کام نہ ہو یہ بات درست نہیں ہے۔ چند ماہ قبل جب پاکستان ٹیلی ویژن کے معروف اداکار جناب محمد قوی خان صاحب ٹورانٹو تشریف لائے کچھ جائزہ لینے، ایک پوسٹ پروڈکشن کے لیے جہاں بہت سارے لوگوں نے اُن سے ملاقات کی تو میں بھی اُن سے ملا لیکن یہ ملاقات اُن تمام ملاقاتوں کے بعد ہوئی جو اس شہر کے چیدہ چیدہ جنہیں میں پیچیدہ پیچیدہ کہتا ہوں لوگوں نے کی۔ میں نے اُن سے صرف دو باتیں کیں ایک تو یہ کہ جن لوگوں نے آپ کو کئی ہفتوں سے گھیرے میں لیا ہوا تھا اپنے گھر لے جا کر دعوت کی سب سفارشی ہیں اپنے ملک کو چھوڑے ہوئے ایک عرصہ گزر گیا لیکن فطرت اُن کی نہیں بدلی۔ نہ اُنہیں کام آتا ہے اور نہ وہ کام کرنا جانتے ہیں بس بڑے فنکاروں کا اپنے گھر بلا کر کھانا کھلاتے ہیں اور اُن سے ڈراموں میں کام کرنے کی بھیک مانگتے ہیں یہ سچے فنکار نہیں ہیں سچے فنکار کو کھانا کھلانے سے زیادہ اپنے کام پر دھیان دینا چاہیے، دوسری بات اُن سے میں نے یہ کی کہ نہ میرے پاس اتنا بڑا امکان ہے کہ جہاں میں آپ کو لے جانے میں فخر محسوس کروں اور نہ میرے پاس اتنے پیسے ہیں کہ میں آپ کی خاطر مدارت کروں لیکن ہاں اتنا ضرور ہے کہ اگر آپ مجھے کسی ڈرامے میں کوئی رول دیں گے تو میں اس کام کو کیمرے کے سامنے احسن طریقے سے کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہوں۔ آزمائش شرط ہے۔ یہ سن کر جناب محمد قوی صاحب جو اپنے بیٹے عدنان اور مہران کے ساتھ بیٹھے تھے اپنے بیٹے کی طرف رخ کر کے کہنے لگے کہ ان کی بے باکی کو دیکھ کر میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ فیاض حیدر ہماری ٹیم کے لیے ایک سنگ میل ثابت ہوگا۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور دوسرے دن ملنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ راستے بھر میں یہ سوچتا رہا کہ جن لوگوں نے ان کو ہفتے بھر سے گھیرے ہوئے تھے مجھ کو ملنے میں کتنی دشواری ہوئی کیا فائدہ ہوا اُن کو جس کو اللہ رکھے اسے کون چکھے۔ ہوا تو وہی جو میرے رب نے چاہا۔ قوی صاحب سے میں آج بھی رابطے میں ہوں جب بھی یہاں کام شروع ہوگا میں ان کے ساتھ ہوں گا انشاءاللہ پچھلے دنوں پاکستان ٹیلی ویژن کے معروف کمپیئر جناب انور مقصود صاحب ٹورانٹو تشریف لائے جب اطلاع ملی تو میں حرکت میں آ گیا اور میرے کوشش کرنے کا باوجود بھی میں اُن سے اُن کی تقریب سے پہلے اور بعد میں نہیں مل سکا جو اُن کی آمد پر یہاں سجائی

گئی تھی تقریب کے دوران دس منٹ بڑی مشکل سے وہ میرے لیے نکال پائے میں نے جلدی جلدی دو اسکرپٹ اُن کو سنائے جسے سن کر وہ مسکرائے اور پوچھا کہ اسکرپٹ آپ نے خود لکھا ہے میں نے جواب میں کہا کہ جب اللہ تعالی نے اتنی صلاحیت دی ہے تو اُس کا شکر ادا کر کے میں بڑے فخر سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ میں نے خود لکھا ہے انہوں نے مجھ سے تفصیلی ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا جو انشاء جلد ہی پوری ہو جائے گی۔ ویسے چلتے چلتے میں نے اپنی ایک ویڈیو کیسٹ جس میں میرے تمام ڈراموں اور فلموں کے سین۔ اسٹیج شوز کے کلپس اور ٹیلیویژن پروگرام ''مذاق ہی مذاق میں'' کا ایک پورا پروگرام اور ایک ڈاکومنٹری فلم ''سلام سرزمین پاکستان'' بطور تحفہ ریکارڈ کر کے دے دیا کہ وہ اپنی پہلی ہی فرصت میں دیکھ لیں پھر بات کریں اور کام کرنے میں مزہ آئے گا اُن کو بھی اور مجھے بھی۔ جناب انور مقصود صاحب جہاں دیدہ آدمی ہیں وہ میرے اسکرپٹ کو سن کر جس انداز میں مسکرائے میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ انہوں نے مجھے اچھی طرح ناپ لیا یعنی پہچان لیا۔ وہ اسکرپٹ کچھ یوں ہے لیکن اس سے پہلے تھوڑی سی وضاحت ہمارے یہاں کینیڈا ٹورانٹو میں ایک صاحب ہیں جو ایکسیڈنٹ کلیم بینیفٹ کا کام کرتے ہیں اور دعوے کے ساتھ لوگوں کو کہتے ہیں کہ ہم انشورنس سے زیادہ رقم آپ کو دلوا سکتے ہیں اس سے زیادہ پیسے آپ کو کوئی بھی ایجنٹ نہیں دلوا سکتا۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ وہ نوٹوں گڈیوں پر سوتے ہیں اُن کے گھر بستر نہیں ہے شائد ان لوگوں کی کارکردگی کے نتیجے میں ہم جیسوں کی انشورنس بڑھ گئی ہے جبکہ ہمارا کبھی کوئی ایکسیڈنٹ بھی نہیں ہوا، خیر پچھلے دنوں اُن کے بیٹے کی سالگرہ تھی تو اس موقع پر انہوں نے اپنے بیٹے کو نئی کار BMW تحفے میں دی وہ دے سکتے ہیں۔ میرے ذہن میں ایک بات آئی اور اس پر میں نے یہ اسکرپٹ لکھا۔ ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ یار یہ بتاؤ کہ بلیک منی کو وائٹ کیسے کیا جاتا ہے میں نے برجستہ کہا کہ BMW خرید لو بولے BMW خریدنے سے بلیک منی کو وائٹ کرنے کا کیا تعلق ہے میں نے کہا کہ BMW تو بنائی اسی لیے گئی ہے کہ آپ اسے خریدیں اس طرح آپ کی بلیک منی وائٹ ہو جائے گی دوست نے پوچھا وہ کس طرح؟ میں نے کہا یار B کا مطلب بلیک۔ M کا مطلب منی اور W کا مطلب وائٹ۔ ''دوسرا اسکرپٹ'' پہلے تھوڑی

سے وضاحت یہاں سب جانتے ہیں کہ میں نے 23 سال تک UBL یعنی یونائیٹڈ بنک میں ملازمت کی افسر تھا لیکن کبھی ماتحت کے ساتھ زیادتی نہیں کی۔ میرا ایک دوست جو اپنی 30 سالہ ملازمت پوری کر کے کینیڈا پہنچا تو میں اُسے لینے ائیر پورٹ گیا لاؤنج سے باہر آیا تو کہنے لگا کہ یار تم نے 23 سال اور میں نے 30 سال UBL کے لیے کام کیا۔ کیا ملا ہمیں؟ ملک چھوڑنا پڑا در بدر ہو گئے ابھی وہ اتنا ہی بول پایا تھا کہ دو سرکاری بندے آئے میرے دوست کو حراست میں لے لیا۔ دو دن بعد جب کورٹ میں پیشی ہوئی تو میں بھی وہاں موجود تھا۔ جج نے کورٹ روم میں موجود میرے دوست کو ٹیپ سنایا جو گفتگو اُس نے میرے ساتھ کی تھی یہی کہ تم نے 23 سال اور میں نے 30 سال UBL کے لیے کام کیا۔ کیا ملا ہمیں؟ ملک چھوڑنا پڑا در بدر ہو گئے۔ جب یہ ٹیپ چل چکا تو جج نے میرے دوست سے پوچھا کہ کیا یہ تمہاری آواز ہے میرے دوست نے کہا جی ہاں اور ساتھ یہ بھی بتایا کہ یہ بات میں نے اپنے دوست سے کہی تھی وہ بھی یہاں موجود ہے خیر اس کی نشاندہی پر مجھے بھی کٹہرے میں بلایا گیا اور جج کے پہلے ہی سوال پر میں نے کہا یہ میرا دوست ہے اور یہ بات بھی درست ہے کہ میں نے اور اس نے بالترتیب 23 سال 30 سال ایک ہی بنک میں کام کیا ہے یہ سن کر جج چونک پڑا اور پوچھا بنک کے لیے کام کرتے رہے؟ میں نے کہا جی ہاں ہم UBL یعنی یونائیٹڈ بنک لمیٹڈ کے لیے کام کرتے رہے۔ یہ سن کر جج تو پریشان ہو گیا اور کہنے لگا کہ ہم یہ سمجھے کہ تم ''اسامہ بن لادن'' کے لیے کام کرتے رہے۔ یہ سن کر انور مقصود بہت خوش ہوئے اور اپنے گھر کا فون نمبر کاغذ پر لکھ کر دیا جو میرے پاس اس وقت بھی محفوظ ہے۔ اور اس ماہ اُن سے ملاقات کی توقع ہے اور پھر دیکھیے اللہ تعالیٰ کس طرح اپنے بندوں کے لیے آسانیاں پیدا کرتا ہے اگر ہم اللہ تعالیٰ کی ان کرم نوازیوں کو سمجھ سکیں تو ساری زندگی سربسجود شکرانہ ادا کرتے رہیں آمین۔

مدعی لاکھ برا چاہیے تو کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

......☆......

گل نواز

ہم تڑپتے تھے کہ کیسے بات ہو سرکار سے
اب حکومت اور ہمارے درمیاں ہے پل نواز

اس سے لینا ہے حلف پابند کرنے کے لیے
تاکہ ہم کو ہی نہ دے دے آپ کا یہ جُل نواز

ہوگئی گڑ بڑ اکھاڑے میں کوئی گر آپ سے
پھر تو کودے گا وہاں پر آپ کا یہ بُل نواز

گر حکومت نے کوئی بھی ایسی ویسی بات کی
پھر تو لڑنے مرنے پر بھی جائے گا یہ ٹُل نواز

ساتھ دینا ہے تو بولو ساتھ نا چھوڑو گے تم
اس طرح تو جائے پھر آپ کا یہ رُل نواز

آ پڑی مشکل تو پھر آسان کرنے کے لیے
ہاں کہے گا آپ کو بھی پڑھنے کو یہ قُل نواز

ہے دعا فیاضؔ کی بھی اے خدا رکھنا بھرم
جس علاقے سے یہ کھڑا ہو جیت جائے گُل نواز